تحریکِ آزادیِ فکر

اور

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تجدیدی مساعی

از رشحاتِ قلم

حضرۃ الامیر المرکزیہ

شیخ الحدیث مولانا محمدؐ اسمٰعیل صاحب سلفی گوجرانوالہ

مکتبہ نذیریہ

چیچہ وطنی

تحریکِ آزادیٔ فکر

اور

حضرۃ شاہ ولی اللہؒ کی تجدیدی مساعی

از رشحاتِ قلم

حضرۃ الامیر المرکزیہ

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سلفی گوجرانوالہ

مکتبہ نذیریہ

چیچہ وطنی

تقلید کی روش سے بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

تحریک آزادئ فکر

اور

حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی

حضرۃ الامیر المرکزیہ

فاضل جلیل عالم نبیل حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سلفی
گوجرانوالہ

ناشر
مکتبہ نذیریہ چیچہ وطنی

سلسلہ تبلیغ نمبر ۲

نام کتاب	تحریک آزادی فکر
نام مصنف	مولانا محمد اسمعیل صاحب
طابع	محمد حنیف یزدانی قصوری
ناشر	مکتبہ نذیریہ چیچہ وطنی
مطبع	چٹان پریس - لاہور
کاتب	محمد شفیع - ادارہ کتابت چوک دالگراں لاہور
صفحات	۲۴۸
قیمت مجلد	۸ روپے
تاریخ اشاعت	۱۳۸۸ھ
	۱۶ جون ۱۹۶۹ء
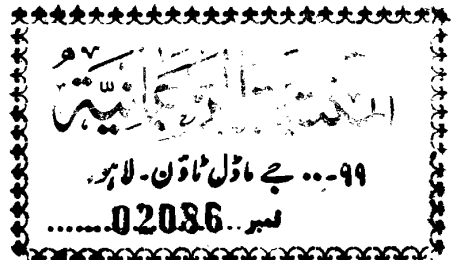
فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن عدی بن حاتم قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی عنقی صلیب من ذھب فقال یا عدی اطرح عنك ھذا الوثن وسمعته یقرء فی سورۃ براءۃ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ قال اما انھم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم کانوا اذا احلوا لھم شیئا استحلوہ و اذا حرموا علیھم شیئا حرموہ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ

عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ میری گردن میں سونے کی صلیب کا نشان تھا۔ آپ نے فرمایا اے عدیؓ! اس بت کو پھینک دو اور میں نے سنا کہ آپ سورہ براۃ کی یہ آیت پڑھ رہے تھے اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ یہود نے اپنے علما کو اور نصاریٰ نے اپنے پیروں کو (اللہ کے سوا) رب بنا لیا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ یہ لوگ ان کی پرستش نہیں کرتے تھے لیکن جب ان کے علماء اور پیر کسی چیز کو حلال کرتے تھے تو وہ اسے حلال سمجھتے تھے اور اگر کسی چیز کو حرام کرتے تھے تو وہ اس کو حرام سمجھتے تھے۔

(رواہ الترمذی)

گر نہیں ہے جستجوئے حق کا تجھ میں ذوق و شوق

"امتی" کہلا کے پیغمبر کو تو رسوا نہ کر

ہے فقط توحید و سنت امن و راحت کا طریق

فتنہ و جنگ و جدل "تقلید" سے پیدا نہ کر

۵

سدا اہل تحقیق سے دل میں بل ہے
حدیثوں پہ چلنے سے دیں میں خلل ہے
فتاووں پہ بالکل مدار عمل ہے
ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے
کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبی سے نہیں کام باقی

حالی

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

اگر احیاناً از پیر امرے خلاف شریعت ظاهر
شود مرید دراں امر تقلید پیر نہ کند

مکتوبات شریف ۳۱۳

خواجہ نصیر الدین محمودؒ چراغِ دہلی کا فرمان

"مشرب پیر حجت نیست دلیل از کتاب و سنت می باید"

(اخبار الاخیار از حضرت شیخ عبد الحق محدثؒ دہلوی)

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

کشف و الہام در شریعت معتبر نیست

(کلمات طیبات)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

حمد و سپاس اس خدائے یکتا و یگانہ کے لیے ہے جو اپنی حکمت اور مشیت کے تحت اپنے بندگان سے دینِ محکم کی استواری کے لیے خدمت لے لیتا ہے اور اپنے الطافِ خاص سے نواز کر مطلوبہ مقاصد کی تکمیل پر مامور کر دیتا ہے نیز ادوارِ ناشائستہ کی دستبرد سے دینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حفظ و بقا کا کام سرانجام فرماتا رہتا ہے اسی طرح وہ اپنے تدبّرِ کامل سے اپنے ناچیز اور حقیر انسانوں سے ان ضروریات کا اتمام کرا لیتا ہے جن کا معدوم ہونا نوعِ انسانی کے لیے نقصانِ عظیم کا باعث ہو سکتا ہو۔ بعد ازاں درود و سلام ہو اس نبیٔ برحق پر جس کے ارشادِ حقیقت آگین اور نوائے وحدت سروش سے ہمیں دین کا فہم حاصل ہوا۔

امّا بعد۔ اس احقر العباد طالب الرشاد کی یہ دیرینہ آرزو تھی کہ حضرت الامیر المرکزیہ جمعیت اہلِ حدیث مغربی پاکستان استاذ العلماء و المدرسین راس الفقہاء و المحدثین فاضل جلیل عالم نبیل حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی مدظلہ گوجرانوالہ کے رشحاتِ قلم کا مرقع "تحریکِ آزادیٔ فکر کا دو جوہر اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تجدیدی مساعی" نامی کتاب کو ایک نئی آب و تاب کے ساتھ شائع کرے۔ اور دینی لٹریچر کی اس بے بضاعتی کے دور میں اس خزینۂ حقائق کو طباعت و کتابت کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے ہدیۂ ناظرین کرے۔ چونکہ یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت ٹھوس دلایل و براہین کی حامل ہے اور اس تقلید جامد کے دور میں اس کی شدید ضرورت ہے اس لیے حمیتِ حق کے جذبہ سے سرشار ہو کر خادم نے توکلاً علی اللہ اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ اہلِ علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہ مضمون بالاقساط

ہفت روزہ "الاعتصام" ۱۹۶۲-۶۱ء لاہور میں شائع ہوتا رہا جس کا نام "تحریک اہل حدیث کا مدوجزر اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی" ہے۔ محترم مولانا موصوف مدظلہ نے خود ہی اس کا دوسرا نام "تحریک آزادیٔ فکر" تجویز فرمایا۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا صاحب کے اسی معنی و مفہوم کے اور مضامین بھی "الاعتصام" میں شائع ہوتے رہے۔ مثلاً "ترک تقلید اور اہل حدیث" "برصغیر پاک و ہند میں اہل توحید کی سرگرمیاں" "تحریک اہل حدیث کا تاریخی موقف اور اس کی خدمات"۔ علم دوست احباب کی مدت سے خواہش تھی کہ "الاعتصام" کے محققانہ اور جامع مضامین کو الگ سے کتابی صورت میں شائع ہونا چاہیئے۔ حضرت الامیر مدظلہ العالی کی خدمت اقدس میں اجازت کی درخواست کی گئی تو آپ نے برضا و رغبت اجازت مرحمت فرما کر حوصلہ افزائی کی جس کا خادم تہ دل سے مشکور ہے۔ اس کتاب مستطاب مفید شیخ و شاب کا پیش لفظ بھی محترم مولانا صاحب مدظلہ ہی نے رقم فرمایا ہے۔

انسانی حد تک اس کتاب کو ہر طرح اغلاط سے درست اور کتابت و طباعت کے سلسلہ میں مزین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ اگر کوئی سقم دیکھیں تو اطلاع دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جاسکے۔ فقط والسلام

محمد حنیف یزدانی

۱۷ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد خاتم النبیین والسلام علی اصحابہ واتباعہ اجمعین

میں مسلسل لکھنے کا عادی نہیں۔ پیدائشی طور پر تو مجھی میلان دین کی طرف ہے اور عقیدہ سلف سے طبعی شغف۔ تعلیم و تربیت بھی اسی نہج پر رہی۔ انگریزی تعلیم اور حضری مدارس سے نہ تاثر ہے نہ اُنس۔ اگر کبھی ضرورت ہو تو مذہبی مسایل پر ہی لکھتا ہوں۔ جہاں تک اپنے متعلق خیال ہے میں مناظر نہیں ہوں نہ آج کے رسمی مناظرات سے طبیعت آشنا ہے اس لیے حوالوں میں کانٹ چھانٹ، تراجم میں حسب مطلب قطع برید کی قطعاً عادت نہیں۔ مسلک اہلحدیث سے محبت ہے اور فن حدیث سے بلحاظ طالب علم کچھ تعلق اور اسی ماحول میں کم و بیش کچھ لکھنے کا موقعہ ملا ہے۔

حدیث کی اساس چونکہ قرآن ہے اس لیے قرآن عزیز کے ساتھ بھی اسی قسم کا تعلق ہے بلکہ قرآن کو سنت سے قطع کر کے سمجھنے کی کوشش کرنا مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔ مجھے معلوم ہے کہ کئی سال سے ہمارے ملک میں انکار حدیث کی تحریک چل رہی ہے اور کئی مراحل سے گذری ہے اور اس کے محرکین نے وقت کے تقاضوں کے مطابق کئی لباس بدلے ہیں۔ میں نے ابتدا میں یہ لٹریچر بطور طالب علم تحقیق کی نظر سے پڑھا اب مجھے اس تحریک اور اس لٹریچر سے نفرت ہے اس شغل کو اضاعت وقت سمجھتا ہوں۔ صلوٰۃ القرآن، بیان القرآن، طلوع اسلام یہ اس تحریک کی بیچارگی کے مختلف مراحل ہیں۔ اس تحریک کی قیادت کے عمل اور فکر کا ما حاصل یہ ہے وہ قرآن کو مفصل کہنے کے باوجود مجمل اور قابل تشریح و تفسیر سمجھتے ہیں اور قرآن کی تفسیر اور تشریح کے لیے لٹریچر شایع کرتے ہیں جس کا مطلب ظاہر ہے کہ قرآن عزیز کو ان حضرات کی تشریح کی ضرورت ہے۔ ان کے ہاں اس تشریح کو قبول کرنا گویا قرآن کو ماننا اور قبول کرنا ہے۔ مگر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے رفقاء کرام قرآن کے مقاصد کو بیان کریں تو اسے یہ حضرات نہ قبول کرتے ہیں نہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں بلکہ قطعاً ناپسند کرتے ہیں کوئی حدیث سمجھ میں نہ آئے مگر اس کا انکار کر دینا سمجھ میں آتا ہے۔ ائمہ حدیث نے جن احادیث کو اپنے معیار پر نہیں پایا ان کا انکار کر دیا یا ان کو موضوع فرما دیا لیکن چند احادیث سمجھ میں نہ آئیں تو پورے ذخیرہ اور فن کا انکار بالکل سمجھ میں نہیں آتا عقل کو اس پر حیرت ہوتی ہے۔

اسی طرح کچھ بزرگ چند رسمیں اور چند نعرے لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اسلام کی خدمت کا دعویٰ فرماتے ہیں۔ اور ان رسموں کو اسلام اور ایمان کی بنیاد سمجھنا اور ان سے انکار یا ان پر انکار کو اسلام کی مخالفت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے منافی سمجھنا عجیب بات ہے حالانکہ قرون خیر اور ائمہ اسلام فقہا و محدثین کے آثار میں ان رسوم کا ذکر تک نہیں۔ اگر کہیں تھوڑا بہت پتہ چلتا ہے تو ان بزرگوں نے ان رسوم کو نفرت کی نظر سے دیکھا ہے۔ اسلام ایسے فعال مذہب کا انحصار چند رسموں اور نعروں پر ہو ضمیر اس سے اباء کرتا ہے۔

اسی طرح مروجہ تقلید اور جمود کا آغاز تو غالباً طبعی تاثر ہے جو ایک شاگرد استاد سے اور تلمیذ شیخ سے اپنے دل میں محسوس کرتا ہے یہ طبعی اور قدرتی ہے۔ اس کے جواز یا عدم جواز کی بحث بے فائدہ ہے۔ یہ تاثر ناگزیر ہے۔ اور یہ تاثر ہمیشہ باندازِ تحقیق اور بحث و نظر کی راہ سے ہوتا ہے۔ اس میں جمود نہیں ہوتا۔ دوسرے ائمہ اجتہاد سے حق کی نفی یا نفرت کے آثار اس میں نہیں پائے جاتے بلکہ ایک تحقیقی تاثر اور فکر و نظر کی راہوں میں کسی قدر ہم آہنگی اور ہمواری ہوتی ہے۔ ان فقہی فروع میں دائرہ حق کسی ایک میں محصور ہوتا ہے نہ ہی دوسرے اہل تحقیق سے نفرت اور بغض ہوتا ہے اور خود ائمہ نے اپنے متعلق کبھی یہ تاثر نہیں دیا کہ حق صرف ہمارے دامن سے وابستہ ہے اور نہ ہی یہ تاثر دیا ہے کہ ہماری باتوں کو بلا دلیل محض خوش فہمی اور عقیدت کی بنا پر قبول کیا جائے انبیاء علیہم السلام فکر و نظر کی دعوت دیتے تھے ان کے اتباع تقلید اور جمود کی دعوت کیسے دے سکتے تھے میری رائے میں یہ تینوں مقام اس قدر ظاہر اور واضح ہیں کہ ان پر کسی طویل بحث کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود دنیا میں ایسے حضرات موجود ہیں جو انکار حدیث کو بطور تحریک چلانا چاہتے ہیں ان کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل سکوت اجتہاد دین میں حجت نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی آیت کی تفسیر فرمائیں ہمیں حق ہے ہم ان کے خلاف تفسیر کریں اور صرف اپنی تفسیر کو صحیح سمجھیں لیکن اس شناعت کے لیے عنوان یہ رکھا گیا ہے کہ قرآن مکمل ہے اور اسناد کی وجہ سے حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہی حال قریباً بعض دوسرے بزرگوں کا ہے وہ بدعی رسوم اور مشرکانہ عادات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور بزرگوں کے ساتھ ربط و عقیدت کے نام دیتے ہیں اور ائمہ سے علمی استفادہ کا نام تقلید رکھ دیا گیا ہے

وبینهما مفاوز تنقطع فیها اعناق الابل

گذشتہ ایام کسی ضرورت یا کسی تاثر کے ماتحت میں نے چند مضامین "الاعتصام" میں لکھے جو بعض

حلقوں میں بہت پسند کیے گئے بعض حلقوں میں کافی ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا۔ کسی چیز کے مؤثر ہونے کی یہی دلیل ہوتی ہے کہ وہ اپنے لیے مختلف حلقے پیدا کرلے اور نقد و نظر کا تختہ مشق بنے مضمون جب چھپ رہا تھا بعض محترم اور عزیز دوستوں نے اس کے بعض حصوں پر دوستانہ اور محققانہ تنقید فرمائی جزاھم اللہ احسن الجزاء

بعض احباب کا خیال تھا کہ اہلحدیث حفاظ حدیث کا دوسرا نام ہے یہ مکتب فکر نہیں اس کے متعلق کچھ مختصر اشارات زیر طبع مضامین میں آگئے ہیں اس موضوع پر ایک مبسوط مضمون لکھنے کا خیال ہے و ارجوا من اللہ التوفیق۔

مولانا محمد حنیف صاحب یزدانی کی نظر سے غالباً یہ مضامین گذرے انہوں نے ان کی طباعت کا ارادہ فرمایا ہے میں نے انہیں ان کی اجازت دے دی ہے۔ اللہ تعالٰی انہیں اعمال خیر کی توفیق مرحمت فرمائے۔

ناظرین سے گذارش ہے اگر وہ ان پریشان خیالات کو پسند فرمائیں تو حضرت الاستاذ المحترم المحدث الکبیر حافظ عبدالمنان صاحب وزیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی مخلصانہ دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں ان کی مبارک تربیت ہی دراصل توحید و سنت کے ساتھ محبت اور مسلک سلف کے ساتھ تعلق کی حقیقی محرک ہے

اللھم اغفر لہ وارحمہ واجعل جنۃ الفردوس ماواہ واجعلہ من ورثۃ جنۃ النعیم

محمد اسماعیل مدرس و خطیب جامع اہلحدیث
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

۳ ذی قعد ۱۳۸۵ھ

۲۶ مارچ ۱۹۶۶ء

تحریک اہلحدیث کا مدّ و جزر

اور

حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی کے اثرات

(۱)

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ پہلی امتوں میں بھی مختلف ذہن تھے۔ بعض الفاظ کے ظاہری مفہوم پر اعتماد کرتے تھے۔ بعض کی توجہ اسباب و علل کی طرف ہوتی تھی وہ الفاظ کو صرف ذریعہ سمجھتے تھے۔ کچھ لوگ اس عالم کون و فساد میں دین اور دنیا دونوں کو حاصل زندگی سمجھتے تھے۔ کچھ ترکِ دنیا اور زہد و ورع کو حاصل مقصد خیال کرتے تھے۔ معلوم ہے کہ اپنی اپنی جگہ یہ سب چیزیں درست ہیں۔ اور اس کارخانۂ حیات و موت میں نہ الفاظ سے گریز ممکن ہے نہ اسباب و علل کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اس دنیا میں رہ کر دنیا اور اس کی ضروریات سے بالکلیہ دامن کشی نہ شریعت کا مقصد ہے اور نہ یہ ممکن ہے۔ اور نہ دنیا پرستی اور اس کی طلب میں جنون کی حد تک بھاگ دوڑ صحیح راہ عمل ہے۔ غلو کسی چیز میں آئے اس میں خرابی پیدا ہو گی۔ اسلام اور آنحضرت فداہ روحی نے اس میں اعتدال کی طرف راہنمائی فرمائی ہے:

قال ابن کوہن وکان الیھود فی دینھم یومئذ ثلاث فرق۔ فرقة الفقھاء واھل القیاس ویسمونھم الفروشیم وھم الربانیون وفرقة الظاھریة المتعلقین

یہود میں اس وقت تین گروہ تھے۔ فقہا تھے جن کو وہ فراحیم کہتے تھے۔ ربانیین بھی انہی کا نام ہے۔ بعض ظاہری تھے، جو کتاب کے نام ہیں الفاظ کو مانتے تھے، ان کا نام

بظواهر الالفاظ من كتابهم ويسمونهم الصلاحية وهم القراؤن وفرقة اخرى منقطعين للعبادة والتسبيح والزهاد فيما سوى ذالك ويسمونهم الحسبانيه (ابن خلدون مقدمہ ج ۱)

صلاوقیہ تھا اور انہیں قراء بھی کہا جاتا تھا اور ایک گروہ فقراء اور زاہدوں کا تھا انہیں تسبیح تہلیل کے سوا کسی چیز سے رغبت نہ تھی۔ ان کو حسبیلیہ کہا جاتا تھا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

لتتبعن سنن من كان قبلكم حذو النعل بالنعل

تم پہلے لوگوں کے قدم بقدم چلوگے۔

مختلف ذہن

آج اسلام میں بھی تینوں قسم کے آدمی موجود ہیں۔ بعض شریعت پر غائر نظر رکھتے ہیں اور دین کے مصالح ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ کچھ ظاہر بین ہیں جن کی نظر بالکل سطحی ہے اور زاہدوں کا گروہ تو پورے ملک کے ذہن پر چھا رہا ہے۔ خانقاہی نظام ابتدا میں کسی قدر اچھا تھا اس کی تفصیلات معلوم ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اکثر بدعات انہیں کے قدموں سے اٹھتی ہیں۔ اور بدعتی فتنوں کا مرکز یہی لوگ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد صحابہ میں فقہا بھی موجود تھے، اہل ظاہر بھی، زاہد اور اغنیاء بھی پائے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں مختلف طبقات رہے۔ اور یہ قسمیں اہل فکر میں موجود رہیں لیکن اس میں کبھی بے اعتدالی ہو جاتی۔ جمود تو اسلام کی افتاد فطرت کے خلاف تھا لیکن یہ جمود تینوں تحریکات میں آ گیا۔ کبھی ظاہر پرستی اس طرح اذہان پر چھا گئی کہ الفاظ کی پرستش شروع ہو گئی۔ لوگوں نے مقاصد اور مصالح کو نظر انداز کر کے محض الفاظ پر سارا زور صرف کر دیا۔ کبھی آراء رجال اور قیاسات علماء نے ذہن کو اس قدر متاثر کیا کہ شخصی آراء و افکار نے تقلید اور جمود کی صورت اختیار کر لی ائمہ اور علماء کی تقلید کو واجب اور فرض کہا جانے لگا۔ متقدمین علماء کی جزوی مخالفت اس قدر جرم سمجھی

؎ ائمہ اربعہ اور باقی ائمہ سنت اور ان کے علوم کے ساتھ تعلق کی آج جو جامد صورت پیدا ہو گئی (باقی اگلے صفحہ پر)

جانے لگی گویا وہ پیغمبر کی مخالفت ہے۔ یہ دونوں غلو کی سرا ہیں تھیں۔ یہی مرض زہاد و اتقیاء میں نمودار ہوا۔ وہاں بھی پیر کو مظہر خدا یا پیغمبر کا نعم البدل سمجھا جانے لگا۔ بزرگوں کے عادات و رسوم اور اوراد و وظائف کو وحی کا مقام دیا گیا۔ ذوق و حال کو شریعت اور وحی کا رقیب ظاہر کیا گیا۔ شرعی حلال و حرام کو ان حضرات کے کہنے پر بدل دیا گیا۔ شرعی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنے میں ان حضرات کو کوئی تامل نہ تھا۔ یہ بھی ایک جمود ہے جو اسلام کے مزاج اور طبیعت کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام ایک متحرک دین ہے۔ اس میں کتاب و سنت کو اساس قرار دے کر ہر دور میں فکری آزادی کی نہ صرف حمایت فرمائی گئی ہے بلکہ حریت فکر کے لیے ممکن طور پر راہیں ہموار کر دی گئی ہیں۔ اور جمود اور تقلید کو روکنے کی ہر کوشش عمل میں لائی گئی۔

جمود شکن تحریکات

اسلام کی اشاعت کے مختلف ادوار میں اس کے اثر و رسوخ اور مختلف اذہان کی عقیدت مندیوں اور مختلف قسم کے امیال و عواطف کی نیرنگیوں نے مد و جزر کی صورت اختیار کی۔ کبھی ظاہر پسندی اور الفاظ کے تقاضوں نے اتنا زور پکڑا کر قیاس صحیح اور مصالح کو شکست دے دی گئی۔ کبھی آراء و مقاییس کی محبت نے ایسا جمود پیدا کیا کہ آراء رجال کے سامنے نصوص مہجور اور متروک قرار پا گئے۔ فرضی مسائل کا نام شریعت رکھ دیا گیا۔

اس مد و جزر کا نتیجہ حافظ ابن حزم کی ظاہریت ہے۔ اور اسی کا نتیجہ فقہاء کی کتاب الحیل ہے جس نے عبادات سے لے کر معاشیات تک دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ بڑے بڑے فواحش دین کے بارہ میں عبادت اور تفقہ تصور ہونے لگے۔ نماز، زکوٰۃ، حج، حیل کی وباء سے محفوظ نہ رہ سکے۔ عام طور پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہو چکی ہے معلوم ہے ابتداء میں نہیں تھی۔ نہ ائمہ اسے پسند فرماتے اور نہ ان کے تلامذہ ہارون نے امام مالکؒ کے سامنے موطا کی آئینی حیثیت کا جب ذکر کیا تو امام مالکؒ نے سختی سے اس کا انکار کیا۔ الدیباج مذہب۔ ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید سے روکا۔ حجۃ اللہ اور کتاب العلم ابن عبدالبر وغیرہ میں ان کے ارشادات بصراحت موجود ہیں تعجب ہے کہ اکابر دیوبند آج بڑی جرأت سے اسی جمود اور تقلید کی دعوت دیتے ہیں اور اسے واجب تک کہنے سے گریز نہیں فرماتے حالانکہ یہ صاحب شریعت کا وظیفہ ہے معلوم ہے کہ تقلید اور اس جمود کا دور چار سو سال بعد ہوا:

سمجھا جاتا ہے کہ ظاہریت کا تعلق فن حدیث سے ہے۔ ابن حزم وغیرہ پر ظاہریت اسی لیے غالب رہی لیکن حقیقت یہ ہے کہ فقہی جبل اور ظاہریت دو نوں ایک ہی ذہن کی پیداوار ہیں۔ ابن حزم اسلاف کے رفتار نے حدیث کے الفاظ کے ظاہر سے ٹھوکر کھائی۔ اور ارباب جبل نے فقہی قواعد کے ظواہر سے دھوکہ کھایا۔ شارع کے مقاصد اور مصالح دونوں جگہ نظر سے اوجھل ہو گئے۔ دونوں جگہ الفاظ کی ظاہریت نے معاملہ فہمی اور غور کی نگاہوں کو چکا چوند کر دیا۔

قیاس سے اگر نظائر کا صحیح جائزہ نہ لیا جا سکے اور شریعت کے مقاصد کا صحیح طور پر لحاظ نہ رکھا جا سکے۔ تو صرف قیاس کے اعتراف یا اسے اصول ادلہ مان لینے سے کچھ بھی حاصل نہیں۔ اکابر کے اجتہادات اگر محض اکابر کی برتری کی وجہ سے قابل احترام ہوں تو یہ بھی ظاہر پرستی کی ایک قسم ہے اور جمود کا ایک نامناسب مظاہرہ۔

تاریخ مذاہب پر ایک نظر

حجاز، بخارا، مصر اور مغرب میں حدیث کا دور دورہ تھا۔ لوگ حدیث پڑھتے پڑھاتے تھے۔ حفظ و ضبط کی مجلسیں گرم تھیں۔ مدارس میں "حدثنا" اور "اخبرنا" کے غلغلے بلند تھے۔ یکایک حجاز اور مصر میں امام شافعیؒ کے حفظ و تکار کا اثر پڑھا سوڈان سے اندلس تک امام مالکؒ کے مسلک فقہ کا اقتدار قایم ہوا۔ کوفہ سے ایران اور پھر اقصائے ہند میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عیاریوں نے اپنا اثر ظاہر کیا۔ نجد اور اس کے حوالی میں حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کی قربانیاں اپنا رنگ لائیں۔ اس کے علاوہ بھی بعض ائمہ اجتہاد نے بعض علاقوں پر اپنا اثر ڈالا جیسے امام اوزاعیؒ، ابن جریر، طبری، حافظ ابن خزیمہ، داؤد ظاہری رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کے فہم اور طریق فکر کو بھی حدیث فہمی میں ضروری قرار دیا گیا۔ ابتداء میں یہ خیال تھا کہ ان حضرات کے افکار کا تتبع ذہن کو لغزش سے بچا سکے گا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فکرمندی خود ایک لغزش بن گئی۔ اور سنگ میل سنگ راہ ہو گیا۔

ائمہ حدیث اور فقہاء کے مباحث، احناف اور شوافع کے منافشات، اسلام کی خدمت کی بجائے بعض مقامات پر اسلام کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئے۔ قرآن و سنت کے نصوص باہم تقسیم ہو گئے۔

تحریکاتِ اصلاح

اپنی تاریخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا۔ ہر دور کے اہلِ علم اس مرض کے علاج میں معروف رہے آوارگی

سے بچتے تو جمود آجاتا، جمود سے بچنے کی کوشش کرتے تو آوارگی کے خارستان میں دامن الجھ جاتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ۔ حافظ ابن قیم رحمہ۔ علامہ محمد الشاطبی رحمہ۔ عبدالرحمٰن بن اسماعیل رحمہ۔ ابوشامۃ المقدسی وغیرہ کی تجدیدی مساعی اسی مدوجزر اور اس کی طغیانیوں کے متعلق تھیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

پیش نظر گذارشات میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی اور ان کے نتائج فکر کا تذکرہ اس نگاہ سے ہے کہ مغل دور کے اواخر میں جب جمود کی گھٹائیں ہند کے افق پر چھائی ہوئی تھیں اورنگ زیب عالمگیر جیسا نیک دل بادشاہ زیادہ سے زیادہ یہی کوشش کر سکا کہ اس نے فتاویٰ ہندیہ کی صورت میں علماء کے ذریعہ اسلام کی خدمت کی۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے رفقاء اور ان کے متوسلین نے اس اندھیرے میں ایک روشنی کے مینار کی طرف توجہ دلائی اور وہ فقہاء و محدثین کا طریق تھا۔ شاہ صاحب ہندوستان کی حنفیت اور ابن حزم کی ظاہریت کو فقہاء و محدثین کے دامن میں پناہ دینا چاہتے تھے۔

ہندوستان کے اہل توحید حنفی ہوں یا اہل حدیث۔ شاہ ولی اللہ سے کوئی صحیح نسبت ہے تو حنفیت خالصہ اور ظاہریت محضہ سے بچ کر انہیں فقہاء و محدثین کا طریق اختیار کرنا چاہیئے اس دور میں اسلام کی یہ سب سے بڑی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباع حق عمل اور اعتقاد میں اعتدال کی توفیق دے۔ آئندہ اوراق میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مختلف اذہان کے غلو میں صالح تحریکات نے کیا کردار نمایاں ادا کیا، تحریکات سلفیہ نے مختلف ادوار میں کیا اصلاحات فرمائیں۔ فقہاء اسلام نے کیا خدمات انجام دیں۔ صوفیاء نے کیا کیا اور ان تینوں اذہان پر شاہ ولی اللہ رحمہ صاحب کی اصلاحی کوششوں نے کیا اثر ڈالا؟

شرح شروع میں لفظ "اہل حدیث" کا مقصد یہ تھا کہ اجتہادی امور میں تقلید اور جمود کو دین میں پہنچنے کا موقعہ نہ دیا جائے بلکہ صحابہ اور ائمہ اسلام کے اجتہاد سے وقت کے مصالح کے مطابق فائدہ اٹھایا جائے اور فقہی فروع میں جمود اور فرقہ پروری کی حوصلہ افزائی نہ ہونے پائے۔ اصل نظر کتاب اللہ اور آنحضرت کی سنت پر مرکوز رہے۔

کتاب و سنت میں اگر کسی مسئلہ یا وقتی حادثہ کے متعلق صراحت موجود نہ ہو، تو اس کا فیصلہ محض کسی

شخصی رائے کے مطابق نہ ہو یا کسی علاقہ کے علماء اپنے مخصوص افکار امت پر نہ ٹھونس دیں بلکہ اصل مطمح نظر صحابہ اور اسلاف کرام کی وسعت نظر ہو۔ جمود اور شخصیت پروری سے امت میں ضیق نہ پیدا کیا جائے۔

جب نصوص نہ ہوں۔ کتاب و سنت میں احکام صراحۃً نہ ملیں تو رائے یا اجتہاد کے سوا چارہ نہیں صحابہ نے بھی اجتہاد فرمایا۔ ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی بوقت ضرورت اجتہاد فرمایا۔ وقت کے ضروری مسائل کو اجتہاد ہی سے سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش ہونی چاہیئے۔ اہلحدیث اور فقہاء مذاہب سب ہی نے اجتہاد کیا۔ اور قیاس شرعی یا میزانی ——— وقت کے مسائل میں مخلصی کی راہ پیدا فرمائی۔

حافظ ابن حزم اور امام داؤد ظاہری کا قیاس سے بالکل صرف نظر کا نظریہ ائمہ حدیث میں مقبول نہ ہو سکا۔ اور فقہاء عراق میں تو اس کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ اس لیے ائمہ حدیث اور فقہاء عراق میں قیاس سے استفادہ یا نظائر میں احکام کی وحدت کا جہاں تک تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں بوقت ضرورت قیاس کو سب درست سمجھتے ہیں بلکہ ضروری!

شاہ صاحب نے ان دو مختلف اور غیر معتدل نظریات اور ان کے نتائج کے حسن و قبح سے متاثر ہو کر اپنے تلامذہ اور متوسلین کو یہ وصیت فرمائی

"وصیت اول این فقیر چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن و اگر طاقت خواندن ندارد ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن و در عقاید مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردن و تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردہ اند اعراض نمودن و بہ تشکیکات معقولیان خام التفات نکردن۔ و در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن و الا کالای بد بریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست و سخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمی را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن و نظر بدیشان نکردن و قربت خدا جستن بدوری ایشان۔"

تفہیمات ج ۲ ص ۲۴۰

فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل میں کتاب و سنت کے ساتھ تمسک کرے اور

ان دونوں کو اپنا مشغلہ قرار دے اور ہر دو سے کچھ حصہ روزانہ پڑھے اور اگر پڑھ نہ سکے تو چند اوراق کا ترجمہ سنے اور عقاید میں سلف اہل سنت کی روش اختیار کرے اور ایسی سلف کی طرح موشگافیوں سے بچے۔ اور خام کار معقولیوں کی شک آفرینیوں سے بچے۔ اور فرعی مسائل میں ان محدثین کا اتباع کرے جو حدیث اور فقہ دونوں سے پوری طرح واقف ہوں اور فقہی مسائل کو ہمیشہ کتاب و سنت پر پیش کرے جو موافق ہو اسے قبول ورنہ بالکلیہ نظرانداز کردے۔ امت کو اپنے اجتہادات کو کتاب و سنت پر پیش کرنے سے کبھی استغنا حاصل نہیں ہوا اور ضدی قسم کے فقیہ حضرات جنہوں نے بعض اہل علم کی تقلید کو دین کا سہارا بنا رکھا ہے اور کتاب و سنت سے اعراض ان کا شیوہ ہے کی بات تک نہ سننا اور ان کی طرف نگاہ مت اٹھانا اور ان سے دور رہنے میں ہی خدا کا قرب تلاش کرنا ۱ ھ

شاہ صاحب کے دانشمندانہ اور جرأت آمیز اعلان سے تعجب ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے جس ماحول میں تربیت پائی تھی۔ وہ فقہی جمود کا دور تھا۔ اس وقت کا بہت بڑا متدین اور روشن خیال بادشاہ وہ اسلام کی جو سب سے بڑی خدمت کرسکا وہ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف تھی جسے فتاویٰ ہندیہ کہا جاتا ہے۔ عالمگیر نے اسلامی قانون کی بہتر تعبیر کے لیے وقت کے بہترین علماء کو جمع کیا ان مقدس بزرگوں نے اپنے وسیع علمی معلومات کی روشنی میں فقہ حنفی کی یہ بہترین خدمت انجام دی۔

اس کتاب کی خوبی صرف اسی قدر ہے کہ فقہاء رحمہم اللہ کے اقوال سے اوفق بالمصالح اقوال کو لے لیا گیا اور مختلف فیہ کو اسی طرح درج کردیا گیا ہے تاکہ جس پر مناسب ہو عمل کرلیا جائے۔ گویا اس دور جمود میں ایک محدود مقام تک حرکت کی کوشش کی گئی۔ قرآن اور سنت یا دوسرے ائمہ کے مذاہب کے لحاظ سے شرعی مصالح کا جائزہ لینے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حضرت شاہ صاحب نے اسی ماحول میں پڑھا اور غالباً والد صاحب کی زندگی میں مسند درس کی زینت بنے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے دروس اور طریق افتاء سے طالب علم اور اس وقت کے عوام مطمئن تھے لیکن خود شاہ صاحب مطمئن نہ تھے۔ جس چشمہ سے عام دنیا سیرابی حاصل کر رہی ہے وہ چشمہ خود اپنی سوتوں میں تشنگی اور خشک سالی محسوس کر رہا تھا۔ جامد اور تقلید مزاج طبائع ریتی و سائی اور فہم کے لحاظ سے سمجھ رہے تھے فقہ حنفی اور اس کے مصالح کی ترجمانی کا حق صحیح طور پر ادا ہو رہا

ہے بلکہ علم و تفقہ حکمت مصالح کا یہ ترجمان دل ہی دل میں محسوس کر رہا تھا کہ جب ائمہ مجتہدین اسلام کی ترجمانی ہے اور ائمہ کی فقہ کا ماخذ قرآن اور سنت ہے تو بعض تعبیرات کو کلیتہً کیوں ترک کیا جائے اور بعض پر قناعت کیوں کی جائے اگر کسی موسم اور کسی ملک میں ایک تعبیر اسلامی مصالح اور دینی مقاصد کے چوکھٹے میں پوری طرح سازگار آسکے تو بالکل ممکن ہے کہ دوسری تعبیر دوسرے ماحول میں اس سے بھی زیادہ سازگار آئے۔ نبوت جب ختم ہو چکی ہے تو صرف ترجمانی اور تعبیر کو کیوں نبوت کی طرح قطعی اور دوامی حیثیت دی جائے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ دین کے خادم ہیں اور اسلام کے ترجمان۔ دین ان کا دست نگر اور خادم نہیں کہ ان کے ارشادات اور احکام کے لیے ہر وقت چشم براہ رہے۔

فقہا کی عرصہ سے یہ حالت تھی کہ وہ اس اسمی اور فقہی تقلید کو واجب اور فرض سمجھتے تھے اس کی مزعومہ حیثیت کی بنا پر انکار و تکفیر اور ایک دوسرے کی اقتدار سے حتمی طور پر روکا جاتا تھا۔ یہ سوتیلی ماں کا سا معاملہ ایک دانشمند کے لیے موجب حیرت تھا۔ شافعی حنفی ہو تو سزا پائے اور حنفی شافعی ہو خلعت ملے۔ یہ کیسی حق پروری ہے۔

یہ عجیب وطیرہ تھا کہ علماء کے اقوال اور ارشادات، اور نصوص کتاب و سنت میں جب اختلاف اور تعارض ہو تو تاویل اور توڑ مروڑ نصوص کا حصہ تھا اور اپنی جگہ پر قائم رہنا ائمہ کی فقہیات کا حق تھا اور پھر دعویٰ یہ کہ اصل مطاع نبوت ہے اجتہاد نہیں۔ یہ دو عملی اور تضاد حضرت شاہ صاحب ایسے دور اندیش معاملہ فہم فقیہ کے لیے کیسے اطمینان کا موجب ہو سکتا تھا۔

اس لیے ظاہر ہے کہ جمود پیشہ اور قاصر النظر دنیا کی سیرابی اور اطمینان کے اسباب دوامی ایک بالغ النظر اور تجدیدی ذہن کے لیے کبھی اطمینان کا موجب نہیں ہو سکتے تھے اس لیے شاہ صاحب کی تشنگی فطری اور قدرتی تھی۔

پھر جمود اور استعداد اجتہاد کا فقدان فقہائے احناف سے مخصوص نہ تھا بلکہ تقلید کے مزاج کا تقاضا تھا کہ وسعت نظر اور دقت فکر سے ممکن طور پر اجتناب کیا جائے۔ دلائل کی چھان پھٹک کے مشغلہ سے بچ کر رجال اور ان کے اقوال کے سہارے پر زندہ رہنے کی کوشش کی جائے۔

جب طبیعت کا خمیر تجدید اور اجتہاد سے اٹھایا گیا ہو جہاں حکم اور مصالح ذوق میں سمو دیے گئے

ہوں جس شخص نے اسرار شریعت اور دین کی حکمتوں میں رازی اور غزالی سے سبقت حاصل فرمائی ہو یا ابن حزم اور عز بن عبدالسلام ایسے فحول ایمہ پر تنقیدی تبصرے کیے ہوں۔ وہ توضیح اور کشف الاسرار پر کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔ اصول فقہ اور فقہ کے متعارض اور متصادم اصول اور جزئیات اسے کیسے مطمئن کر سکتے تھے۔

ظاہر پرستی کا مرض

حافظ ابن حزم اور امام داؤد ظاہری رحمہم اللہ نے قیاس کی ان بھول بھلیوں سے تنگ آکر اس کی حجیت سے انکار کر دیا اور اسی تلاش میں نکلے کہ صرف کتاب و سنت پر کفایت کریں۔

یہ راستہ اس لحاظ سے بے خطر تھا کہ اس میں اپنی ذمہ داریاں کم ہو جاتی ہیں۔ تاویلات اور تعلیمات کی دوڑ دھوپ سے تھکنے یا ہار جانے کی نوبت نہیں آتی جب دین میں مدار نقل پر ہے۔ تو نقل پر انسان کو مطمئن ہو جانا چاہیئے اگر عقل بالفرض ناصر ہے تو حرج نہیں۔ اصل تو نقل ہی ہے۔ جب قرآن اور سنت میں ایک حکم مل گیا تو اب عقل اور نظائر کی تلاش چنداں ضروری نہ تھی نہ ہی عقل کی موافقت کی شرط اس لیے اپنی طرف سے نہ کسی اضافہ کی ضرورت ہے نہ ہی اس خطرے کو خریدنے میں کوئی فائدہ۔

لیکن معلوم ہے کہ نصوص کا ذخیرہ محدود ہے۔ سنن ثابتہ چند ہزار کے پس و پیش ہوں گی اور قرآن عزیز کی ایک سو چودہ سورتیں آیات احکام کی تعداد معمولی ہے لیکن حوادث کا سلسلہ غیر محدود ہے جب تک دنیا فنا کی حدود تک نہ پہنچ جائے واقعات اور حوادث ہوتے رہیں گے ان غیر محدود واقعات کے متعلق ان محدود نصوص میں صریح احکام کیسے مل سکتے تھے اس لیے ظاہریت کی راہ بالآخر تکلفات کی راہ بن گئی اور عملی زندگی میں زیادہ دور تک نہ جا سکی اور ملتے جلتے نظایر سے حکم میں فرق اور تفاوت معقول اور پسندیدہ راہ نہیں شمار کی جا سکتی۔ اس لیے اگر ظاہری کتب فکر ایک لحاظ سے بے خطر تھا تو دوسرے نقطۂ نظر سے بے کار بلکہ بسا اوقات مضحکہ خیز بھی ہو گا۔

قیاس اور تفقہ کی راہ

عملی زندگی میں آگے بڑھنے اور اسے آگے بڑھانے کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ نظایر اور ان کے احکام میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ شارع حکیم کے احکام کے وجوہ اور اسباب پر غور کیا جائے ان مصالح کا بغور مطالعہ کیا جائے جن کی بنا پر شارع حکیم نے یہ احکام نافذ فرمائے۔

اور قرآن عزیز نے جب قدم قدم پر عقل و فہم کو مخاطب فرمایا ہے۔ توحید و نبوت اور معاد کے

دلایل کے تذکرہ میں عقل لب اور نُہیٰ کے استعمال کی تلقین کی گئی ہے تو پھر اسے معطل کیوں چھوڑا جائے

فبشر عبادی الذین یستمعون القول	وہ لوگ بشارت کے مستحق ہیں جو گفتگو سن کر
فیتبعون احسنہ اولئک الذین	اس کے حسن و قبح میں تمیز کرتے ہیں اچھی باتوں کو
ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا	قبول کرتے ہیں یہی لوگ اللہ سے ہدایت کے
الالباب ○	مستحق ہیں اور یہی عقلمند کہلانے کے حق دار۔

اس میں عقلمند اور معاملہ فہم لوگوں کی تعریف فرمائی گئی ہے ستے چلتے مسائل کے حکم میں توازن قیاس صحیح کا نتیجہ اور عقل کا واجبی تقاضا ہے۔

اللہ الذی انزل الکتاب بالحق و	اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا اور اس
المیزان ۴۲	کے ساتھ میزان کو بھی اتارا۔

جس میزان کا تعلق کتاب کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ اتری ہے۔ یہ ترازو وہ نہیں جو مادی اور جسمانی چیزوں میں توازن کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس سے مراد وہی میزان ہے جو کتاب کے فہم مسائل شرعیہ میں جس سے بصیرت ہوتی ہے جس سے مختلف نظایر کے حکم میں توازن ہوتا ہے اس کا فنی اور اصطلاحی نام قیاس سمجھ لینا چاہیئے لیکن حقیقت میں وہ میزان ہے۔

اس لیے نہ قیاس کی ضرورت سے انکار کیا جا سکتا ہے نہ ہی اپنے مقام پر اس کی حجیت اور افادیت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ائمہ حدیث ظواہر حدیث کے ساتھ پوری عقیدت، الفاظ اور ان کے لغوی معانی کے ساتھ پورے اعتناء کے باوجود قیاس کو شرعی حجت سمجھتے ہیں اور ان قیاسی ادلہ سے پوری طرح استفادہ کے قایل ہیں۔ ان اصول کے اعتزاز اور ان کی عموم اور ہمہ گیری کے معترف ہیں لیکن نصوص شرعیہ کو ان اصول پر قربان نہیں کرتے جس کی بعض مثالیں ان گذارشات میں مذکور ہو رہی ہیں۔ عام فقہاء اور خصوصاً فقہاء حنفیہ سے اس معاملہ میں کچھ مسامحات ہوئی ہیں رحمہم اللہ شاہ صاحب کی اصل مے مبنی یہی ہے۔ بعض جگہ اصول نصوص سے ٹکرا گئے ہیں اور بعض جگہ اصول کی جامعیت اور اس کے طرد و عکس میں خلل واقع ہوا ہے۔ جہاں اصول کی جامعیت نصوص کی گہرائیوں میں جگہ لی اور نظایر کو اس پیمانہ سے ناپنا شروع کیا دیکھتے ہی دیکھتے پیمانہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ نظایر کا حکم باہم ٹکرا گیا۔ اور اصول پاش پاش ہو گیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمالیجیے

صحیح بخاری میں ہے:-

كانت عائشة يؤمها عبدها ذكوان من المصحف، ص۱۵۶ عمدة القاری فتح الباری طبع ہند ص۱۸۵ ج۳

حضرت عائشہ کا غلام ذکوان قرآن سے دیکھ کر نماز پڑھاتا تھا۔

ابن سیرین، حسن بصری، حکم، عطاء قرآن سے نماز میں قرأت جائز سمجھتے تھے۔ حضرت انس کے پیچھے سامع کے ہاتھ میں قرآن ہوتا وہ انہیں لقمہ دیتے۔ امام مالک تراویح میں اسے جائز سمجھتے ہیں۔ حافظ عینی فرماتے ہیں:-

قلت القراءة من مصحف في الصلوة مفسدة عند ابي حنيفة لانه عمل كثير وعند ابي يوسف ومحمد يجوز لان النظر في المصحف عبادة لكنه يكره لما فيه من التشبه باهل الكتاب اھ عمدة القاری ص۱۵۶

نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنے سے حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز فاسد ہوگی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے جس سے خشوع اور نماز کی ہیئت بگڑ جاتی ہے، امام ابویوسف اور امام محمد فرماتے ہیں۔ قرآن میں دیکھنا عبادت ہے اس لیے نماز درست ہے لیکن مکروہ ہوگی اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے وہ کتاب سے دیکھ کر ہی نماز پڑھتے ہیں۔

امام قرأ في المصحف فصلوته فاسدة قال ابو يوسف ومحمد تامة ويكره اھ جامع الصغير امام محمد ص۱۵ طبع مصر

حضرت امام کے نزدیک قرآن دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی۔ امام محمد اور ابویوسف کے نزدیک ہوگی لیکن مکروہ۔

حضرت عائشہ اور اکابر ائمہ تابعین کے عمل کے باوجود دل مانتا ہے کہ مصحف میں پڑھنا ٹھیک نہیں یہ واقعی عمل کثیر ہے رعمل کثیر کی حد کچھ ہو، اوراق کی الٹ پلٹ اور صفحات کی طرف توجہ اور حفاظت سے واقعی نماز کی طرف صحیح اور مناسب توجہ نہیں رہے گی۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ جہاں تک ہوسکے یہ تکلف نہ کیا جائے اور حفظ سے پڑھا جائے۔

تشابہ کی وجہ تو سمجھ میں نہیں آتی۔اگر یہ شرعاً درست ہے تو تشابہ کیا ہوا اور جب آپ پڑھنا شروع کریں گے تو پھر اہل کتاب کا آپ سے تشابہ ہو جائے گا۔تاہم دوسرے نمبر پر یہ وجہ بھی مان لی جائے تو اس سے دو اصول سمجھ میں آتے ہیں۔

۱۔ نماز میں عمل کثیر نہیں ہونا چاہیئے نماز سے توجہ ہٹ جائے گی۔

۲۔ غیر مسلم قوموں کے ساتھ تشبیہ سے بچنا چاہیئے۔

اب دوسرا نکتہ سنیئے:۔

لو نظر المصلی الی المصحف وقرء منہ فسدت صلوٰتہ لا الی فرج امرءۃ بشھوۃ لان الاولٰی تعلیم مرد وتعلم فیھا لا الثانی ا ھ الاشباہ والنظائر ص۲۳۲ مطبوعہ ہند	اگر نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھے تو نماز فاسد ہو گی لیکن اگر عورت کی شرمگاہ جنسی جذبہ کے ساتھ دیکھے تو نماز فاسد نہیں ہو گی۔ کیونکہ پہلی صورت درس و تدریس کی ہے شرمگاہ دیکھنے سے یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

اب اس عقل پروری اور نکتہ نوازی کو کون سمجھے جہاں قرآن دیکھنے سے خشوع ٹوٹے اور عمل کثیر ہو اور شرمگاہ کی طرف جنسی جذبات کے ساتھ توجہ نماز پر کوئی اثر نہ ڈالے۔

کچھ شک نہیں جب علماء بحث و مناظرہ کے موڈ میں آجائیں تو بیٹیاں حلال کر سکتے ہیں۔ مرغی حرام فرما سکتے ہیں۔مگر عقل سلیم اور میزان اعتدال تو موشگافیوں اور نکتہ نوازیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے اس لیے محدثین نے قیاس کی حجیت کے باوجود اس وہ غلو سے بچنے کے لیے پوری احتیاط سے کام لیا ہے۔

ہمارے حضرات احناف کی ایک قسم پہلے سے نمودار ہوئی ہے ان کی عمر تقریباً ساٹھ ستر سال کے پس و پیش ہو گی۔ یہ حضرات اسلام کے مدنی طوعا نچہ کے حصہ عقاید میں بڑی اہم اور دور رس ترمیمات چاہتے ہیں۔ان کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے مدنی عقاید بریلی، لاہور، لائل پور کے تابع بنوا لیے جائیں:

ان حضرات کی نظر سید احمد شہید کے ملفوظات حصہ دوم (جو صراط مستقیم کے نام سے مشہور ہے) کی اس عبارت پر پڑی۔کہ گاؤخر کے تصور سے نماز میں خشوع پر اتنا برا اثر نہیں پڑتا لیکن آنحضرت کے

تصور سے خشوع زیادہ مجروح ہوتا ہے۔ صراط مستقیم ص

عنوان یا تعبیر کچھ ہو بات صحیح اور درست تھی کہ محبوب اور پسندیدہ چیز کے تصور سے طبیعت کے رجحان اور خشوع پر زیادہ اثر پڑے گا۔ گاؤ خر ایسی معمولی اور حقیر چیز کے تصور سے نماز اور خشوع پر وہ اثر نہیں پڑے گا۔ بات چپے کی تھی آنحضرت کے ساتھ محبت اور والہانہ تعلق جب نویدی کی سرمستیوں سے ٹکرائے تو اس سے بچنا بڑی دانشمندی ہے۔ نہ تو نبوت کی بلندیوں کو گاؤ خر کی حقارتوں سے ہم آہنگ ہونے دیا جائے نہ ہی نماز کے معراج اور اس مکالمہ الٰہیہ کے ذوق میں کسی دوسرے محبوب کو اشتراک کا موقعہ دیا جائے۔

معنوًا درست تھا اگر تعبیر ناپسند تھی تو اسے بدل دیا جاتا۔ مولانا عبدالحی بڈھانوی کا ترجمہ صحیح نہیں تھا لیکن یہاں کوئی پرانا بغض تھا جسے نکالنا ضروری سمجھا گیا۔ سید احمد کا ارشاد اور مولانا عبدالحی بڈھانوی کا ترجمہ دونوں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے نام لگا دیئے گئے اور فتووں کی مشینیں تان دی گئیں اور کفر کے انبار بالاکوٹ کے میدان میں دریائے منہار کے کناروں پر انڈیل دیئے گئے۔ جنہیں خون شہادت کے چند قطروں نے دریائے منہار کی لہروں کے سپرد کر دیا اور شہداء کی طہارت ان نجس اور غلیظ فتووں سے متاثر نہ ہو سکی۔

سراسیمگی اور شوریدہ سری کی کوئی حد ہے کہ سید شہید کے ملفوظات اور مولانا عبدالحی کا ترجمہ دونوں بچارے شاہ اسمٰعیل کے نام الاٹ کر دیئے گئے۔ اور پورس دار افتاء کی مسندیں شہید حق کے کیڑے نکالنے میں مشغول ہو گئیں جو ان کے درجات کی رفعت کا موجب ہوں گے انشاء اللہ

سید شہید نے نماز کی سرگوشیوں میں آنحضرت کے مقام کی رفعت اور گاؤ خر کی حقارت انگیزیوں میں اگر امتیاز فرما کر نماز کی روحانی کیفیتوں کو شرک کی غلاظتوں سے پاک وصاف رکھنے کی تلقین فرمائی تو وہ کافر ہوئے اس لیے کہ وہ آنحضرت سے محبت فرماتے ہیں۔ آپ کی فقہی موشگافیوں نے حریم نماز میں مصحف کے تقدس کو شرمگاہ کی عریانی اور انسانی کمزوریوں کے سفلی شہوت سے قرآن عزیز کو شکست دے دی آپ کا ایمان سلامت رہا اور آپ بالکل تازے اہل سنت و جماعت ہو گئے اور شہدائے بالاکوٹ شہادت اور قربانی کے باوجود کافر ہی رہے ؎

من کان ھذا القدر مبلغ علمہٖ　　فلیستتر بالصمت والکتمان

اگر فقہاء بریلی کا انداز فکر یہی رہا تو یہ قافلہ چند دن کا مہمان سمجھنا چاہیئے۔ بریلی، بدایوں، مارہرہ، لاہور، لائل پور کوئی مقام اور کوئی نسبت ایسے لوگوں کے لیے زندگی کی کفیل نہیں ہو سکتی۔ پاکستان میں جہالت کا یہ دور اور علم فروشی کا یہ بازار ان شاء اللہ زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا۔

آپ ہی سوچیں اس پون صدی کی کفر نوازی سے آخر اسلام کو کیا فائدہ پہنچا ملک کہاں تک سربلند ہوا۔ دین اور سیاست میں آپ کو کونسا مقام ملا۔ آپ نے اہل توحید کو مشق ستم کے لیے انتخاب فرمایا اور وہ شرافت سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے مظالم کی مشق ان مساکین پر فرمائی شروع کیا ؎

ہمہ آہوان دشتی سر خود نہادہ بر کف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

ظن کو فیصلوں میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ شریعت نے بیسیوں مقامات میں قرائن سے فیصلہ کیا۔ بچہ کے الحاق میں اور لقیط کو ورثاء کے ساتھ ملانے میں قیافہ کو بہت بڑا دخل ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کے متعلق قیافہ اور ان کی رائے پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ بعض فقہاء نے اس قرینہ کا اس لیے انکار فرمایا کہ اس میں محض اور تخمین پر فیصلہ کیا گیا ہے۔ اپنی جگہ یقین کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یقین کے بالمقابل ظن کو کوئی وقعت حاصل نہیں ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔

لیکن بعض فقہاء نے ان قرائن کو نظر انداز کر دیا کیونکہ یہ ظنی ہیں لیکن جب ظن کے قبول کا رجحان ذہن میں آیا تو کمال کر دی۔ شکوک و اوہام کو یقین کا مقام دے دیا ابن قیم فرماتے ہیں۔

قال بعض الفقہاء ومن العجیب انکار	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور حضرت
لحوق النسب بالقافۃ التی اعتبرھا	عمر نے قیافہ کو اثبات نسب میں معتبر سمجھا
النبی وعمل بہ الصحابۃ من بعدہ	لیکن بعض فقہاء نے اس کا انکار کر دیا اور اقصی
وحکم بہ عمر بن الخطاب والحاق	مغرب میں ایک آدمی اس عورت سے نکاح
النسب فی مسئلۃ فیمن تزوج	کرے جو اقصی مشرق میں ہے چھ ماہ کے
باقصی المغرب امرءۃ باقصی المشرق	بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہو تو یہ حضرات

وبینھما مسافة سنین ثم جاءت بعد العقد باکثر من بعد ستة اشھر بولد صنا — اس کی نسب کو صحیح سمجھتے ہیں۔

یہ قیاس کا عجیب کرشمہ ہے مستند قرآن کا انکار کر دیا گیا اور اوہام و ظنون کی بنا پر نسبت ثابت کر دی اور بچہ ثابت النسب قرار پا گیا۔

یہ اوہام تو قابل اعتماد قرار پائے اور قیافہ کی وجہ سے خبر واحد کے پورے ذخیرہ پر عتاب فرمایا گیا کہ وہ ظنی ہے۔ شاہ ولی اللہ اس غیر معتدل طریق فکر پر کیسے مطمئن ہوتے۔

علماء اصول نے ایک قاعدہ بیان فرمایا الخاص لایحتمل البیان۔ حسامی صنا نور الانوار صہ۱ کشف الاسرار صہ التلویح علی التوضیح صہ۳

اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ خاص کا مفہوم چونکہ واضح اور یقینی ہوتا ہے اس لیے اسے بیرونی تشریح اور وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی قانون کی روشنی میں کئی مواقع میں شوافع پر حجت قائم کی اور یہ ظاہر فرمایا کہ ہمارا موقف صحیح ہے اور شافعی غلطی پر ہیں۔ بلکہ اگر کہیں صحیح حدیث بھی اس قانون سے ٹکرا گئی تو حدیث کو نظر انداز کر دیا گیا اور اس قانون کی آبرو رکھ لی گئی۔

قرآن عزیز میں ارشاد ہے:

یاایھا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم — اے ایمان والو رکوع اور سجود کرو اور اللہ کی عبادت کرو۔ ۲۲

فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں رکوع کے معنی جھکنا ہے سجود کے معنی زمین پر سر رکھنا۔ اگر کوئی شخص ذرا جھک جائے یا زمین پر سر رکھ لے تو نماز ہو جائے گی مگر رکوع اور سجود میں اطمینان اور اعتدال حاصل نہ ہو۔ شوافع اطمینان اور اعتدال کو فرض سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح نماز میں رکوع اور سجود ضروری ہے۔ ٹھیک اسی طرح شرعاً نماز میں طمانیت اور سکون بھی ضروری ہے اگر ان ارکان میں اعتدال نہ ہو تو شوافع اور ائمہ حدیث کے نزدیک نماز نہیں ہوگی۔

احناف فرماتے ہیں نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ رکوع اور سجود کا لغوی معنی ثابت ہو گیا اس لیے شوافع کا خیال غلط ہے خاص کو کسی بیان اور خارجی تشریح کی ضرورت نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھی اس نے رکوع وسجود اطمینان سے نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین دفعہ فرمایا

صل فانك لم تصل (مسلم بخاری) تم نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔

یعنی شرعاً تمہاری نماز کا کوئی وجود نہیں۔ اسی حدیث کی بنا پر اہل حدیث اور شوافع وغیرہم کا بھی یہی خیال ہے کہ اگر رکوع اور سجود میں اطمینان نہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ احناف فرماتے ہیں۔ رکوع اور سجود کا معنیٰ معلوم ہو جانے کے بعد ہم حدیث کی تشریح اور نماز کی نفی قبول نہیں کرتے۔

قرآن کی عظمت

اسی اصل کی حمایت میں یہ عذر فرمایا گیا کہ اگر شوافع کے مسلک یا حدیث پر یقین کرتے ہوئے یہ مان لیا جائے کہ نماز میں اطمینان فرض ہے تو یہ قرآن پر زیادتی ہوگی۔ جو نسخ کے مرادف ہے جب قرآن عزیز نے خاص الفاظ سے ایک حقیقت کا اظہار فرما دیا اس پر زیادتی کسی طرح درست نہیں ایسا کرنا یا سمجھنا قرآن عزیز کی عظمت اور اس کی رفعت شان کے منافی ہے۔ قرآن کی عظمت واقعی ضروری ہے لیکن اس آڑ میں مقام نبوت کا تعطل ہو جائے۔ پیغمبر کو یہ بھی حق نہ رہے کہ وہ قرآن عزیز کے مفہوم کی تعیین فرمائیں۔ کسی عمل کی شرعی حیثیت کا اظہار یا کوئی ایسا حکم جس سے قرآن عزیز نے سکوت فرمایا ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسے بیان نہ فرما سکیں۔ خود صاحب وحی بھی اپنی وحی کا مطلب بیان نہ فرما سکیں۔ مجتہد اور فقیہ، عالم اور صوفی تو اپنے خیال سے اپنی استعداد کے مطابق قرآن کا مطلب بیان فرمائیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا جائے کہ آپ قرآن کے متعلق کچھ نہیں فرما سکتے یہ عجیب ہے،

آخر یہ اصول بھی تو قرآن فہمی ہی کے لیے بنائے گئے۔ اور ان کے بنانے میں بقول صاحب کشف الظنون صفحہ ۸۹ زیادہ کوشش معتزلہ اور اہل حدیث نے کی۔ ان کا احترام تو اس قدر رکھا کہ حدیث بھی ان کے ہوتے ہوئے نظر انداز فرما دی گئی اور نصوص نبوی کے لیے یہ گنجائش بھی نہ رکھی گئی کہ وہ قرآن عزیز کی وضاحت فرما سکیں۔ حالانکہ قرآن عزیز یہ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کے طور پر متعین فرماتا ہے:۔

وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ہم نے ذکر تم پر اس لیے اتارا کہ آپ لوگوں

نزل الیھم ولعلھم یتفکرون ۱۶/۴۴ کے سامنے اسے واضح فرمائیں اور یہ لوگ اسی پر سوچیں۔

وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی و رحمۃ لقوم یومنون۔ ۱۶/۶۴ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے اتاری کہ آپ ان کے باہم اختلافات کو واضح فرمائیں۔ اور یہ کتاب اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

ان دونوں آیات میں تبیین اور اظہار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری قرار پایا ہے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح بھی صرف نظر نہیں فرما سکتے۔

سورہ مائدہ میں اہل کتاب کو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کی طرف دعوت دی۔

یا اھل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم کثیرا مما تخفون من الکتاب ویعفوا عن کثیر اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے رسول اس لیے تشریف لائے کہ وہ تمہاری چھپائی ہوئی چیزوں کی وضاحت فرمائیں۔

تعجب ہے کہ جس بیان کے سامنے اہل کتاب کو بھی اتقیاد کی دعوت دی جا رہی ہے۔ مسلمان ان سے محروم ہونے کی اس لیے کوشش فرماتے ہیں کہ ارباب اعتزال کے طے فرمودہ قواعد کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے حدیث رہے یا نہ۔ اصول اور ان کی پختگی میں کمی نہ آنے پائے۔ پھر یہ ذمہ داری تمام انبیاء علیہم السلام پر ڈالی گئی۔

ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم فیضل اللہ من یشاء ویھدی من یشآء وھو العزیز الحکیم ۱۴/۴ ہم نے ہر نبی کو اس کی مادری زبان میں اس لیے مخاطب فرمایا کہ وہ پوری وضاحت کر سکے۔ پھر ہدایت اور گمراہی اللہ کے قبضہ میں ہے اور وہ عزیز اور حکیم ہے۔

پھر پیغمبر کے اس بیان کو اپنا بیان قرار دیا کہ خالق اور مخلوق کی مغایرت کا اثر بیان پر مرتب

نہ ہو فرمایا :-

فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم — تم ہمارے ارشاد کے مطابق قرآن کو پڑھو

ان علینا بیانه — پھر اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے حکم کے مطابق خدا کے احکام کی وضاحت فرمائیں لیکن وہ بیان ہمارے خود ساختہ اصول کے ہم پلہ نہ ہو سکے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ عجیب تھا اس لیے حجۃ اللہ البالغہ، الخیر الکثیر، تفہیمات، مصفی مسوی، عقد الجید، الانصاف وغیرہ میں اسے بار بار دہرایا اور مختلف طرق سے اس فقہی جمود کو توڑنے کی کوشش فرمائی اور احتجاج فرمایا کہ سنت کے ساتھ یہ بے انصافی اور ترجیحی سلوک نہیں ہونا چاہیے۔ بڑا ہی نامناسب ہے کہ غیر معصوم انسانوں کے بنائے ہوئے اصول تو دین کا اساس قرار پائیں اور سنت جو فی الحقیقت وحی اور دین کی بنیاد ہے وہ ان مصنوعی اصول کے سامنے یتیم اور لاوارث قرار پائے اور سنت سے ایسا سلوک وہ لوگ کریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔

حدیث کی صحت :

حدیث کی صحت یا ضعف کا مسئلہ اس وقت خارج از بحث ہے اس لیے کہ ان اصول کی حکومت کے سامنے حدیث صحیح ہو یا ضعیف بے بس ہے۔ ویسے تو ہمیں بتایا گیا ہے کہ حدیث ضعیف بھی ہو تو وہ قیاس سے مقدم ہے اور اس کے لیے اصول فقہ کے ذخائر میں حدیث قہقہہ کے انداز کی شاید ایک دو مثالیں بھی مل جائیں۔ دراصل حضرات فقہائے عراق خصوصاً اتباع قاضی عیسٰی بن ابان سنت سے ویسے ہی کچھ ناراض ہیں۔ وہ رائے کے دروازوں کو کھلا رکھنا چاہتے ہیں۔ سنت کے ابواب بند ہوتے ہیں تو ہو لیں۔ اس لیے حضرت شاہ ولی اللہ جیسا بیدار مغز، معاملہ فہم، دور اندیش، تجدیدی ذہن رکھنے والا آدمی پورے ماحول کی اس نامناسب کیفیت پر کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔

شاہ صاحب نے اصول فقہ کے ان نظریات پر اپنی تصانیف میں جا بجا تنقید فرمائی اور یہی تنقید اس وقت ان ذہین لوگوں کے سامنے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جو اہل حدیث یا سلفی کہلاتے ہیں

اس تحریک کا قطعاً یہ مقصد نہیں کہ ائمہ کی مساعی بیکار ہیں یا ان ائمہ کے علوم سے استفادہ شرعاً ناجائز ہے۔ ان کے علوم اور اجتہادات پر تنقید زندگی کا کوئی اہم اور ضروری مشغلہ ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے اجتہادات اور جملہ مسائل کی حیثیت۔ ایک علمی تحقیق یا مقدس محنت کی ہے۔ ان کا مقام علوم نبوت کا مقام نہیں۔ جس طرح ان سے استفادہ اور ان کے سامنے انقیاد بشرط صحت درست ہے۔ کتاب و سنت کی روشنی میں ان پر تنقید بھی درست ہے اور ان سے صرف نظر بھی کیا جا سکتا ہے۔ تحقیق کی راہیں جس طرح ان کے لیے کھلی ہیں ان کے اتباع اور تلامذہ کو بھی اجازت ہے کہ علم و تقویٰ کی راہنمائی میں کتاب و سنت کی نصوص پر غور کریں اور مصالح وقت کے لحاظ سے ان پر عمل کریں۔ گو یہ تحقیق ان کی تحقیق سے مختلف بھی ہو جائے۔ تحقیق و نظر کے لیے علم اور خلوص نیت کے بعد ضروری نہیں کہ مصطلح اجتہاد اور اس کے مفروضہ علوم بھی زیر نظر ہوں۔ یہ اصطلاح زمانہ نبوت میں اس مفہوم سے موجود نہ تھی اور یہ علوم اجتہاد بھی زمانہ نبوت سے صدیوں بعد موجود ہوئے۔ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ نے بھی یہ تمام علوم نہ پڑھے بلکہ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ اس مصنوعی جال سے ہر ایک کو شکار کرنے کی کوشش نہ کی جائے علم کو علم ہی کی راہ سے منوایا جائے اسے فتویٰ یا حکومت یا اکثریت کے دباؤ سے نہ منوایا جائے۔

ایک اور مثال:

قرآن عزیز میں ارشاد ہے فاقرءوا ما تیسر من القرآن۔ سورہ مزمل میں رات کی نماز کا ذکر فرماتے ہوئے حکم فرمایا کہ تہجد میں قرآن کا جو حصہ آسانی سے پڑھا جا سکے اسے ضرور پڑھو۔ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ما تیسر سے مراد سورہ فاتحہ ہے جس طرح حدیث میں ما تیسر کا لفظ وارد ہوا ہے اسی طرح اس حدیث کے دوسرے طرق میں ماتیسر کی وضاحت ام القرآن سے کی گئی ہے گویا جو تذکرہ قرآن عزیز میں ماتیسر کے لفظ سے ہوا تھا۔ اسی کا دوسرا نام یا اس کی وضاحت ام القرآن سے فرمائی گئی ہے۔ اس لیے آپ امام ہوں یا مقتدی یا منفرد آپ کو فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے۔

جزء القراءۃ بیہقی ص ۳-۴

فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کا خیال ہے فاتحہ کا تعین درست نہیں چونکہ القرآن کا لفظ عام ہے

اسے مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں اس لیے فرض صرف قرآن ہوگا اور احادیث کی وضاحت قابل قبول نہ ہوگی۔

لیکن یہ پابندی قائم نہ رہ سکی فاقرءوا ما تیسر من القرآن میں قرأۃ کی مقدار کا تعین بقدر ایک آیت یا تین آیت قیاسی سے کیا گیا پھر فاقرءوا میں امام مقتدی منفرد سب شامل تھے۔ اسی سے مقتدی کو حدیث من کان له امام فقراءۃ الامام له قراءۃ تو دار قطنی اسے مستثنیٰ قرار دیا گیا حالانکہ یہ حدیث بھی باتفاق ائمہ ضعیف ہے۔ اس کا کوئی طریق صحیح نہیں ثابت ہو سکا۔ اگر قرآن کے حکم سے مقتدی مستثنیٰ ہو سکتا ہے تو فاتحہ کا تعین بھی ہو سکتا تھا۔ اگر حدیث اپنے مسلک کی موید ہو تو اس سے قرآن کے مفہوم کی تعیین ہو سکتی ہے اگر وہ کسی دوسرے مسلک کے لیے مفید ہو تو اس سے قرآن عزیز کے احترام کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ طریق درست نہیں۔

ایک اور مثال:

فان طلقھا فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ ب۲ — تیسری طلاق کے بعد عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔

آیت میں تنکح کا فاعل ضمیر مؤنث ہے جو عورت سے تعبیر ہے گویا نکاح ثانی کی ذمہ داری بلحاظ فاعل عورت پر رکھی گئی ہے جب تک وہ دوسرا نکاح نہ کرے تین طلقات کے بعد وہ پہلے خاوند کی طرف رجوع نہیں کر سکتی۔

فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے اسے خاص سمجھ کر اس سے حصر کا فائدہ اٹھایا ہے وہ فرماتے ہیں عورت نکاح کے معاملہ میں مختار ہے اسے ولی کی ضرورت نہیں بالغہ ہونے کی صورت میں وہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے ولی اسے پابند نہیں کر سکتا اور حدیث

ایما امرءۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل باطل باطل — جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے۔

ترمذی ص۱۷۵ ج۱

اس حدیث سے ولی کی ضرورت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر آیت کے مقابل یہ حدیث قابل قبول نہیں آیت اس تشریح کی محتاج نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ نکاح کے انعقاد میں چار شخصیتوں کو دخل ہے۔ ناکح، منکوحہ، ولی، گواہ لیکن حصر کی کوئی دلیل نہیں۔ ان چاروں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں کرسکتا اپنے فرائض کے لحاظ سے سب پر ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ اگر تنکح کی نسبت فاعلی کا اثر ولی پر پڑ سکتا ہے تو ناکح اور شاہدین پر بھی پڑنا چاہیئے۔ عورت کو اس استدلال کے مطابق نکاح میں مختار مطلق ہونا چاہیئے نہ خاوند کی رضا کی ضرورت ہوگی نہ گواہ کی۔

حالانکہ قرآن عزیز میں نکاح کا فاعل کئی جگہ مردوں کو قرار دیا گیا۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع ۴/۳

ولا تنکحوا ما نکح اباءکم من النساء ۴/۲۲

اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن ۳۳/۴۹

ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ۲/۲۲۱

ولا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اتیتموھن اجورھن ۶۰/۱۰

وانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن ۴/۲۵

ان تمام آیات میں نکاح کا فاعل مردوں کو قرار دیا گیا ہے۔ اگر فاعلیت سے حصر پر استدلال کیا جائے تو قرآن میں تعارض ہوگا کہیں عورت کو مختار مطلق بنایا گیا ہے کہیں مرد کو

نکاح میں دو گواہ معاملہ کے لحاظ سے بھی ضروری ہیں اور حدیث میں اس کی صراحت بھی موجود ہے حتی تنکح زوجا غیرہ کی تخصیص حدیث شہادت پر بھی اثر انداز ہونی چاہیئے۔ یا پھر ولی پر بھی اثر انداز نہیں ہونا چاہیئے۔

پھر بالغہ کو تو اس آیت کی بنا پر مختار سمجھا گیا لیکن نابالغہ کو اس قدر بے بس کر دیا گیا کہ اس میں باپ اور دادا کی ولایت کو جبری قرار دیا اور اس بیچاری مسکینہ سے خیار بلوغ کا حق بھی چھین لیا

گیا حالانکہ آیت میں بالغہ اور نابالغہ کی نہ تخصیص ہے نہ شرط۔ ایک اصل کی حمایت نے قرآن وسنّت دونوں سے تعلق ڈھیلا کر دیا۔ اگر آیت میں عورت کو خصوصیت سے نکاح کا اختیار دیا گیا ہے تو نابالغہ کے استثناء کے لیے کونسی آیت آئی ہے۔ بلا وجہ ترجیح کے لیے کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ صاحب فصول الحواشی بڑی متانت سے فرماتے ہیں

ونحن تركنا الخبر الواحد بمقابلة الخاص من الكتاب ص ۲۶

ہم نے قرآن حکیم کے خاص حکم کے بالمقابل خبر واحد (حدیث اشتراط ولی) کو چھوڑ دیا۔

اور نابالغہ کے متعلق پھر اسی خبر واحد سے استفادہ فرما لیا گیا اور مرد کے قبول کو بھی مان لیا گیا۔ حالانکہ آیت نکاح میں مرد کی قبولیت کا بھی ذکر نہیں۔ اسی طرح گواہوں کی ضرورت بھی مان لی گئی حالانکہ آیت میں شہود کا بھی کوئی تذکرہ نہ تھا۔ اس آیت کا مقصد گویا فقط ولی کی ضرورت کو توڑنا تھا اور بس۔ شاہ صاحب اس صورت حال پر کیسے مطمئن ہو سکتے تھے۔ جہاں اصول کا یہ حال ہو وہاں فروع تو بہر حال اس پر متفرع ہوں گی۔

ایک اور مثال

حرمت رضاع کے متعلق قرآن عزیز نے مطلقاً فرمایا

وامهاتكم اللاتي ارضعنكم — تمہاری رضاعی مائیں بھی تم پر حرام ہیں

احناف اور موالک فرماتے ہیں کہ ایک قطرہ بھی اگر کسی کا دودھ پی لیا گیا ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ قرآن عزیز نے رضاع میں کوئی مقدار معین نہیں فرمائی اس لیے حرمت کے لیے ایک گھونٹ پینا اور دو سال پینا برابر ہے۔ ائمہ حدیث اور شوافع کا خیال ہے کہ حدیث میں خمس رضعات موجود ہے اگر اس سے کم دودھ پیا جائے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ امام احمد کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اس سے قرآن کی تخصیص نہیں ہو سکتی اس لیے حدیث سے صرف نظر کیا جائے گا اور قلیل وکثیر رضاع سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ حالانکہ صورت اس طرح نہیں۔ اولاً یہاں تخصیص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ قرآن عزیز کے اطلاق کے ساتھ قید لگائی گئی ہے۔

قرآن مجید میں جو چیز مطلقاً مذکور ہے حدیث نے خمس وعنعات سے اسے مقید فرما دیا۔

۸۔ خبر واحد کا مطلق بن ہونا تو یہ بھی کامیاب علت نہیں۔ خود فقہاء حنفیہ نے قرآن عزیز کی تخصیص کئی مقام پر فرمائی ہے۔ فرضیت جمعہ کے لیے علی العموم سورہ جمعہ کی آیت سے استدلال فرمایا گیا ہے یا

ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع

غلام، مسافر، عورت وغیرہ کا استثناء خبر واحد ہی سے عمل میں آیا ہے

مکروہات کو جمعہ سے مستثنیٰ کرنے کے لیے مرفوع روایت بھی میسر نہیں آسکی۔ وہاں صرف حضرت علی کے اثر سے ہی قرآن عزیز کی تخصیص کا کام لے لیا گیا ع

درازدستی ایں کوتاہ آستیناں بین

شاہ صاحب سمجھتے تھے کہ ایسے ہی اصول جن کی ساخت کے ساتھ ان کی شکست کی بنیاد بھی رکھ دی گئی ہو دین کی بنیاد اور اجتہاد اور تفقہ کی اساس نہیں قرار پا سکتے اور حضرات ائمہ اصول اور فقہاء حنفیہ آیت کے اس احترام کو بھی قائم نہ رکھ سکے۔

معلوم ہے کہ آیت میں رضاع کی وجہ سے صرف ماں کی حرمت کا ذکر ہے نص قرآن میں کسی دوسرے رشتہ کا ذکر نہیں لیکن حدیث شریف میں حضرت علی سے مروی ہے:

ان اللہ حرم من الرضاع ما حرم من النسب ترمذی ص ۱۹۷ ج ۲

جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں رضاع کی وجہ سے بھی حرام ہوں گے۔

اس مقام پر آیت کی وضاحت میں مزید وسعت حدیث سے ہوئی۔ یہ زیادت خبر واحد کی بنا پر ہی کی گئی ہے۔

اسی طرح آیت میں مدت رضاع کا کوئی ذکر نہیں کس عمر میں دودھ پیا جائے تو وہ حرمت میں مؤثر ہوگا۔ آیت اس میں خاموش ہے لیکن جمہور ائمہ کے نزدیک وہی رضاع موثر ہوگی جو بچے کی غذا بنے۔ حدیث شریف میں ام سلمہ سے مروی ہے:

لا یحرم من الرضاع الا ما فتق

رضاع وہی موثر ہوگی جو دو سال سے

الا معاء وکان قبل الفطام۔ ھذا حدیث پہلے ہو اور رگوں کی غذا بنے۔

حسن صحیح۔ ترمذی مع تحفہ ص ۲۰۱ ج ۲

دو سال کے بعد رضاعت کا کوئی اثر نہیں مدت رضاع کا تذکرہ قرآن میں نہیں یہ صراحت سنت میں ہے۔ جو قاعدہ تعلیبی وضعات کے متعلق بنایا گیا تھا۔ مدت رضاع اور باقی رضاعی رشتوں کی حرمت کے سلسلہ میں اسے توڑ دیا گیا۔ ماحول کتنا ہی مخدوش کیوں نہ ہو شاہ صاحب ایسے اصول پر کیسے مطمئن ہو سکتے تھے۔

اہل حدیث بھی ان علوم کو پڑھتے ہیں لیکن وہ سنت کے بالمقابل کسی اصل کو قابل قبول نہیں سمجھتے جہاں قرآن اور سنت کسی امر کی صراحت کر دے وہاں کوئی اصل قبول نہیں کیا جا سکتا۔

اگر اصول فقہ کو طالب علمی کی سراحت سے پڑھا جائے تو واقعی اس کی گرفت سخت ہوتی ہے اگر ذرا گہرائی سے دیکھا جائے تو یہ اصول اس قدر وزنی نہیں رہتے۔ شاہ صاحب ایسے اصول کیسے قبول فرما سکتے ہیں اسی لیے انہوں نے بڑی جرأت سے فرمایا کہ مجھے فقہاء محدثین کی راہ پسند ہے اور یہی نصیحت انہوں نے اپنے تلامذہ اور اپنے متعلقین کو فرمائی۔

محدثین کی روش

البتہ محدثین اور فقہاء عراق میں اتنا فرق تھا کہ وہ نصوص کی موجودگی میں قیاس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے۔ گو استنباط اور اجتہاد کے اصول اس کے ظاہر الفاظ کے خلاف فیصلہ کا تقاضا کریں۔ فقہاء عراق رحمہم اللہ کا خیال ہے اصول نظر انداز نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اگر شراب کا سرکہ بنا لیا جائے تو یہ حلال ہی ہو گا۔ اور ایسا کرنا درست بھی ہو گا۔ کیونکہ جب کسی چیز کی صورت ہی بدل جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ لیکن محدثین کا خیال ہے کہ سرکہ بنانا درست نہیں، اور اگر کوئی سرکہ بنا بھی لے تو حرمت بدستور قائم رہے گی۔ اس لیے اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ حدیث میں شراب سے سرکہ بنانے کی صراحتہً ممانعت آئی ہے۔

مال مسروق کی صورت اگر بدل جائے۔ مثلاً غلہ اگر پیس دیا جائے۔ یا جانور ذبح کر کے اس کا گوشت بنا دیا جائے تو فقہاء کرام کے نزدیک چور کے تمام تصرفات مالکانہ ہوں گے

فقہاء حدیث ان ظاہری تبدیلیوں کے باوجود سارق کے مالکانہ حقوق کو نہ تسلیم فرماتے ہیں نہ اسے مزید تصرفات کی اجازت دیتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ اس مال میں گو بظاہر تبدیلی آ گئی ہے لیکن چور بدستور چور رہے۔ جب تک وصف موضوع معلوم اور ثابت ہے تاویلات اور مفاد پہ چور کو مالک نہیں کہہ سکتے۔

نص السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما کا مقصد یہ ہے کہ جب تک سارق ہے مال مسروق ہے اس کی خرید و فروخت جس طرح اس کی اصل صورت میں ممنوع ہے اسی طرح تبدیل شدہ صورت میں بھی اس میں تصرف شرعاً درست نہیں بشرطیکہ سرقہ کا علم ہو۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ فقہاء عراق کے پاس اپنے مسلک کی حمایت کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ انہوں نے ان مسائل کو درست ثابت کرنے کے لیے بڑے دلایل اور نظر و فکر کی گہرائیوں سے کام لیا ہے لیکن محدثین کا انداز فکر چونکہ بالکل مختلف ہے اس لیے وہ ان نکتہ نوازیوں پر مطمئن نہیں ہو سکے۔ وہ بدستور ان مسائل کو ظاہر سنت کے خلاف سمجھتے رہے۔ ان نکتہ آفرینیوں کو رائے سے تعبیر کرتے رہے اور اہل الرائے کے دلایل حدیث و سنت کے مقابلہ میں ان کی تسلی نہ کر سکے۔ فقہاء نے اپنے اصول کی حمایت کے لیے احادیث کو نظر انداز کر دیا ہو۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ضعاف اور موقوفات کو قبول کر لیا۔

فقہ الحدیث کے اصول

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ حدیث کی فقہ یا فقہ الحدیث کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ذکر فرمائے ہیں:۔

(۱) جب قرآن میں کوئی حکم صراحۃً موجود ہو۔ تو اہل حدیث کے نزدیک کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔

(۲) اگر قرآن میں تاویل کی گنجایش ہو، مختلف مطالب کا احتمال ہو تو سنت کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ قرآن کا وہی مفہوم درست ہوگا جس کی تائید سنت سے ہوتی ہو۔

(۳) اگر قرآن کسی حکم کے متعلق بالکل ہی خاموش ہو تو عمل سنت پر ہوگا۔ وہ سنت فقہاء میں متعارف اور معلوم ہو یا کسی شہر کے ساتھ مخصوص یا کوئی خاص خاندان اسے روایت کرے کسی نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ائمہ حدیث اسے قابل استناد سمجھیں، گو

(۴) جب کسی مسئلہ میں حدیث مل جائے تو کسی مجتہد اور امام کی پرواہ نہ کی جائے گی اور نہ کوئی اثر قابل قبول
(۵) جب پوری کوشش کے باوجود حدیث نہ ملے تو صحابہ اور تابعین کے ارشادات پر عمل کیا جائے گا۔ اور اس میں کسی قوم اور شہر کی قید یا تخصیص نہیں ہوگی۔
(۶) اگر جمہور فقہاء اور خلفاء متفق ہو جائیں تو اسے کافی سمجھا جائے گا۔
(۷) اگر فقہاء میں اختلاف ہو تو زیادہ متقی اور ضابط کی حدیث قبول کی جائے گی یا پھر جو روایت زیادہ مشہور ہو اسے لیا جائے گا۔
(۸) اگر علم و فضل، ورع و تقویٰ، اور حفظ و ضبط میں سب برابر ہیں تو اس مسئلہ میں متعدد اقوال تصور ہوں گے جس پر جی چاہے عمل کرے اس میں کوئی حرج نہیں۔ نہ اس میں کوئی ضیق پیدا کیا جائے۔
(۹) اگر اس میں بھی تسکین بخش کامیابی نہ ہو تو قرآن و سنت کے عمومات اقتضاء اور اشارات پر غور کیا جائے گا۔ اور مسئلہ زیر بحث کے نظائر کے حکم کو دیکھا جائے گا اور حکم استخراج کیا جائے گا۔ اصول فقہ کے مروجہ قواعد پر اعتماد نہ کیا جائے گا۔ بلکہ طمانیت قلب اور ضمیر کے سکون پر اعتماد کیا جائے گا جس طرح متواتر روایات میں اصل چیز راویوں کی کثرت نہیں بلکہ اصل شے دل کا اطمینان اور سکون ہے۔

یہ نو (۹) اصول پہلے بزرگوں (صحابہ و تابعین) کے طریق کار سے ماخوذ ہیں (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۵۱ جلد ۱)

اس وقت تحریک اہل حدیث

ابتدائی چار سو سال تک تقلید شخصی اور جمود کم تھا بلکہ پہلی صدی میں آج کی مروجہ تقلید کا رواج ہی نہیں تھا۔ اور آخر صدی میں امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما پیدا ہوئے تھے۔ پھر بتدریج ائمہ کے مسالک کا رواج ہوتا گیا۔ اس وقت کے اہل حدیث علماء کے سامنے اہم مسئلہ یہ تھا کہ:۔

(۱) لوگ قرآن عزیز اور سنت مطہرہ کی پابندی کریں۔
(۲) اور ان کے سمجھنے میں اگر مشکل پیش آئے تو صحابہ اور تابعین کی روش پر اسے سمجھا جائے۔ فہم میں نہ جمود اور تقلید پیدا ہو نہ آزادی اور آوارگی راہ پائے۔ بلکہ صحابہ کرام کے زمانہ اور ان کے فتووں میں وقت کے مصالح کی بنا پر وسعت قائم رہے۔ علماء کے فتووں کو قرآن اور سنت کا قائم مقام نہ سمجھا جائے۔

حسن بن بشر معافی سے نقل فرماتے ہیں اور معافی امام اوزاعی سے:

قال کتب عمر بن عبد العزیز لا رأی

لاحد فی کتاب اللہ وانما رأی الائمۃ فیما	کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ہوتے
لم ینزل فیہ کتاب ولم تمض بہ	ہوئے کسی شخص کی رائے کو کوئی اہمیت
سنۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ	حاصل نہیں۔ ائمہ کی آراء اسی وقت قابل توجہ
وسلم ولا رأی لاحد فی سنۃ سنھا	ہیں جب نہ کتاب اللہ ہو نہ سنت رسول اللہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سنن دارمی ص)	صلے اللہ علیہ وسلم۔

ایک دوسرا اثر ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے خطبہ دیا:

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجا۔ اور نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی۔ آنحضرت کی زبان سے جو حلال ہے وہی حلال ہے اور جو آپ نے حرام ٹھیرا دیا وہی حرام ہے۔ یہ حکم تا قیامت ہے۔ میں خود قاضی نہیں، بلکہ آنحضرت کے فیصلوں کو نافذ اور جاری کرتا ہوں۔ میں پہلوں کا متبع ہوں۔ میں خود کچھ نئی چیز پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ میں تم سے بہتر نہیں ہوں لیکن مجھ پر تم سے ذمہ داری اور بوجھ زیادہ ہے۔ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت ضروری نہیں۔ کیا میں نے سنا دیا۔" (دارمی حوالہ مذکور)

ان آثار سے اس وقت کی ذہنی حالت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت علماء کے ذہن پر کیا خطرات مسلط ہیں۔ اتباع سلف پر اعتماد کے ساتھ جامد پابندی اور آوارگی دونوں سے بچنا چاہتے ہیں۔ بدعت سے بھی پرہیز پیش نظر ہے اور اپنی حاکمانہ حیثیت سے بھی کوئی حکم منوانا پسند نہیں فرماتے۔ پوری توجہ اس طرف ہے کہ بدعت اور آوارگی نہ آنے پائے اور صداقت کی اشاعت جبر سے نہ ہو بلکہ ضمیر کی آواز اور محض اللہ کے لیے ہو۔

سنن دارمی کے ابتدائی ابواب پر غور فرمایئے

باب اجتناب اھل الاھواء والبدع والخصومۃ

باب اجتناب الاھواء فضل العلم والعلماء

باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ

ان تمام ابواب اور سلف اہل علم کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب وسنت کے بعد ائمہ سلف کے

طریق کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں شخصی آراء و افکار اور تقلید جامد سے اذہان کو ہر قیمت پر آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اہل بدعت کی سی ذہنی آوارگی کسی قیمت پر بھی پسند نہیں کرتے۔

اس وقت کے علماء اہل حدیث کے سامنے چند کام ہیں۔ احادیث نبوی کا حفظ اور ضبط، احادیث میں تفقہ اور استنباط۔ بدعات اعتقادیہ اور عملیہ سے کلیۃً پرہیز۔

شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ سے ائمہ حدیث کے مذہب کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "علمائے محدثین پیک مذہب از مذاہب مجتہدین نمے باشند بس بعضے اعمال ایشاں مطابق کتب فقہ مے باشند و بعضے دیگر مطابق کتب دیگر" اھ (فتاویٰ عزیزی ص۱۱ جلد۲)

ائمہ حدیث مروجہ مذاہب کے پابند نہیں ہوتے۔ فقہاء عراق باقی علمی ماخذ سے برابر استفادہ فرماتے ہیں۔" اھ

شاہ صاحب کے ارشاد سے واضح ہے کہ یہ ایک مستقل مکتب فکر ہے جس میں پابندی اور جمود نہیں۔

فتنہ اعتزال

جب عجمی اہل اسلام سے متاثر ہوئے، اسلام کی سادگی نے جہاں انہیں کافی حد تک اپنی تربیت میں لے لیا، وہاں ان لوگوں نے بھی اسلام کو متاثر کیا۔ یونانی علوم اور فلسفی نظریات اسلام کے بعض بنیادی عقاید سے ٹکرائے صفاتِ باری کی حقیقت کیا ہے؟ باری تعالےٰ کے انصاف کی ماہیت کیا ہے؟ صفات عین ذات ہیں؟ یا غیر ذات؟ حادث اور قدیم کے درمیان ربط کی کیا صورت ہے؟ بیسیوں مسائل و مباحث سطح ذہن فکر پر ابھر آئے۔

یہیں سے اعتقادی بدعات کا آغاز ہوا۔ علمائے سنت کو یونانی اسلحہ سے مسلح ہو کر ان مباحث کو حل کرنا پڑا۔ بدعات کے شیوع نے ایک دفعہ اہل علم کو حیرت میں ڈال دیا۔ امام احمدؒ علامہ عبدالعزیز کنانی وغیرہ نے اس وقت بڑی جرأت اور ثابت قدمی سے کام کیا۔ مامون رشید۔ واثق باللہ۔ معتصم باللہ عمائد حکومت ان خیالات سے متاثر تھے۔ اس وقت ائمہ حدیث بے انتہا مشکلات میں مبتلا ہوئے۔

یہ انداز فکر تقریباً آٹھویں صدی تک چلتا رہا۔ یونانی فلسفہ سے ائمہ حدیث نے خم ٹھونک کر مقابلہ کیا۔ اس دور کی فرقہ پرستی کے لیے ابن حزم کی الفصل اور شہرستانی کی الملل والنحل، علامہ ابوطاہر عبدالقادر بغدادی (۴۲۹ھ) کی الفرق بین الفرق المواعظ والاعتبار للمقریزی صفحہ ۳۵۱ تا ۳۷۰ ملاحظہ فرمائیے۔

اسلام میں بدعی فرقوں کی کس قدر گرم بازاری رہی۔ آٹھویں صدی میں معلوم ہوتا ہے۔ علمائے سنت نے یونانی فلسفہ کو فاش شکست دے دی۔ یونانی نظریات کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا۔ علمائے حدیث نے انہی کی زبان میں ان سے گفتگو کر کے انہیں یقین دلایا کہ وہ غلطی پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق ان کی معلومات سطحی ہیں۔ اور اسلامی عقاید پر ان کے اعتراضات کی حیثیت تلبیس نفس سے زیادہ نہیں۔

حضرات متکلمین

عقاید کی اس دیرپا اور صبر آزما جنگ میں کچھ لوگ مخالفت کے باوجود فلاسفہ سے متاثر ہوئے۔ بعض نصوص میں انہوں نے تاویل کی۔ اسلامی نصوص کے لیے ایسے محامل تلاش کئے۔ جو مسلک تفویض سے مختلف اور جدا تھے۔ لیکن ائمہ سلف اور ائمہ اربعہ کا تقریباً اجماعی عقیدہ تفویض تھا۔ احناف نے عموماً عقاید میں ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی کی راہ اختیار کی۔ شوافع کا زیادہ رجحان اشعریت کی طرف ہو گیا۔ ائمہ حدیث اور حنابلہ اپنی پرانی راہ پر قایم رہے۔ تاویل سے بچ کر انہوں نے امام احمد اور باقی ائمہ حدیث کی روش کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا بلکہ اس سادگی کو قائم رکھا جس کا دوسرا نام تفویض تھا۔ اور عقاید میں ائمہ اربعہ متفق ہیں۔

تقلید کی تین راہیں

یہ عجیب اتفاق ہے کہ چوتھی صدی کے قریب فقہی فروع میں تلفیق اور اتباع ہوا سے بچنے کے لیے اس دور کے عقلاء نے ائمہ اربعہ کی تقلید اختیار کر لی۔ اجتہاد کو بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں جس قدر وسعت تھی تقلید شخصی اور ذہنی جمود سے اسے روک دیا گیا۔ لوگوں کو خواہ مخواہ مجبور کیا گیا کہ وہ چار ائمہ سے کسی نہ کسی کی تقلید ضرور کریں۔ گو یہ شرعاً واجب نہیں مگر ضرورتاً اسے کالواجب سمجھنا چاہیئے۔

تھوڑی دور آگے بڑھ کر عقاید کے اختلافات میں امام ابوحنیفہ رح امام مالک رح اور امام شافعی کی

مگر اشعری اور ماتریدی کو دے دی گئی۔ یہ حضرات عقاید میں الگ ائمہ قرار پائے۔ گویا فقہی فروع میں الگ امام، عقاید میں اور امام۔ پھر فدا اس سے آگے بڑھ کر جب تصوف میں اتفاقی دور آیا۔ اسلامی زہد و ورع یا احسان میں جب بدعات شامل ہوتے گئیں اور خانقاہی نظام نے پیشہ اور دکانداری کی صورت اختیار کر لی تو اس وقت کے دانشوروں نے چند امام یا فرقے انتخاب کر لیے یعنی حنفی اور شافعی۔ مالکی اور حنبلی تصوف نقشبندی، قادری، سہروردی اور چشتی وغیرہ ہو گئے۔ گویا تین مختلف محاذوں پر ائمہ کے تبعین نے اپنے امام بدل لئے۔ یوں سمجھئے کہ امام ابو حنیفہ رح اور ان کے باقی رفقاء کی امامت فروع تک محدود ہو گئی۔ وہ تصوف اور عقاید میں امام و مقتدی نہیں بن سکتے۔ ہمارے ملک میں احناف کی بریلوی قسم عموماً قادری ہیں۔ حالانکہ شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فروع میں حنبلی تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف میں دس فرقوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اہلحدیث کی روش

ان تمام مقامات میں بحمد اللہ اہل حدیث کی روش ایک جیسی رہی۔ وہ فروع عقاید اور تصوف میں صحابہ کی اتباع کرتے رہے۔ اور خانقاہی نظام کی بدعات سے اسی طرح نفرت کی جس طرح فروع میں جامد تقلید اور عقاید میں بے دینی کی بدعات سے انہیں نفرت تھی ذالك فضل الله يعطيه من يشاء۔ ان تمام مراحل میں ائمہ سلف کی اتباع کرتے اور وقت کی ہر بدعت سے برسر پیکار رہے ؎

اهل الحديث همو اهل النبي
وان لم تصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

یہی حال تقریباً حنابلہ کا رہا وہ اشعریت اور ماتریدیت سے بہت کم متاثر ہوئے۔ اہل حدیث نے کتاب و سنت کے فہم میں کسی فرد کی امامت کی بجائے ائمہ سلف اور صحابہ کو اپنا امام تصور کیا اور فروع و عقاید و احسان اور تصوف میں ان بزرگوں کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اور نہ شخصی آراء و افکار کو ائمہ سلف اور صحابہ کا بدل سمجھا۔ دراصل فتنوں کے دور عروج میں آزادی اور پابندی جمود اور آوارگی کے بین بین یہی صحیح حل تھا جسے ائمہ حدیث نے تلاش فرمایا۔ اور عملاً صدیوں اس پر کاربند رہ کر آوارگی ذہن اور جمود کا مقابلہ کیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) کی مجاہدانہ کوششیں صفحاتِ تاریخ کی رونق ہیں۔ انہوں نے جمال اعتزال اور تجہم کو دفن کیا اور ان کے تابوت میں آخری میخ ٹھونکی، وہاں رفاعی فرقہ کے فقیروں کے

آگ میں کودنے کا چیلنج قبول فرما کر بدعی تصوف کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ وحسبہ قلبہ تؤ الهمداد حمه رحمة واسعة۔

یہ جرأت مندانہ جہاد اس وقت عمل میں آیا جبکہ ارباب تقلید و جمود کی اکثریت بدعات میں مبتلا ہو چکی تھی، بلکہ ان حضرات نے اصلاح کے پروگرام کی قدم قدم پر مخالفت کی۔ شیخ الاسلام کا یہ ارشاد کس قدر جاندار ہے

اهل الحديث فی الفرق کالاسلام فی الملل (رد المنطق)

منہاج، مسنہ، کتاب العقل والنقل اور رسالہ رد المنطق اس موضوع پر انتہائی مفید معلومات سے بھرپور ہیں۔ شیخ الاسلام کی کتاب الرد علی المنطقیین میں اس قدر شگفتگی نہیں جس قدر رد المنطق میں ہے۔ اس مختصر رسالہ میں شیخ الاسلام نے مسلک اہل حدیث کی حمایت اور ترجیح میں بڑی وسعت سے کام لیا ہے۔ شاید یہ بسط شیخ کی کسی دوسری کتاب میں نہ ملے۔ اس کتاب سے شیخ الاسلام کی روشن خیالی اور وسعت ظرف کا اندازہ ہوتا ہے۔

یونانی فلسفہ کی پسپائی

شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء عالی مقام نے یونانی فلسفہ کی صرف مخالفت ہی نہیں فرمائی، بلکہ اس پر اس قدر بھرپور وار کئے کہ علماء کے علاوہ عوام میں بھی یونانی علوم اور یونانی نظریات کی کوئی علمی آبرو نہ رہی بلکہ ان کی جند ما هنالك مهزوم من الاحزاب کی سی کیفیت ہو گئی۔ اور صدیوں کی اعتقادی پابندیاں جو اس دور کی تقلید پرور نوابیں تقریباً ختم ہو گئیں۔ اعتزال اور تجہم کے پیدا کئے ہوئے فرقے ایک ایک کر کے تاریخ کے اوراق میں دفن ہو گئے۔ مذاہب و ملل اور ردود مناظرات کی کتابوں کے سوا یہ فرقے عملاً ختم ہو گئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تجدیدی کارناموں میں یہ اہم کارنامہ اور ائمہ حدیث کی مصالحانہ خدمات میں یہ سب سے عظیم الشان خدمت ہے۔

اللهم تقبل منهم كما تتقبل من عبادك الصالحين

شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء یونانی جارحیت کے خلاف تو کامیاب ہو گئے لیکن تقلیدی جمود کے خلاف اس قدر کامیاب نہ ہو سکے جس قدر ضرورت اور حالات کا تقاضا تھا۔ بلکہ فقہی جمود تیز تر ہو گیا۔ ائمہ اربعہ کی حقانیت مسلمہ ہو جانے کے باوجود یہ چاروں حق پرور گروہ ایک دوسرے کے خلاف

برسرپیکار ہو گئے۔ ہر ایک نے یہی سمجھا کہ حق حقیقۃً ہمارے ہاں فروکش اور تشریف فرما ہے۔ باقی ائمہ کی صداقت صرف ایک ظن ہے حضرت علامہ علاؤالدین حصکفی در المختار میں اشباہ والنظائر کے حوالہ سے فرماتے ہیں

وفیھا اذا سئلنا عن مذھبنا ومذھب	جب ہمیں اپنے اور اپنے مخالف کی بابت
مخالفنا قلنا وجوباً مذھبنا صواب	پوچھا جائے، تو ہم کہیں گے کہ ہم یقیناً حق پر ہیں
یحتمل الخطاء و مذھب مخالفنا خطاء	احتمال ہے کہ ہمارا خیال غلط ہو جائے۔ ہمارا
یحتمل الصواب اذا سئلنا عن معتقدنا	مخالف یقیناً خطا پر ہے ممکن ہے اس کا خیال
ومعتقد خصومنا قلنا وجوبا الحق ما	درست ہو لیکن عقاید کے معاملہ میں ہم یقیناً حق
نحن علیہ والباطل ما علیہ خصومنا اھ	پر ہیں اور ہمارے مخالف غلطی اور باطل پر ہیں۔

حالانکہ عقاید میں پورا استدلال تاویل کا ایک نظر فریب جال ہے۔

ائمہ اربعہ کو حق پر ماننے کے بعد فکر کا یہ انداز یقیناً مستحسن نہیں ہے۔ جب ائمہ اجتہاد کے متعلق معلوم ہے کہ وہ پیغمبر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی کوششیں مخلصانہ ہیں۔ تو اس تنگ نظری سے کیا حاصل؟ لیکن تقلید وجمود کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ شخصی محبت میں افراط کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مخالف کے متعلق تفریط کرے۔ اس کے محاسن کو بھی عیب کی نظر سے دیکھے۔ تقلید وجمود میں یہ بڑی ہی عیب ناک چیز ہے۔ اس میں عصبیت اور سوء ادب سے بچنا سخت مشکل ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات خود از بس بے ادب ہیں لیکن الزام دوسروں کو دیتے ہیں۔

امام شافعی کے متعلق عجیب روش

حضرت امام شافعی کی ذہانت اور علمی رفعت کی بنا پر کوشش فرمائی گئی کہ انہیں اپنا شاگرد ظاہر کیا جائے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ علم امانت ہے جہاں سے ملے لے لینا چاہیئے۔ امام شافعی نے یقیناً اپنے وقت کے اکابر سے علم حاصل کیا۔ فقہ اور حدیث دونوں اپنے وقت کے کامل اساتذہ سے سیکھے۔ چنانچہ علامہ علاؤالدین حصکفی ذکر فرماتے ہیں کہ امام شافعی امام محمد کے تلامذہ سے تھے۔

ومن تلامذتہ الشافعی رضی اللہ عنہ	امام شافعی امام محمد کے شاگرد تھے۔ امام محمد نے
وتزوج بام الشافعی وفوض الیہ کتبہ	امام شافعی کی والدہ سے نکاح کیا اور اپنی

وماله فيسببه صار الشافعی فقيهاً (درالمختار برحاشیہ ردالمختار ج ۱ ص ۵۲) — کتابیں اور اپنا مال امام شافعی کو دے دیا۔ اسی لیے امام شافعی فقیہ بن گئے۔

لیکن امام محمد کی فقہ سے ہمیشہ برسرپیکار رہے۔

پھر امام شافعی کا اقرار ذکر فرماتے ہیں۔

والله ما صرت فقيها الا بكتب محمد بن الحسن (کتاب مذکور ص ۵۳) — میں صرف امام محمد کی کتابوں سے فقیہ بنا

ذھبی نے بھی ذکر کیا ہے

وكتب عن محمد بن الحسن الفقيه وقر بختى (تذکرۃ الحفاظ ص ۳۲۹ ج ۱) — امام محمد فقیہ سے امام شافعی نے اونٹ کا بوجھ نقل فرمایا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا امام محمد سے استفادہ فرمانا کوئی عیب کی بات نہیں۔ امام محمد تو اکابر ائمہ سنت سے ہیں۔ ائمہ حدیث علم کے معاملہ میں اس قدر وسیع النظرف تھے کہ تنقید اور تنقیح کے بعد وہ اہل بدعت سے بھی تحصیلِ علم میں کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔ مستند کتب حدیث میں ان لوگوں سے احادیث مروی ہیں جن کو ائمہ حدیث دین کے لحاظ سے پسند نہیں فرماتے تھے اس لیے امام محمد سے تلمذ ائمہ سنت کی خوبی ہے

امام شافعی ایسے شاگرد تھے جن کی مناظرانہ استعداد سے امام محمد کئی دفعہ خاموش ہو جاتے۔ چنانچہ اخبار آحاد کی حجیت، شاہد اور یمین کے ساتھ فیصلہ "لاوصیت لوارث" وغیرہ مسائل پر امام شافعی نے مسکت گفتگو فرمائی رحمۃ اللہ

اہل علم میں تعلیم و تعلم اور بحث و نظر میں کوئی حرج نہیں۔ یہ امام شافعی اور امام محمد دونوں کے لیے باعث فضیلت ہے ایسے شاگرد پر جس قدر فخر کیا جائے بجا ہے :

امام شافعی کی تنقیص

ایک طرف تو امام شافعی کی شاگردی پر فخر ہے دوسری طرف جب امام شافعی نے فقہائے عراق کے بعض

مسائل پر تنقید فرمائی تو حضرت امام شافعی پر اعتراضات شروع ہو گئے اور جاہل تک کہہ دیا گیا۔ اصول بزدوی اور اس کی شرح کشف الاسرار سے لے کر اصول شاشی تک ہر بزرگ کو دیکھئے امام شافعی کی اجتہادی مسائل کو جہالت سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے امام شافعیؒ کا صراحت سے نام لیا ہے۔ بعض نے مسائل کا ذکر کر کے انہیں جہالت سے یاد فرمایا ہے۔

وکذلک جہل من خالف فی اجتہادہ الکتاب والسنۃ من علماء الشریعۃ وائمۃ الفقہ او عمل بالغریب من السنۃ علی خلاف الکتاب والسنۃ المشہورۃ فمردود باطل لیس بعذر اصلا مثل الفتوی ببیع امہات الاولاد ومثل القول فی القصاص فی القسامۃ ومثل استباحۃ متروک التسمیۃ عمداً والقضاء بالشاہد والیمین۔ اھ

اسی طرح ائمہ فقہ اور مجتہدین کی جہالت بھی عنداللہ عذر نہیں ہو سکتی۔ جس میں کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کی مخالفت کی ہے یا کسی غریب حدیث پر عمل کیا ہے۔ یہ جہالت مردود اور باطل ہوگی۔ جیسے ام ولد کی بیع کا فتویٰ یا قسامہ میں قصاص کا فتویٰ۔ یا جس جانور پر بوقت ذبح عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کی حلت کا فتویٰ اور مدعی کی قسم اور ایک گواہ کی بنا پر مدعا علیہ کے خلاف ڈگری کی اجازت" اھ

(۱) اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ امام داؤد ظاہری کا خیال ہے کہ ام ولد کی بیع درست ہے۔ یعنی اس لونڈی کی جس کے بطن اور اس کے مالک کی پشت سے اولاد ہو۔ جمہور ائمہ سید کی موت کے بعد اس کی بیع کو درست نہیں سمجھتے لیکن داؤد ظاہری بعض احادیث کی بنا پر اسے درست سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی "جہالت" ہے۔

(۲) کسی محلہ میں میت پائی جائے، لیکن قاتل معلوم نہ ہو۔ امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی فرماتے ہیں۔ اگر اہل محلہ اور مقتول میں سابقہ دشمنی اور باہم خلش کا علم ہو تو قاضی مقتول کے ولی سے پچاس قسمیں لے کر قاتل کی تعیین کے بعد قصاص کی اجازت دے گا۔ احناف کرام اور حضرات ائمہ اصول کے نزدیک یہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی "جہالت" ہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

(۳) امام شافعی کا خیال ہے کہ اگر ذبیحہ پر بوقت ذبح جان بوجھ کر بھی خدا کا نام نہ لیا جائے لیکن ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو گو یہ فعل درست نہیں لیکن ذبیحہ حلال ہے۔۔۔ احناف اسے امام شافعی کی "جہالت"

سے تعبیر فرماتے ہیں۔

دہم، اسی طرح اگر مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہوں تو مدعی خود قسم کھائے اور ایک گواہ دے دے تو امام شافعی اجازت دیتے ہیں کہ قاضی اس صورت میں مدعی کو ڈگری دے دے۔ ائمہ حنفیہ کا خیال ہے کہ یہ امام شافعی کی جہالت ہے۔

مسائل میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اور مجتہدین کو حق پہنچتا ہے کہ اپنی تحقیق کے مطابق فتویٰ دیں اتباع کو حق ہے کہ اپنے امام کی رائے کے مطابق عمل کریں۔ مگر تلخ اور ترش زبان تو بے حد نامناسب ہے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے متعلق بھی ایسی زبان اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔ چہ جائیکہ ائمہ اجتہاد کے متعلق یہ لب ولہجہ اختیار کیا جائے۔ پھر بھی بے ادب غیر مقلد ٹھہریں۔ کیا یہ تقلیدی جمود اور اس میں غلو کا نتیجہ نہیں؟

کشف الاسرار میں علامہ شیخ عبد العزیز (۷۳۰ھ) نے متن کی شرح فرماتے ہوئے ائمہ کے اسماء کا تذکرہ فرمایا ہے جن کے اجتہادات کو علامہ بزدوی نے جہالت سے تعبیر فرمایا ہے۔ لیکن اس تیز لب ولہجہ کے متعلق ایک حرف بھی نہیں فرمایا۔

حسامی نے تھوڑے سے اختصار کے ساتھ اصول بزدوی کے الفاظ نقل فرما دیئے ہیں۔ اور وہی اشکر جو بزدوی نے بیان فرمائی ہیں بطور توارث نقل کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں پر رحم فرمائے۔ یہ دور جمود کی بڑی تلخ اور ناپسندیدہ یادگار ہے اور بعض بزرگوں کے ساتھ محبت میں غلو کا نتیجہ۔

حسامی کے شارح عبد الحق حقانی رحمہ اللہ نے نامی میں دو لفظ فرمائے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ زبان اور انداز پسند نہیں۔ فرماتے ہیں:

وکل واحد یجھل الاٰخر فیما خالفہ	ہر ایک اپنے مخالف کو جاہل اور سنت کے
ویقول انہ مخالف للسنۃ (نامی حقانی ص۲۰)	مخالف کہتا ہے

المنار میں ماتن نے صرف امہات اولاد کا ذکر کیا ہے۔ لیکن شارح ملا جیون نے اس مسئلہ میں پوری تفصیل کی ہے۔ امام شافعی اور امام داؤد ظاہری کا نام صراحۃً لیا ہے اور آخر میں فرماتے ہیں:

وقد نقلنا کل ھذا علی نحو ما قال	ہم نے یہ سب کچھ اس لیے نقل کیا ہے۔ کہ
اسلافنا وان کنا لم نجترء علیہ اھ (نور الانوار ص۲۹۰)	ہمارے پہلے بزرگوں نے ایسا ہی فرمایا ہے ورنہ
	ہم یہ جرأت نہ کرتے۔

گویا یہ تلخ بیانی یا غلط نوازی حضرات سلف کی اتباع میں ہو گی۔ ورنہ ملّا جیون خود اس کے لیے آمادہ نہ تھے۔ عذر گناہ، گناہ سے بھی عجیب رہا۔ یہ سب دورِ جمود و عصبیت کی نوازشیں ہیں۔ ورنہ نہ شافعی ایسے کمزور ہیں نہ ان کے اتباع اتنے کم سواد کہ صریح کتاب و سنت کے خلاف فتوے دیں۔ یہ معلوم ہے کہ متاخرین فقہاء حنفیہ اور ائمہ اصول سے ائمہ شوافع کی کتاب و سنت پر نظر زیادہ وسیع اور عمیق ہے۔ علماء حدیث کی تعداد شوافع میں کافی زیادہ ہے۔

یہ جمود و تقلید کے لوازم سے ہے۔ فرطِ محبت میں اپنے مخالف کے ساتھ تلخی اور بے ادبی بھی قرینِ قیاس ہے۔

اس دور کے علماء اہل حدیث نے اس جمود کے خلاف اپنا پورا زور لگایا۔ اس جمود اور اس کے مضر مسائل، اثرات اور طوفان خیز نتائج کا اندازہ حافظ ابن قیم کی کتاب "اعلام الموقعین" "زاد المعاد" "الطرق الحکمیہ" وغیرہ سے ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تلمیذ اور قریب ترین اہل علم میں حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) سابقہ بدعات کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہوئے عباسی دور کی اعتقادی اور ملحدانہ یورش کا تذکرہ فرماتے ہیں

وفي هذا الزمان ظهر بالبصرة عمرو بن عبيد العابد وواصل بن عطاء الغزال ودعوا الناس إلى الاعتزال والقدر وظهر بخراسان الجهم بن صفوان ودعا إلى تعطيل الرب عز وجل وخلق القرآن وظهر بخراسان في قبالة مقاتل بن سليمان المفسر وبالغ في إثبات الصفات حتى جسّم وقام على هؤلاء علماء التابعين وأئمة السلف وحذروا من بدعهم

اس وقت بصرہ میں عمرو بن عبید اور واصل بن عطاء کا ظہور ہوا۔ وہ لوگوں کو اعتزال اور انکار تقدیر کی دعوت دینے لگے اور خراسان میں جہم بن صفوان نے تعطیل صفات اور خلق قرآن کی دعوت دی۔ اور خراسان ہی میں مقاتل بن سلیمان مفسر نے صفات کی دعوت اس طرح دی جس سے تجسیم کا شبہ ہونے لگا۔ علمائے سلف اور ائمہ تابعین نے ان کے خلاف دعوت دی اور ان کی بدعتوں سے

وشرح الكبار في تدوين السنن و	لوگوں کو ٹڑایا اور اکابر ائمہ حدیث ، سنت
تاليف الفروع وتصنيف العربية	کی تدوین اور فروع کی تصنیف میں مشغول
ثم كثر ذلك في ايام الرشيد وكثرت	ہو گئے۔ عربی زبان کے علوم کی تدوین کثرت
التصانيف والفوا في اللغات واخذ	سے ہوئی۔ یہ ہارون رشید کے دورِ حکومت
حفظ العلماء ينقص ودونت الكتب	کی حالت ہے۔ اسی زمانہ میں کتب لغت کی
واتكلوا عليها وانما كان قبل ذلك	تالیف ہوئی اور علماء کا حفظ کم ہونے لگا
على الصحابة والتابعين في الصدور	اور کتابوں پر زیادہ اعتماد ہونے لگا۔ اس سے
فهي كانت خزائن العلم لهم رضي	پہلے صحابہ اور تابعین کا علم سینوں میں تھا اور
الله عنهم (تذكرة الحفاظ ج ا ص ۱۵۱)	ان کے سینے علم کے خزانے تھے۔" ام

یہ اعتقادی بدعات کا دور تھا اور ائمہ حدیث کی اس باب میں جو مساعی تھیں ان کا مختصر تذکرہ حافظ ذہبی نے فرمایا ہے۔ وہ اپنے وقت کے فقہاء اور ائمہ حدیث کا سلف کے اہل علم سے موازنہ فرماتے ہوئے تقلید و جمود کے اثرات کا تذکرہ دل گداز انداز سے فرماتے ہیں۔

ابو محمد فضل بن محمد (۲۸۲ھ) کے تذکرہ کے بعد فرماتے ہیں:

اس وقت کے قریب قریب ائمہ حدیث کی بڑی تعداد موجود تھی جن کا تذکرہ میں نے تاریخ میں کیا ہے۔ یہاں میں نے اس کا عشر عشیر بھی ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح اس وقت ائمہ اہل الرائے اور فروع سے بھی کثیر جماعت تھی۔ اور شیعہ متکلمین اور معتزلہ سے بھی بڑے بڑے اساطین موجود تھے، جو معقول کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ اور اتباع سلف اور آثار نبویہ سے بے پرواہ تھے اور فقہاء میں تقلید نمایاں ہو چکی تھی اور اجتہادات میں تناقض ظاہر ہو چکا تھا۔ اللہ پاک ہے جس کے قبضہ میں خلق اور امر ہے۔

" اے شیخ! خدا کی قسم اپنے آپ پر رحم کرو اور انصاف کی نگاہ سے دیکھو۔ اور ان کی طرف غلط نگاہ مت ڈالو۔ اور ان کے نقائص کی تلاش مت کرو اور یہ مت خیال کرو کہ وہ آج کل کے محدثین کی طرح ہیں۔ حاشا وکلا میں نے جن ائمہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ وہ دین میں پوری بصیرت رکھتے تھے اور نجات کی راہ کو خوب سمجھتے تھے ہمارے زمانے کے بڑے بڑے محدث بھی علم و بصیرت میں ان کا

لگا نہیں کھا سکتے تھے۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ تم اپنی ہوا پرستی کی وجہ سے اگر کھلے طور پر نہ کہہ سکے تو بزبان حال کہو گے کہ احمد بن حنبل کیا چیز ہے ؟ ابن مدینی کون ہے۔ ابو داؤد اور ابو زرعہ کی کیا حقیقت ہے یہ صرف محدث ہیں انہیں فقہ کا پتہ ہی نہیں نہ وہ اصول سے واقف ہیں نہ انہیں معلوم ہے کہ رائے کیا چیز ہے۔ نہ وہ معانی اور بیان کے دقائق کو سمجھتے تھے۔ نہ وہ منطق کی باریکیوں کو جانتے تھے۔ نہ وہ اللہ تعالے کی ہستی پر دلائل دے سکتے تھے۔ نہ فقہائے ملت میں ان کا کہیں تذکرہ پایا جاتا ہے۔ یا تو علم سے چپ رہو یا علم سے بات کرو۔ مفید علم وہی ہے جو ان حضرات سے منقول ہے۔ تمہارے فقیہ تو ہمارے آج کل کے محدثین کی طرح ہیں۔ نہ ہم کچھ چیز ہیں۔ نہ آپ ہی کچھ جانتے ہیں اور باب فضیلت کی قدر اہل فضل ہی جانتے ہیں۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اپنی کمزوری کا اعتراف کرتا ہے۔ جو کبر و غرور اور ترپسندی سے گفتگو کرتا ہے۔ اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ اس کا انجام وبال ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی و سلامتی چاہتے ہیں اھ (تذکرۃ الحفاظ ص۱۰۸ ذہبی ص۱)

حافظ ذہبی نے اپنے وقت کے اس مرض کو جس دردانگیز طریقہ سے بیان فرمایا اور جس ہمدردی سے ذکر کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آٹھویں صدی میں جمود اور شخصیت پرستی کس قدر بڑھ چکی ہے۔ اور حافظ ذہبی اس سے کس قدر خائف اور متاثر ہیں۔ اور اس کے عواقب اور نتائج سے ائمہ حدیث کی دور اندیش نظریں کس قدر آگاہ ہیں۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ اہل حدیث کے خلاف آٹھویں صدی ہجری میں بھی وہی اسلحہ استعمال ہوتے تھے جو اپنی زنگ آلود شکل میں آج استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ فقیہ نہیں یہ عطار ہیں۔ اصول سے ناآشنا ہیں منطق نہیں جانتے، عقلی دلائل سے بے خبر ہیں۔ علم کلام ان کے اذہان سے بالا ہے۔

یہ وہی زنگ آلود اور بوسیدہ اوزار ہیں جو فلاسفہ یونان نے متکلمین کے خلاف استعمال کیے تھے متکلمین نے فقہا کے خلاف استعمال کئے اور فقہاء کرام نے ائمہ حدیث کو ان معائب سے مطعون کیا اور اب حضرات ارباب تقلید ان لوگوں کے خلاف استعمال فرماتے ہیں جو اس وقت آزادئ فکر کے حامی ہیں۔ چاہتے ہیں کہ جب ائمہ مجتہدین حق پر ہیں تو ان سب کے اجتہادات کیوں قابل عمل نہ سمجھے جائیں ؟ چار کی تحدید اللہ تعالے نے اور اس کے رسول نے نہیں فرمائی بعض اوقات حکومتوں نے اپنے مقاصد یا امن عامہ کی حفاظت کے لیے کی۔ اس کے لیے شرعاً اس کی کوئی سند نہیں پائی گئی۔

اگر کسی شخص کو قرآن و سنت میں مناسب بصیرت نہ ہو تو وہ ائمہ اجتہاد کے علوم سے بلا تعیین استفادہ کرے جب سب مجتہدین حق پر ہیں تو حق کو تقسیم کیوں نہ کیا جائے۔ تعیین شخص کا تقسیم کے سوا کوئی مطلب نہیں۔

بے شک تلفیق سے روکا جائے اتباع ہوا سے منع کیا جائے لیکن ہر شخص کی نیت پر مسلط ہونے کی کوشش نہ کی جائے۔ مخفیات اور سرائر کو اللہ تعالے عالم الغیب کے سپرد کیا جائے۔ یا پھر اس قوت کی تحویل پر اعتماد کیا جائے جو ملک کے نظم و نسق اور زمام ان کی ذمہ دار ہے لیکن انسانی اذہان و افکار، عقل و بصیرت اور نظر و اجتہاد پر تالے ڈالنے کی کوشش نہ کی جائے۔ یہ انسانیت پر ظلم بھی ہے اور اس کی توہین بھی اور علم و بصیرت کے ساتھ دشمنی کے مرادف بھی۔

حافظ ذہبی، حضرت عبداللہ بن مسعود کے مناقب، وسعت علم اور ان کے تفردات اور اختیارات کا ذکر فرماتے ہوئے اپنے دور کے شخصی جمود کا تذکرہ عجیب انداز سے فرماتے ہیں۔

"حضرت عبداللہ بن مسعود کی سیرت اگر لکھی جائے تو تقریباً نصف جلد اسی میں سما جائے وہ کبار صحابہ سے تھے۔ وہ نہایت وسیع العلم اور ہدایت کے امام تھے اس کے باوجود فروعی مسائل اور قرأت میں ان کے کچھ تفردات تھے، جو کتابوں میں موجود ہیں۔ اور ہر امام کی بعض باتیں لے لی جاتی ہیں اور بعض نظر انداز کر دی جاتی ہیں سوائے امام الاتقیاء صادق مصدوق نبی الرحمۃ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معصوم اور امین ہیں۔ اس عالم پر تعجب ہے جو کسی خاص امام کی تقلید کرے۔ باوجودیکہ اسے ان نصوص کا علم ہے جو اس کے امام کے خلاف پائی جاتی ہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اھ (تذکرۃ الحفاظ صد ۱۵ ج ۱)

جمود کے خلاف ہر دور کے علماء نے بہت کچھ کیا ہے۔ ابو شامہ، شاطبی، ابن قدامہ ایسے مشاہیر نے اس مرض کے خطرات سے آگاہ فرمایا ابن قیم فرماتے ہیں ؎

العلم معرفۃ الھدی بدلیلہ	ماذاک والتقلید یستویان
اذ اجمع العلماء ان مقلدا	للناس کالاعمی ھما اخوان

"علم معرفت بالدلیل کا نام ہے۔ تقلید اس کے مساوی اور مرادف نہیں ہو سکتی۔ علماء کا اجماع ہے کہ تقلید نابینگی کے مرادف ہے۔"

میں نے اس مقام پر ذہبی کے تاثرات کو اس لیے ذرا تفصیل سے لکھا ہے کہ ذہبی مختلف مکاتب فکر میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ان کی نظر تاریخی لحاظ سے اور رجال میں بہت وسیع ہے۔

بحر العلوم مسلم الثبوت کی شرح میں ذہبی کے متعلق فرماتے ہیں

قال الذہبی ھو من اھل الاستقراء التام فی نقل حال الرجال (بحر العلوم صفحہ ۲۹ نولکشور)	ذہبی کا استقراء اسماء الرجال میں بہت کامل ہے۔

ذہبی نے فکر کے جمود اور تقلید کے متعلق ان ممالک کا حال لکھا ہے جو ارض حرم کے قریب اور دینی علوم کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان جیسا ملک جو علوم نبوت سے پہلے ہی کافی دور ہے جہاں تحقیق کی پہلے ہی کمی ہے یہاں کے حالات تو اور بھی خراب ہوں گے۔

غزالی فرماتے ہیں

فان خاص المقلد فی الحاجۃ فذالک منہ فضول والمشتغل بہ صار کضارب فی حدید بارد وطالب لصلاح الفاسد وھل یصلح العطار ما افسدہ الدھر	مقلد کے ساتھ بحث ٹھنڈا لوہا کوٹنے کے مرادف ہے۔ عطار وقت کی بگاڑی کو نہیں بنا سکتا۔

ہندوستان میں اسلام

معلوم ہے کہ ہندوستان میں فاتحین اسلام دو راستوں سے آئے۔ سندھ کی راہ سے اور ایران کی راہ سے۔ پہلا لشکر محمد بن قاسم کی قیادت میں پہلی صدی کے اواخر میں پہنچا[1]۔ اس وقت ائمہ اربعہ سے امام ابو حنیفہ کے سوا باقی ائمہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے حضرت ابو حنیفہ کے لیے یہ دور طالب علمی کا تھا اور امامت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا

---

[1] ہندوستان پر پہلا حملہ ۹۲ھ میں ہوا۔ اس وقت ولید بن عبد الملک خلیفہ تھے۔ حجاج بن یوسف گورنر اور محمد بن قاسم قاید جیوش۔ محمد بن قاسم کے یہ حملے ۹۵ھ تک جاری رہے۔ ملتان سے قنوج تک ان کی فوجیں پہنچیں۔ دوسرا حملہ چوتھی صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے کیا اس وقت مذاہب اربعہ کا رواج کسی قدر ہو چکا تھا غزنویوں کے بعد حکومت غوریوں کی طرف منتقل ہو گئی ۱۲

یہ لشکر اہل حدیث تھا اور موجودہ تفریق سے بے خبر۔ ان کا مسلک تقریباً وہی تھا جو آج کل اہلحدیث کا ہے یعنی بلا تخصیص شخص، مسائل اہل علم سے پوچھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے، اسی لیے عامۃ المسلمین میں اس وقت تعصب ناپید تھا۔ دوسرا حملہ ایران کی راہ سے ہوا یہ فاتح عموماً حنفی تھے۔ انہی کی وجہ سے ہندوستان میں حنفیت پورے زور سے پہنچی اور اس وقت تک احناف کی ملک میں کثرت ہے اور عوام و خواص میں عصبیت بھی ہے۔ الامن رحم۔

یہ علاقے مرکز سے کافی دور اور علوم کی برکات سے بے حد تشنہ رہے۔ یہاں کے علماء عموماً حجاز میں اقامت اور ہجرت کو ترجیح دیتے رہے۔ ان حالات میں اگر یہاں جمود ہو، تحقیق اور اجتہاد سے عوام نفرت کریں تو اس میں تعجب نہیں۔ جمود کی روش ایسے علاقوں میں مستبعد نہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر برصغیر ہندوستان و پاکستان کے حالات عرب سے کہیں ابتر ہوتے چاہئیں۔ اس کا تذکرہ حافظ ذہبی نے فرمایا ہے یہاں کی حکومت اکثر جاہل اس کے ساتھ حکام میں بے عملی اور بدعملی دونوں کار فرما تھیں علماء وفقراء بھی اپنے مقام سے ہٹ چکے تھے۔

علامہ صغانی (۶۵۰ھ) کے بعد یہاں چند گنے چنے بزرگ نظر آتے ہیں۔ شیخ علی المتقی (۹۷۵ھ) شیخ محمد طاہر پٹنوی شہید (۹۸۶ھ) اور سب سے آخر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) جہاں اکبر ایسے فاسق بادشاہ اور ملا مبارک کا خاندان ملک کے در وبسط پر محیط ہوں، فواحش اور فسق و فجور کی حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی ہو۔ وہاں تقلید و جمود سے آگے ذہن کہاں تک پرواز کر سکتے ہیں اور یہ چند مخلص بزرگ بدعت اور شرک کے ان جھکڑوں اور آندھیوں کا کہاں تک مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اس آخری دور میں شیخ عبدالحق (۱۰۵۲ھ) کا وجود غنیمت ہے۔ وہ اپنے وقت کے محدث ہیں۔ ان کے وجود سے دہلی اور دہلی کے اطراف میں حدیث کا چرچا ہوا۔ ان کی رجال پر نظر ہے۔ لیکن نقل روایت میں حافظ سیوطی کے بعد شاید ہی کوئی اس قدر غیر محتاط ہو۔ ان کی مدارج النبوۃ میں سیرت کے متعلق بڑی جامعیت ہے۔ لیکن اضعاف اور موضوعات کا ذخیرہ بھی حضرت شیخ نے جمع فرما دیا ہے پھر وہ تصوف کی مخترعات اور وقت کی دوسری بدعات کے خلاف کھل کر کچھ کہنا نہیں چاہتے، بلکہ ان کا رجحان حمایت کی طرف ہوتا ہے۔ وہ سلبیات کے دلدادہ ہیں۔

ان کے رجحانات کا یہ حال ہے کہ سفر السعادۃ ایسی محققانہ اور محدثانہ کتاب کی شرح لکھی اور اسے جمود سے ہم آہنگ کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ جہاں اتنے بڑے اکابر محدثین کا یہ حال ہو۔ وہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تجدیدی مساعی اور ابن القیم کے تنقیدی کارناموں کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ بحوالہ حافظ سخاوی لفظ شیخ الاسلام کے غلط استعمال کا شکوہ فرماتے ہیں اور اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم اشتهر بها جماعة من علماء السلف حتى ابتذلت على رأس المائة الثامنة فوصف بها من لا يحصى وصارت لقباً لمن ولي القضاء الأكبر ولو عري عن العلم والسن فانا لله وانا اليه راجعون انتهى كلام السخاوي قلت ثم صارت الآن لقباً لمن تولى منصب الفتوى وان عري عن لباس العلم والتقوى

اھ (الفوائد البهيه ص ۱۰۱)

"شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر) کے بعد سلف سے ایک جماعت کے لیے یہ لقب مشہور ہوا۔ پھر آٹھویں صدی میں یہ لقب ایسا عام ہوا کہ جسے قضاء کبریٰ کا عہدہ ملا وہی شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہو گیا اور بے شمار شیخ الاسلام ہو گئے اگرچہ علم اور عمر کے لحاظ سے وہ کچھ بھی اہمیت نہ رکھتے ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں، پھر یہ لقب ان لوگوں کے لیے مخصوص ہو گیا جو منصبِ افتاء پر کسی طرح قابض ہو گئے گو وہ علم اور تقویٰ سے قطعاً تہی دست ہوں اھ"

اور اخر تیرھویں صدی تک علم کے دروس و انحطاط کا حال ظاہر ہے۔ علم و تقویٰ کی بجائے القاب پر بہت زور رہے جس قدر علم کم ہو گا اسی قدر جمود بڑھے گا۔ لوگ دوسروں کا سہارا لینے کی کوشش کریں گے۔ ضرورت کے لحاظ سے اسے کوئی واجب کہے یا مباح۔ لیکن ہے تو ایک لاعلمی کا کرشمہ۔ اسی لیے اس دور میں سارا زور القاب پر آ گیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی اصلاحی کوششوں کے بعد اعتقادی بدعات کی جگہ عملی بدعات نے لے لی۔

موت اور شادی کے مواقع پر ہنود سے یہ رسوم اور بدعات مستعار لے لی گئیں حکومتوں کے ایوانوں سے لے کر غریب کی جھونپڑیوں تک یہ اندھیرا چھا گیا۔ علماء کا کام بھی محض حیل کی تلاش رہ گیا۔ اور شرعی احکام کو ٹالنا فقہ کی انتہا قرار پا گئی۔

آخری دینی کوشش فتاویٰ عالمگیری کی تدوین ہے۔ وہ بھی آخر یہی کہ مخصوص آراء کو جمع کر دیا گیا۔ اور حکومت کی سرپرستی سے اسے اعتماد کی صورت حاصل ہو گئی۔

حافظ ذہبی کی زبان سے اپنے وقت اور اپنے ماحول کے جمود اور تقلید معین کا شکوہ آپ سن چکے حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا انتقال ۷۴۸ھ میں ہوا۔ اسی دور کے متعلق حافظ ذہبی نے شکایت فرمائی ہے کہ لوگ تحقیق کی بجائے تقلید کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ اپنی تحقیق اور اپنے علم پر اعتماد کی بجائے دوسروں کے فہم پر اعتماد اور دوسرے کے سہارے پر زندہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہی ہے۔ اگر دماغی قویٰ اور قوت فکر اور شعور کو استعمال نہ کیا جائے تو وہ اپنا عمل چھوڑ دے گی اور معطل ہو کر رہ جائے گی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ائمہ سلف کے بعد علم اور فقہ بتدریج کم ہو رہا ہے۔ کتابت اور تذکروں نے حافظوں کو کافی حد تک کمزور کر دیا ہے۔ محدثین کے حافظوں کا ذکر کیا جائے تو لوگ اسے افسانہ سمجھتے ہیں۔ فقہاء کی دوراندیشیوں اور نکتہ رسیوں کا تذکرہ آجائے تو خواص امت تک حیرت میں کھو جاتے ہیں۔ یہ ساری مصیبت جمود نے پیدا کی۔ بڑے بڑے ہوشمند اہل علم احساس کمتری میں مبتلا نظر آئیں گے۔

اس عمومی ابتلاء کے باوجود جمود بتدریج اذہان پر چھا گیا ہے۔ زمانہ میں ایسے بزرگ بھی ملیں گے جو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اپنی سمجھ سے سوچتے ہیں منقولات کے فہم میں انہیں اپنے علم اور اپنی فراست پر بجا طور پر اعتماد ہے اور کسی کی تقلید کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

تذکرۃ الحفاظ

حافظ ذہبی نے فن رجال میں دو اہم کتابیں لکھی ہیں۔ میزان الاعتدال اور تذکرۃ الحفاظ۔ میزان میں تو عموماً ضعیف اور مجروح رواۃ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ کی چار جلدیں ہیں۔ جن میں حفاظ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ ان کے اکیس طبقات ہیں۔ پہلی اور دوسری جلد میں دس طبقات کا ذکر ہے۔ تیسری اور

چوتھی میں گیارہ طبقات مرقوم ہیں۔ کل اکیس طبقات ہوئے۔ اور سات میں تقریباً گیارہ سو انیس ائمہ کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض ائمہ کا ذکر ضمناً آیا ہے۔ اور بعض کا تذکرۃً ذکر فرمایا ہے۔ اس تعداد کے علاوہ حافظ ذہبی نے التزام سے تو نہیں فرمایا کہ ہر آدمی کے ساتھ اس کے مسلک کا ذکر کریں گے لیکن چونکہ ائمہ حدیث کے تذکرہ میں یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ اس لیے وہ تذکرۃً کہیں ذکر فرما جاتے ہیں کہ فلاں بزرگ تقلید نہیں کرتے تھے۔ فلاں بزرگ اہل الرائے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ فلاں بزرگ نے اپنے علاقہ میں اہل اثر کے مذہب کو رواج دیا۔ تذکرۃ الحفاظ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ذہبی کے زمانہ ۷۴۸ھ تک ایسے لوگ موجود تھے جو شخصی تقلید اور جمود سے پرہیز کرتے تھے۔ کتاب اور سنت کو براہ راست سلف امت، صحابہ اور تابعین کی طرح سمجھنے اور سوچنے کی کوشش فرماتے تھے۔ تقلید اور جمود کی تنگ دامانیوں سے وہ اپنا دامن بچائے رکھتے تھے اور ایسے لوگ ہر زمانے میں کافی تھے۔ اور پھر یہ لوگ بہت ہی اچھی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ لوگ اساتذہ تھے۔ لوگ ان سے علم سنت پڑھتے اور سیکھتے تھے۔

ایک مختصر سی فہرست بقید سنین ذکر کی جاتی ہے۔ یہ فہرست تذکرۃ الحفاظ اور البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع للشوکانی اور اتحاف النبلاء (التاج المکلل) للنواب صدیق حسن خان سے منقول ہے۔ اس سے دو چیزوں کی وضاحت مقصود ہے۔ اول یہ کہ یہ نظریہ نیا نہیں بڑے فحول اور اکابر اہل علم نے تقلید سے پرہیز اور ائمہ سلف کی راہ کو پسند فرمایا ہے۔ دوسرے یہ کہ تقلید شخصی پر کبھی اجماع نہیں ہوا بلکہ ہر دور میں اہل علم، تحقیق و تفحص کے طلبگار رہے۔ اس مسلک کے لیے "وہابیت" کا عنوان بہت بڑا جھوٹ ہے۔ وہابیوں کا مرکزی مقام نجد اور حجاز ہے لیکن وہ لوگ اکثر حنبلی ہیں۔ خال خال ان میں سلفی بھی ہیں۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جن حضرات نے فن حدیث کی تحصیل ہندوستان سے کی یا پھر حافظ شوکانی اور علامہ حیات سندھی سے علم حدیث کا استفادہ فرمایا۔ گویا وہابیوں کو بھی سلفیت یا ہندوستان سے ملی یا یمن اور حجاز سے۔ تعجب ہے آج کل کے بعض اکابر علماء دیوبند بھی اس لقب کے استعمال میں غلط بیانی سے نہیں ڈرتے۔ بریلوی انہیں وہابی کہتے ہیں وہ اس کا انتقام اہل حدیث سے لیتے ہیں۔

تیسری صدی تک تو اتفاق ہے کہ تقلید ایمہ کی پابندی کا رواج نہ تھا۔ بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب کے ارشاد کے مطابق اس کا عام رواج چوتھی صدی کے بعد ہوا۔ لیکن محققین ایمہ کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ اس وقت بھی بند نہیں تھا۔ اس لیے امام ذہبی کئی ایمہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ وہ مجتہد تھے۔ کہیں فرماتے ہیں: کان لا یقلد احدًا۔ کہیں فرماتے ہیں: لم یکن یعلم اهل الولائے وغیر ذٰلك

ایمہ محققین کی فہرست مع قید سنین

بقی بن مخلد (۲۰۱ھ) احمد بن عاصم (۲۸۷ھ) قاسم بن محمد اندلسی (۲۷۶ھ) حافظ ابن خزیمہ (۳۱۰ھ) علامہ ابن المنذر (۳۱۸ھ) حسین بن محمد سنجی (۳۱۵ھ) حافظ ابویعلی (۳۴۶ھ) حسن بن سعد قرطبی (۳۳۱ھ) ابن شاهین (۳۸۵ھ) حافظ محمد بن علی ساحلی (۴۴۲ھ) امام حمیدی (۴۸۸ھ) محمد بن طاهر مقدسی (۵۰۷ھ) امام عبدری (۵۴۴ھ) ابو زرعہ بن محمد (۵۶۶ھ) حافظ ابن الرومیہ (۶۴۳ھ) شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) الحافظ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس (۸۱۰ھ) محمد یوسف ابوحیان اندلسی (۷۴۵ھ) شیخ شہاب الدین (۹۵۱ھ) سید یحییٰ بن حسین (۱۰۹۰ھ) صالح بن محمد حمیدی مقبلی (۱۱۰۸ھ) عبدالقادر بن علی البدری (۱۱۶۰ھ) سید محمد بن اسمٰعیل امیر یمانی (۱۱۸۲ھ)

ان ایمہ کے اسمائے گرامی اور سنین وفیات پر توجہ فرمایئے اور غور کیجئے۔ کہ یہ حضرات ترک تقلید کے باوجود امام ہیں۔ ہم اور آپ نقل احادیث میں ان کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں۔ حدیث کے دفاتر میں ان کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں۔ استدلال اور فقہی فروع کے ماخذ میں ان ہی کے علم پر یقین کرتے ہیں۔ پھر آج اگر کوئی شخص ایمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم سے کسی امام کی کلی طور پر تقلید نہ کرے تو اکابر اہل علم کی نظر میں وہ مجرم قرار پاتا ہے۔ بریلی اور دیوبند والے اس پر ناراض ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے القاب سے ان لوگوں کو یاد فرمایا جاتا ہے۔ یہ مسلک بھی اپنی قدامت کے لحاظ سے ایمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مسالک سے کسی طرح کم نہیں۔ بلکہ ان حضرات نے اپنے مسالک میں ائمہ حدیث ہی سے استفادہ کیا ہے۔

جہاں تک تاریخی شہادت کا تعلق ہے۔ خراسان، ایران، یمن، الجزائر، بربر اور اقصائے مغرب میں ابتداءً ایمہ حدیث ہی کا مسلک رائج تھا۔ موجودہ فقہی مسالک کو بذریعہ حکومت یا دوسری وجوہ سے غلبہ

حاصل تھا۔ یہ ایک مستقل بحث ہے کہ مختلف ممالک میں کیسے اور کن وجوہ سے مختلف مسالک رائج ہوئے۔
مقدمہ ابن خلدون اور المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار مقریزی میں ۳۱۱ھ سے ۷۶۰ھ تک شیعہ سنی مذاہب کی اشاعت اور ان کے مناقشات کا مبسوط تذکرہ ملتا ہے اور ان وجوہ پر روشنی پڑتی ہے جن سے مروجہ مذاہب کی اشاعت ہوئی۔ مقریزی نے ان ائمہ اور بادشاہوں کا نام بنام اور سنین کے حساب سے تذکرہ کیا ہے جن کی معرفت مروجہ مذاہب کا رواج ہوا اس کے ساتھ ہی شیعہ حضرات اور ان کے تشدد کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو اپنے مسلک کی اشاعت میں مصر اور اس کے اطراف میں ان سے ظاہر ہوا۔ اس سے سلف کے مسلک کی قدامت اور غربت کے وجوہ بھی ظاہر ہوتے ہیں :

اندھیرے میں روشنی کی کرن :

بارھویں صدی ہجری اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خاص وقت معلوم ہوتا ہے۔ اس ماحول میں دنیائے اسلام میں ایک بیداری محسوس ہو رہی ہے۔ ان محیط اندھیروں میں کہیں کہیں اور کبھی کبھی کچھ روشنی سی نمودار ہوتی ہے۔

عرب میں نجدی تحریک پیدا ہوئی جس کی قیادت شیخ محمد عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔

ایران میں سید جمال الدین افغانی نے صور پھونکا جس کی آواز مصر، اسکندریہ اور قسطنطنیہ تک پہنچی۔

تقریباً تھوڑی دیر پہلے ہندوستان کی قسمت جاگی اور رشد و ھدایت کی سوئی ہوئی طاقتوں نے انگڑائی لی۔ اس کا بیداری کا آغاز سید احمد سرھندی رحمہ اللہ نے گیارھویں صدی ہجری میں فرمایا۔ بدعات کے خلاف کھلی جنگ لڑی۔ بدعت کی تقسیم کا حیلہ عز بن عبدالسلام کے وقت سے آرہا تھا۔ لوگ بدعت کو حسنہ کہہ کر جواز کی راہ پیدا کر لیتے تھے۔ حضرت مجدد نے اسے تار تار کر دیا اور فرمایا کہ جب آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم ہر بدعت کو ناپسند فرماتے ہیں۔ اسے حسنہ کہنے کا حق کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔ شرعاً کوئی بدعت حسنہ نہیں کہلا سکتی۔

سنت سے محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی سچی دلیل ہے۔ بدعتی کتنا ہی عابد و زاہد ہو بارگاہِ نبوت میں وہ کسی احترام کا مستحق نہیں۔

مجدد صاحب کی مساعی نتائج و عواقب کے لحاظ سے آج کی مصطلح تحریکات سے کہیں زیادہ ہمہ گیر اور مؤثر تھیں۔

حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ نے کوئی اصطلاحی[۵] تحریک نہیں چلائی جس کے یہ بزرگ صدر یا سربراہ ہوں۔ اس کی مجالس کا جال ملک میں پھیلا ہو جس کے ممبر اور اعوان و انصار کسی عرفی تنظیم کے ماتحت کام کر رہے ہوں بلکہ ان میں ہر ایک اپنے وقت میں ایک مینار ہے جس سے خود بخود روشنی پھیلتی ہے، لوگ متاثر ہوتے ہیں، کسی عہدہ اور عرفی نظم کے بغیر ان تاثرات کو پھیلایا جاتا ہے اور وہ اس سرعت سے پھیلتے ہیں کہ کوئی عرفی تحریک اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی، اس لیے ان گذارشات میں اگر کہیں تحریک کا لفظ آجائے تو اس سے مراد آج کی انجمن سازی اور اسی قسم کی اصطلاحی تحریک نہیں ہوگا۔ بلکہ پرانا مفہوم ہوگا۔ جس میں ایک شخص ایک سچائی کو لے کر اٹھتا ہے، پروانے خود بخود شمع کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور روشنی اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ وقت کے اسباب و وسائل اپنی بساط کے مطابق استعمال ہونے لگتے ہیں۔ میری دانست میں مجدد صاحبؒ سے شروع ہو کر سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ تک کام کی نوعیت یہی رہی۔ ایک سپاہی کے دل میں ذمہ داری کا احساس اور مقاصد کی تحصیل کے لیے اتنا ہی درد تھا جس قدر کسی بڑے سے بڑے عہدہ دار کو ہونا چاہیے اور یہ احساس ہی کامیابی کا راز ہے۔

---

۵ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی رحمہ اللہ نے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو مصطلح تحریک کا بانی قرار دیا ہے یہ ان کا محض حضری تخیل ہے اور بالکل بے دلیل وہم۔

ولی اللہی تحریک کا مزاج :

اس تحریک کے اہم عناصر مندرجہ ذیل ہیں۔ حضرت شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت مولانا فاخر الہ آبادی۔ آزاد بلگرامی، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ، مولانا شاہ عبدالعزیز، مولانا شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ عبدالقادر، مولانا شاہ عبدالغنی، حضرت سید احمد شہید، مولانا شاہ اسماعیل، مولانا عنایت علی، مولانا ولایت علی، مولانا عبدالحی بڈھانوی۔ ان میں بعض عملاً حنفی ہیں لیکن عقیدۃً اہل حدیث۔ بعض عمل و عقیدہ دونوں میں حنفی بعض دونوں میں اہل حدیث لیکن اس اختلاف کی نمائش ان حضرات نے کبھی نہیں فرمائی۔

قاضی ثناء اللہ صاحب کا تفسیر مظہری میں رجحان فقہ حنفی کی طرف ہے، لیکن بدعت کی مخالفت میں کوئی لچک نہیں۔ ارشاد الطالبین میں قبر پرستی اور قبور پر چراغاں اور انہیں چونا گچ کرنے کے متعلق ان کی رائے بہت واضح ہے۔ آج کے ارباب دیوبند کی طرح ان میں لچک اور مداہنت نہیں۔ آج بعض اکابر دیوبند کے افکار کا رجحان زیادہ تر بریلویت کی طرف ہے۔ وہ اہل توحید اور اصحاب سنت سے زیادہ اہل بدعت کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مؤمنین۔

ان حضرات کے مقاصد کا تجزیہ

۱۔ حنفیت کے باوجود یہ حضرات فقہی جمود اور عصبیت کو قطعاً ناپسند کرتے ہیں۔

۲۔ ائمہ کے اختلافی مسائل میں یہ حضرات وسیع القلب ہیں۔ کسی طرح بھی عمل کیا جائے۔ انہیں ناگوار نہیں ہوتا۔

۳۔ بدعات کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور ان کے خلاف سخت انکار فرماتے ہیں۔

۴۔ شیعہ حضرات سے سمجھوتے کے قائل نہیں تاوقتیکہ صحابہ کے متعلق وہ اپنی رائے بالکلیہ نہ بدل لیں۔ مجدد صاحب کے رسائل اور ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (از شاہ ولی اللہ صاحبؒ) اور تحفہ اثنا عشریہ (شاہ عبدالعزیزؒ) اس کے شاہد ہیں۔ ان کتابوں میں شیعہ حضرات پر انتہائی معقول تنقید فرمائی ہے۔ مداہنت نہیں کی۔

۵۔ تصوف سے بہت متاثر ہیں لیکن اس راہ کی مدعیٰ رسوم سے انتہائی متنفر۔

۶۔ وہ اہل سنت کے دو فریق سمجھتے ہیں، اہل حدیث اور اہل الرائے۔ دونوں اہل سنت ہیں لیکن شاہ صاحب فقہائے اہل حدیث کی راہ کو زیادہ پسند فرماتے ہیں جیسا کہ آئندہ انشاء اللہ آئے گا۔

شیخ ابو منصور عبد القاہر دمشقی نے بھی "الفرق بین الفرق" میں متعدد مقامات پر اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں کو اہل سنت قرار دیا ہے۔

علامہ عبد الکریم شہرستانی کا بھی یہی حال ہے۔

۷۔ یہ جماعت سیاسی سربراہی کی خواہش مند نہیں۔ لیکن اگر لادینیت برسر اقتدار آنا چاہیے یا آجائے تو وہ ایسے سیاسیین سے جہاد کرنا پسند کرتے ہیں جھکنا گوارا نہیں کرتے۔

حضرات دہلی کے نظریات :

شاہ صاحب امت میں دو جماعتوں کی روش کو فی الجملہ صحیح سمجھتے ہیں، اور غلو کو ناپسند کرتے ہیں اور کسی کے لیے شخصی طور پر تعصب پسند نہیں فرماتے :

"باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل و فتویٰ بر دو وجہ بودند یکے آنکہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع مے کردند و ازانجا استنباط مے نمودند و ایں طریقہ اصل راہ محدثین است و دیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمعے از ائمہ تنقیح و تہذیب آں گروہ اند یاد گیرند بے ملاحظہ ماخذ آنہا پس ہر مسئلہ کہ وارد می شد جواب آں از ہماں قواعد طلب می کردند و ایں طریقہ اصل راہ فقہاء است وغالب بر بعض سلف طریقہ اولیٰ بود و بر بعض آخر طریقہ ثانیہ" اھ (مصفیٰ ص ۱ ج ۱)

"سلف میں استنباط مسائل کے متعلق دو طریق تھے پہلا یہ تھا قرآن و حدیث اور آثار صحابہ جمع کیے جائیں۔ اور انہیں اصل قرار دے کر پیش آمدہ مسائل پر ان کی روشنی میں غور کیا جائے۔ یہ محدثین کا طریق ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ائمہ کے منقح اور مہذب کیے ہوئے کلیہ قواعد کو اصل قرار دیا جائے اور پیش آمدہ مسائل کا حل انہیں سے تلاش کیا جائے اور اصل ماخذ کی طرف توجہ کی ضرورت نہ سمجھی جائے۔ یہ فقہاء کا طریقہ ہے۔ سلف سے ایک کثیر گروہ پہلے

طریق کا پابند ہے اور ایک گروہ دوسرے طریق کا۔"

پھر ان دونوں طریقوں کا تفصیلی تذکرہ اور ان کے طریق عمل کی پوری وضاحت حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے۔ حدیث کی جمع و کتابت پھر تدوین و تالیف کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پھر فقہائے محدثین کا تذکرہ فرمایا ہے

فرجع المحققون منهم بعد احكام	محققین اہل حدیث نے فن روایت میں
فن الرواية ومعرفة مراتب الحديث	پختگی اور مراتب حدیث سے پوری معرفت
الى الفقه فلم يكن عندهم من الرای	پیدا کی اور فقہ کی طرف توجہ کی۔ لیکن ان
ان يجمع على تقليد رجل ممن مضى	کا یہ طریق نہ تھا کہ اس معاملہ میں گذشتہ
مع ما يرون من الاحاديث والآثار	بزرگوں سے کسی خاص شخص کی تقلید پر
المتناقضة فی كل مذهب من تلك	اتفاق کرلیں۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ
المذاهب فاخذ ما يتبعون احاديث	ان مروجہ مذاہب میں احادیث اور
النبی صلی اللہ علیہ وسلم واثار	آثار متناقض موجود ہیں۔ اس لیے انہوں
الصحابة والتابعين والمجتهدين على	نے احادیث اور ائمہ مجتہدین کے علوم پر
قواعد احكموها فی نفوسهم	اپنے قواعد کی روشنی میں غور کیا

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۱ ج ۱)

○

اس کے بعد شاہ صاحب نے مختصر طور پر محدثین کے ان قواعد کا بھی تذکرہ فرمایا ہے جو ان کے نزدیک تطبیق بین النصوص یا استنباط مسایل کے لیے معیار ہیں۔ یہ قواعد حضرت عمرؓ کے ایک اثر کی تعمیل میں مرتب کئے گئے ہیں۔ قاضی شریح فرماتے ہیں مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا:

"اگر کوئی مسئلہ اللہ کی کتاب میں مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور کسی کے کہنے پر اس سے صرف نظر مت کرو۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر غور

کرو۔ اور اسی کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر مسئلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں میں نہ ہو تو لوگوں کے عمومی عمل کو دیکھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اگر کوئی معاملہ ان تینوں طریقوں سے طے نہ ہو سکے تو اس کا فیصلہ یا تو اجتہاد سے کرو یا پیچھے ہٹ جاؤ۔ اور میری دانست میں تاخیر زیادہ مناسب ہے" (دارمی)

دوسرے گروہ (اہل الرائے) کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔

یہ لوگ سوالات کی کثرت اور فتووں سے نہیں گھبراتے لیکن حدیث کی روایت سے گھبراتے ہیں کہیں الفاظ میں کمی بیشی نہ ہو جائے۔ ان کا خیال ہے کہ دین کی بنیاد فقہ پر ہے۔ اس کی اشاعت ضروری ہے۔

آخر میں فرماتے ہیں:

ان حضرات کی نظر میں فقہ، حدیث اور مسایل کی تدوین دوسرے طریق سے ہوئی کیونکہ ان کے پاس حدیث اور آثار کا سرمایہ اس قدر نہیں تھا جس کی بنا پر وہ ان اصولوں پر اعتماد کر سکتے جن پر علماء اہل حدیث نے اعتماد کیا ہے۔ نہ مختلف ممالک کے سابقہ علماء کے اقوال ان کی نگاہ میں تھے جس سے شرح صدر کے ساتھ استنباط کرنے اور اپنے اکابر پر انہیں بے حد اعتماد تھا۔ اس لیے وہ ان کے طے کردہ اصولوں پر زیادہ یقین رکھتے تھے۔ غرض یہ حضرات استنباط میں کتاب وسنت کی جگہ اپنے گذشتہ بزرگوں کے ارشادات پر اعتماد کرتے اور انہی کی روشنی میں مسایل کو حل فرماتے۔

اس دور کے بعد معاملہ اور بھی بگڑ گیا اور ایک ایسا گروہ سامنے آ گیا جس کا تذکرہ شاہ صاحب الفضل میں فرماتے ہیں:۔

ومنها انهم اطمأنوا بالتقليد و دب التقليد فى صدورهم دبيب النمل وهم لا يشعرون (حجة الله ص۱۵۲ ج۱)	وہ لوگ تقلید پر مطمئن ہو گئے اور تقلید ان کے رگ وریشہ میں پیوست ہو گئی۔

• شاہ صاحب نے اس انحطاط کی متعدد وجوہ لکھی ہیں:

۱۔ فقہاء کا باہم اختلاف اور مزاحمت، جس کا انقطاع کسی پہلے بزرگ کے حوالہ کے بغیر نہ ہو سکا۔

۲۔ رؤساء کی جہالت اور علماء کا حدیث اور تخریج سے ناآشنا ہونا۔

۳۔ دور ساز کار فرضی مسائل میں تعمق وغیر ذالک۔

اس کے نتائج کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"اس کے نتیجہ میں جہالت، اختلاط شکوک اور اوہام پیدا ہوگئے جس کی اصلاح کی کوئی امید نہیں رہی۔ پھر دونوں خالص تقلیدی ہی ان کا قیموہ رہا اور حق و باطل کا امتیاز جاتا رہا اور فقہ محض جھگڑے اور باتیں بنانے کا نام رہ گیا۔ اور محدث چند غلط صحیح احادیث نقل کر دینے کا نام رہ گیا۔"

آخری الفاظ سنئے:

ولم يأت قرن بعد ذالك الا وهو اكثر فتنة واوفر تقليدا واشد انتزاعا للامانة من صدور الرجال حتى اطمأنوا بترك الخوض في امر الدين وبان يقولوا انا وجدنا اباءنا على امة وانا على اثارهم مقتدون والى الله المشتكى۔ ا ه (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۴)

ان تصریحات کا نتیجہ

۱۔ اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں مکتب فکر ہیں اور دونوں اہل علم میں رائج ہیں۔

۲۔ شاہ صاحب کے خیال میں اہل حدیث اور اہل الرائے اس آخری دور میں اپنی جگہ سے ہٹ چکے ہیں۔

۳۔ متاخرین اہل الرائے میں استدلال اور استنباط کی بجائے تقلید اور جمود آ گیا ہے۔ یہ شاہ صاحب کی نظر میں نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ اہل حدیث نے بھی حدیث کی طرف بے توجہی کی ہے۔ وہ تقریباً اسے ایک رسم کے طور پر کر رہے ہیں۔ استنباط اور اجتہاد کے نقطۂ نظر سے نہیں کرتے اور نہ تفقہ کی کوشش کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کا مقصد:

شاہ صاحب چاہتے ہیں کہ دونوں گروہ حقیقت پسندی سے کام لیں۔ اور اہل الرائے اکابر کی بجائے

کتاب و سنت کو اساس قرار دیں اور سائل حدیث ظاہریت سے بچ کر تفقہ سے کام لیں۔ ملاحظہ ہو تفہیمات جلد اول صفحہ ۲۰۹

ومنها انی اقول لهولاء المسلمین	میں ان تمام کے فقہاء سے کہتا ہوں جن میں
المتسمین بالفقهاء الجامدین علی التقلید	تقلید کی وجہ سے انتہائی جمود آچکا ہے۔
یبلغهم الحدیث من احادیث النبی صلی	جب ان کو صحیح حدیث پہنچتی ہے جو امت
الله علیه وسلم باسناد صحیح وقد ذهب	میں معمول رہا ہے۔ لیکن وہ صرف ان لوگوں
الیه جمع عظیم من الفقهاء المتقدمین	کی تقلید کی وجہ سے یہ حدیث جن کے مسلک
ولا یمنعهم الا التقلید لمن یذهب	کے خلاف ہے اس حدیث کا انکار کر دیتے
الیه وهولاء الظاهریة المنکرین للفقهاء	ہیں۔ اور ان ظاہری حضرات سے بھی کہتا
الذین هم طراز حملة العلم وائمة	ہوں جو ائمہ دین اور چوٹی کے فقہاء کا
اهل الدین انهم جمیعا علی سفاهة	انکار کرتے ہیں۔ تم دونوں فریق غلط راہ پر
و مخافة رای وضلالة وان الحق	جا رہے ہو۔ یہ کم فہمی کی راہ ہے اور حق ان
بین بین۔	دونوں کے بین بین ہے۔" اھ

دونوں فریق پر کس صاف گوئی سے تنقید فرمائی اور جمود توڑنے کے لیے کس قدر واضح راہ بتلائی ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ:

واشهد لله بالله انه کفر بالله ان	میں اللہ کے نام سے اس کی قسم کھاتا ہوں
یعتقد فی رجل من الامة ممن یخطی	کہ امت کے کسی آدمی کے جو خطا اور ثواب
ویصیب ان الله کتب علیّ اتباعه حتما	دونوں کا مرتکب ہو سکتا ہے یہ خیال کرنا کہ
وان الواجب علی هو الذی یوجبه هذا	اسی کا اتباع واجب ہے، اور جسے یہ واجب
الرجل وان الشریعة الحقة قد ثبتت	کہے وہی امر واجب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے

قلیل ھذا الرجل بزمان الخ اھ	ساتھ کفر کے برابر ہے۔ کیونکہ شریعت اس شخص سے کہیں پہلے موجود ہے۔" اھ۔
(تفہیمات جلد ۱ ص ۲۱۷)	

شاہ صاحب نے یہاں تقلیدِ شخصی اور جمود کو کفر باللہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ وہ کسی شخص کے حق کو اس مسئلہ میں تسلیم نہیں فرماتے۔ تقلید سے جو ذہنی انقباض ہوتا ہے اور قوتِ فکر کی راہ میں جو رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس کے متعلق اور کھل کر فرماتے ہیں:

وترى العامة سيما اليوم فى كل قطر يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين يرون خروج الانسان من مذهب من قلده ولو فى مسئلة كالخروج من الملة كانه نبى بعث اليه وافترضت طاعته عليه وكان اوايل الامة قبل المائة الرابعة غير متقيدين بمذهب واحد اھ	"ہر علاقے میں عوام ایمہ متقدمین سے کسی نہ کسی مذہب کے مقلد اور پابند ہیں۔ کسی ایک مسئلہ میں بھی وہ اختلاف کرنا نہیں چاہتے۔ گویا وہ امام نبی ہے اور ان پر اس کی اطاعت واجب ہے۔
(تفہیمات ج ۱ ص ۱۵۱)	

تفہیمات جلد ۱ ص ۲۱۴ میں لہجہ ذرا اور سخت ہو گیا۔ اس میں صوفیوں اور علماء کا تذکرہ اس جلال سے فرماتے ہیں:۔

نحن لانرضى بهولاء الذين يبايعون الناس ليشتروا به ثمنا قليلا او ليشوبوا اغراض الدنيا بتعلم علم اذ لا تحصل الدنيا الا بالتشبيه باهل الهداية ولا بالذين يدعون الى انفسهم و	"ہم نہ تو ان صوفیوں کو پسند کرتے ہیں جو دنیا کے لیے لوگوں سے بیعت لیتے ہیں کیونکہ دنیا کمانے کے لیے بھی اصحابِ ہدایت سے مشابہت ضروری ہے اور نہ ان علماء کو پسند کرتے ہیں جو اپنی طرف دعوت دیتے

يأمرون بحسب أنفسهم هؤلاء قطاع الطريق دجالون كذابون مفتونون فتانون اياكم واياهم ولا تتبعوا الامن دعى الى كتاب الله و سنة رسوله ولم يدع الى نفسه۔ اھ	ہیں۔ یہ ڈاکو ہیں، جھوٹے ہیں۔ خود فتنے ہیں مبتلا ہیں۔ لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں سے بچو اور صرف ان لوگوں کی بات قبول کرو جو کتاب وسنت کی طرف دعوت دیں اور اپنی ذات کی طرف دعوت نہ دیں"۔

پھر طالب علموں کو مخاطب فرما کر ارشاد ہوتا ہے:

ورب انسان منكم يبلغه حديث من احاديث نبيكم فلا يعمل به و يقول انما عملي على مذهب فلان لا على الحديث ثم احتال بان فهم الحديث والقضاء به من شان الكمل المهرة وان الائمة لم يكونوا ممن يخفى عليهم هذا الحديث فما تركوه الا لوجه ظهر لهم في الدين من نسخ ومرجوحية۔ اھ (تفہیمات ص ۲۱۵ ج ۱)	بہت سے لوگوں کو تم سے حدیث نبوی مل جاتی ہے۔ لیکن وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں، میرا عمل فلاں مذہب پر ہے۔ پھر بہانہ بناتے ہیں کہ حدیث سمجھنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا کامل اور ماہر لوگوں کا کام ہے۔ اور ائمہ سے یہ حدیث مخفی نہ تھی۔ کوئی وجہ ضرور ہوگی جس کی بنا پر ائمہ نے اس پر عمل نہیں کیا"۔ اھ

اس کے نتیجہ میں فرماتے ہیں:

"یہ قطعاً دین کی بات نہیں تم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ مذہب کے موافق ہو یا مخالف اللہ کی مرضی یہی ہے کہ تم کتاب وسنت کی اطاعت کرو"۔ الخ

بظاہر شاہ صاحب فقہ حنفی سے مانوس ہیں۔ ان کا خاندانی مسلک عام طور پر فقہ عراقی ہے لیکن شاہ صاحب چونکہ جمود اور اس تو قیفی فقہ سے بیزار ہیں۔ اس لیے اس فقہی نظام پر بھرپور وار کرتے ہیں "قرۃ العینین

میں شیخین (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ) کے محاسن میں فرماتے ہیں کہ در اصل اختلاف شیخین کے بعد شروع ہوا:

"گویا اصل مذاہب اربعہ اجماعیات شیخین افتادہ، اما ایں سخن کسے کہ سرمایہ علم او بجز قدوری و وقایہ نباشد نتواں گفت۔" (قرۃ العینین ص ۱۳۴)

مذاہب اربعہ میں اجماعی مسائل شیخین ہی کے مرہون منت ہیں۔ لیکن یہ بات ان حضرات کی سمجھ میں نہیں آ سکتی جن کے علم کا کل سرمایہ قدوری اور وقایہ ہے۔

دوسرے مقام پر اسی انداز سے فرماتے ہیں:

ایں نکتہ کسے کہ سرمایہ فقہ او شرح وقایہ و منہاج باشد نمے تواند دانست ایں سخن را علمائے متبحر می باید (ص ۱۳۵)

یہ نکتہ شرح وقایہ اور منہاج وغیرہ پڑھنے والے فقہاء کی سمجھ میں نہیں آ سکتا، اس کے لیے متبحر عالم کی ضرورت ہے۔

شاہ صاحب کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ متون و شروح فقہ کو جو اعتماد و تفوق حاصل ہوا ہے وہ ایسہ اور ان کتب کے مصنفین کے ساتھ محبت اور ان کے علوم پر یقین سے حاصل ہوا ہے۔ در اصل یہ اعتماد صحابہ اور خصوصاً شیخین پر ہونا چاہیے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

بالکل اسی انداز سے یہ تذکرہ "ازالۃ الخفاء" میں آیا ہے۔ شاہ صاحب کی نظر میں یہ فقہی نظام اور یہ تقلید محض شخصی کوششیں ہیں۔ انہیں اساسی طور پر کوئی اہمیت نہیں۔ اس کے وجوب اور فرضیت کی بحث بے معنی اور لا حاصل ہے۔ یہ بزرگ عالم تھے ان کے علوم سے ممکن طور پر استفادہ کرنا چاہیے۔

اس قسم کی تصریحات حجۃ اللہ البالغہ کے کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ بلکہ بعض مقامات پر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حجۃ اللہ میں تفہیمات کے بعض مجمل مضامین کی تفصیل اور شرح ہے۔

اصول فقہ:

اس میں شک نہیں کہ اصول فقہ کی تاسیس اور تدوین علمائے اہل حدیث خصوصاً امام شافعی نے فرمائی ہے اور عموماً اصول قرآن و حدیث اور لغت عرب اور عقل سلیم سے اخذ کئے گئے ہیں۔ امام شافعی کے اس شاہکار کا تذکرہ ابجد العلوم نواب صدیق حسن خاں مرحوم کشف الظنون للکاتب چلپی فہرست ابن ندیم

وغیرہ میں ملتا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے بھی تذکرہ حجۃ اللہ ص ۱۶۰ج ا وغیرہ تصانیف میں فرمایا ہے۔ ویسے اصول فقہ اور اصول حدیث کی حیثیت منطق کی ہے۔ حدیث کی تصحیح اور تضعیف میں اصول حدیث اور فقہی جزئیات کی تخریج میں اصول فقہ کو وہی مقام حاصل ہے جو معقولات میں منطق کو۔ اس فن کی تاسیس گو امام شافعی ہی نے فرمائی ہے لیکن فقہاء حنفیہ کی خدمات اس فن میں قابل تعریف ہیں۔ بلکہ اس فن کی بدولت انہوں نے بانی فن امام شافعی پر بھی بعض مقامات پر کڑی تنقید کی ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ فقہ کا بھرم اور خوبی اصول فقہ ہی سے ہے۔ شاہ صاحب نے فقہ کے ساتھ اصول فقہ پر بھی تنقید فرمائی ہے اور اس بھرم کی حقیقت کھول دی ہے۔ قرۃ العینین ص۱۸۷ پر فرماتے ہیں:۔

"وحنفیان برائے احکام مذہب خود اصلے چند تراشیدہ کالاتی (۱) الخاص مبین فلا یلحقہ البیان (۲) العام قطعی کالخاص (۳) المفہوم المخالف غیر معتبر الترجیح بکثرۃ الرواۃ غیر معتبر الزیادۃ علی الکتاب نسخ۔ اھ۔	"اور احناف نے مذہب کی پختگی کے لیے کچھ اصول تراشے ہیں۔ مثلاً خاص بین ہے اسے بیان کی ضرورت نہیں۔ عام بھی خاص کی طرح قطعی الدلالت ہے۔ مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ کتاب اللہ پر زیادۃ کتاب کا نسخ ہے۔"

بعینہٖ اسی انداز سے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فتاویٰ عزیزی ص۲۰۱ میں کسی قدر تفصیل سے فرمایا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کا لہجہ شاہ ولی اللہ صاحب سے بھی سخت ہے

ومن اللطائف التی ظفر بہا جدلی لحفظ مذہبہ ما اخترعہ المتاخرون لحفظ مذہب ابی حنیفۃ وھی عدۃ قواعد یردون بہا جمیع ما یحتج بہا علیہم من الاحادیث الصحیحۃ۔	"متاخرین کے چند گھڑے ہوئے قواعد حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب کی حفاظت کے لیے جو دنیا کے عجائبات سے ہیں۔ ان قواعد کی بدولت وہ تمام صحیح احادیث کو رد کر دیتے ہیں۔ جو ان کے مذہب کے خلاف ہوں۔"

اس کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب نے تقریباً نو قواعد کا ذکر فرمایا ہے۔ جن میں بعض تو وہی ہیں جن کا تذکرہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا ہے۔ بیں مے بسط اور اطناب سے ڈرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا ہے۔ طالبِ حق کو فتاویٰ عزیزی ص ۱۷۲ ج ۱ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں کئی جگہ اصول فقہ پر شاہ صاحب نے کڑی تنقید فرمائی ہے۔ لیکن باب حال الناس بعد المأۃ الرابعۃ میں تقلید اور اس کے شیوع کی بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ویعضھم یزعم ان بناء المذاھب	بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مذاہب کی
علیٰ ھٰذہ المحاورات الجدلیۃ المذکورۃ	بنیاد ان مناظرانہ محاورات پر ہے جن کا ذکر
فی مبسوط والھدایۃ والتبیین ونحو	مبسوط، سرخسی، ہدایہ اور تبیین میں ہے
ذالک ولا یعلم ان اول من اظھر ذالک	اور یہ بیچارے نہیں جانتے کہ در اصل ان
فیھم المعتزلۃ (صفحہ ۱۲۸ ج ۱)	جدلیات کے بانی معتزلہ ہیں۔

اس کے بعد اصول فقہ کے متعدد قواعد اور ان کا حدیث کے انکار میں جو اثر پڑتا ہے ذکر فرمایا ہے۔ پھر پورے جلال کے ساتھ ان قواعد پر معارضات عاید فرمائے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ احناف خود بھی ان قواعد کے پابند نہیں۔ یہ بحث کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ حق پسند طالب علم کو ان مقامات کا مطالعہ پورے غور سے کرنا چاہیئے۔

اس وقت گذارش کا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب جس طرح فقہی جزئیات کو دین اور شریعت نہیں سمجھتے۔ اسی طرح وہ اصولِ فقہ کو بھی لازوال اور دائمی اصول نہیں سمجھتے۔ یہ محض علمی کوششیں ہیں جو علماء نے اپنے مسالک کو بچانے کے لیے کی ہیں۔ نہ فروع کے انکار سے کفر لازم آتا ہے نہ اصول فقہ کے انکار سے دیانت میں خلل لازم آتا ہے۔

فروع کے متعلق شاہ صاحب کی روش

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے رفقاء عقاید، اصول اور فرعی مکاتب فکر کے التزام میں

جس طرح جمود کو پسند نہیں فرماتے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ کسی پابندی کے بغیر مذاہب اربعہ اور ائمہ حدیث کے مسایل پر عمل کیا جائے۔ اور بظاہر حنفی ہونے کے باوجود وہ محدثین اور شوافع کے معمولات کو ترجیح دیتے اور پسند فرماتے ہیں۔

اس وقت ابنائے دیوبند سے بڑی کثرت شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے ساتھ انتہائی عقیدت کا اظہار کرتی ہے۔ مگر ان کی روش اور ان کا عمل شاہ صاحب، ان کے رفقار، اور خاندان کے نظریات کے بالکل خلاف ہے۔

آج کا دیوبند، بریلویت سے چنداں مختلف نہیں۔ اختلافات لفظی قسم کے رہ گئے ہیں۔

آگے آنے والی گذارشات سے معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب فروع میں کس قدر وسیع الظرف تھے۔ اور دیوبند کی موجودہ پود میں کس قدر تنگ ظرفی اور انقباض ہے۔ وہ اپنے خلاف کوئی چیز سننا پسند نہیں کرتے۔ اور شاہ صاحب شافعی مکتب فکر پر عمل سے پرہیز نہیں فرماتے:

حدیث قلتین:

پانی کی طہارت کے متعلق شوافع اور احناف میں بے حد اختلافات ہیں۔ قلتین کی حدیث کو ان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ احناف اسے مضطرب فرماتے ہیں۔ شوافع اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ اور معذرت فرماتے ہیں کہ قدماء احناف اور موالک پر ایسی احادیث مخفی رہیں یا فہم مراد میں ان حضرات سے تسامح ہوا

ومثال الحديث القلتين فانه حديث صحيح روی بطرق كثيرة (الخ)	قلتین کی حدیث صحیح اور متعدد طرق سے مروی ہے۔

(حجۃ اللہ ص۱۱۵ جلد۱)

گویا طہارت کے مسایل پر اس حدیث کی وجہ سے جو شبہات واقع ہوتے تھے۔ شاہ صاحب ان کا فیصلہ شوافع کے حق میں دیتے ہیں اور احناف و موالک کی طرف سے معذرت فرماتے ہیں کہ ابتدائی دور میں یہ حدیث عام نہیں ہوئی۔

امام کے پیچھے فاتحہ:

ائمہ احناف اور شوافع کے نزدیک امام کی اقتدا میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے متعلق نزاع مشہور ہے بیسیوں رسائل اس موضوع پر شائع ہوئے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

وان کان ماموما وجب علیہ الانصات	مقتدی کو چاہیئے کہ امام کے پیچھے خاموشی
والاستماع فان جھر الامام لم یقرأ	سے سنے۔ اگر امام آواز سے پڑھے تو مقتدی
الاعند الاسکاتۃ وان خافت فلہ	سکتوں میں پڑھے۔ اگر امام آہستہ پڑھ رہا
الخیرۃ فان قرأ فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب	ہے تو مقتدی جس طرح چاہے پڑھے لیکن
قراءۃ لایشوش علی الامام وھذا اولی	اس طرح پڑھے کہ امام کی قرأت میں تشویش اور
الاقوال عندی وبہ یجمع بین احادیث	پریشانی نہ ہو۔

الباب اھ رحجۃ اللہ ص ۷ ج ۲)

شاہ صاحب کے ارشادات میں اعتدال ہے۔ دونوں فریق کے تشدد کو شاہ صاحب پسند نہیں فرماتے۔

رفع الیدین اور وتر:

رکوع وغیرہ میں رفع الیدین اور وتروں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہے:

والحق عندی فی مثل ذلک ان الکل	میرے نزدیک حق یہ ہے کہ رفع یدین کرنا نہ
سنۃ ونظیرہ الوتر برکعۃ واحدۃ و	کرنا دونوں سنت ہیں۔ اسی طرح ایک رکعت
ثلث والذی یرفع احب الی ممن لایرفع	اور تین رکعت وتر پڑھنے والا۔ اور رفع الیدین
فان احادیث الرفع اکثر واثبت غیر	کرنے والا مجھے نہ کرنے والے سے زیادہ پسند
انہ لاینبغی لانسان فی مثل ھذہ الصور	ہے۔ کیونکہ رفع یدین کی احادیث زیادہ ہیں۔
ان یثیر علی نفسہ فتنۃ عوام بلدہ	اور صحیح ہیں۔ لیکن انسان کو ایسے اعمال کی وجہ
	سے اپنے خلاف ہنگامہ نہیں بپا کرانا چاہیئے۔

(حجۃ اللہ ص ۸ ج ۲)

(خدا کا شکر ہے کہ ہنگاموں کا موسم گذر گیا)

ظاہر ہے عوام میں ان اعمال کی وجہ سے نفرت پیدا ہوتی تھی اور خواص اس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اب وہ سلسلہ بحمداللہ ختم ہو گیا

زیارت قبور کے لیے شد رحال

عوام میں مروج ہے کہ بزرگوں اور استھانوں کی زیارتوں کے لیے دور دراز کے سفر کرتے ہیں۔ اور حج کے شعائر کی طرح ان زیارتوں کی پابندی کرتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

والحق عندی ان القبر و محل عبادۃ ولی من الاولیاء والطور کل ذلک سواء فی النھی واللہ اعلم۔ (حجۃ اللہ ص ۱۵۳ ج ۱)	حق یہ ہے کہ قبر ولی کی عبادت گاہ اور طور پہاڑ وغیرہ بھی ہیں برابر ہیں کسی کے لیے بالاستقلال سفر درست نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شد رحال سے منع فرمایا ہے۔" اھ

زیارت پسند دیوبندی اور بریلوی حضرات اس مسئلہ میں بری طعن آمیز گفتگو کرتے ہیں لیکن شاہ صاحب وہی فرماتے ہیں جو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور دوسرے ائمہ توحید نے فرمایا ہے۔

وضو کے نواقض

وضو کے نواقض میں فقہاء مختلف ہیں شاہ صاحب کی رائے یہ ہے:

واصل موجب الوضوء الخارج من السبیلین وماسوی ذلک محمول علیہ (حجۃ اللہ ص۱۳۹ ج ۱)	وضو ٹوٹنے کا اصل سبب وہی ہے جو سبیلین سے نکلے۔ باقی اس پر محمول ہیں۔

وتر

وتروں کے متعلق اختلاف ہے۔ فقہائے حنفیہ واجب کہتے ہیں۔ اور ائمہ حدیث سنت۔ شاہ صاحب کی رائے یہ ہے:

والحق ان الوتر سنۃ ھو اوکد السنن	وتر سنت موکدہ ہے۔ حضرت علیؓ

بینہ علی وابن عمر وعبادۃ الصامت (حجۃ اللہ ص۱۳ ج۲)	ابن عمر اور عبادہ بن صامت سے یہی منقول ہے۔

قنوت

فقہاء احناف قنوت کو وتروں میں واجب سمجھتے ہیں اور شوافع صبح کی نماز میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

واختلفت الاحادیث و مذاهب	صبح کی قنوت کے متعلق احادیث میں اور
الصحابۃ والتابعین فی قنوت الصبح	صحابہ اور تابعین کے مذاہب مختلف ہیں
وعندی ان القنوت وترکہ سیان	شاہ صاحب فرماتے ہیں، قنوت پڑھنا
ومن لم یقنت الاعند حادثۃ عظیمۃ	نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں۔ اور اہم حادث
اوکلمات یسیرۃ اخفاء قبل الرکوع	پر چند کلمات پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے
احب الی لان الاحادیث شاھدۃ علی	کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ قبیلہ رعل
ان اللہ دعا علی رعل وذکوان کان اولاً	و ذکوان پر بددعا ترک کردی گئی۔ اس
ثم ترک وھذا ان لم یدل علی نسخ	سے گو علی الاطلاق قنوت کا ترک ثابت
مطلق القنوت لکنھا تومی الی ان	نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے یہ واضح ہے کہ
القنوت لیس سنۃ مستقرۃ۔ اھ	یہ مستقل اور دائمی سنت نہیں۔

(حجۃ اللہ ص۹۔ ج۲)

جمع بین الصلاتین

عذر کی وجہ سے نماز جمع کرنے کے متعلق ائمہ میں اختلاف ہے۔ فقہائے احناف نہ جمع تقدیم کے قائل ہیں نہ جمع تاخیر کے اور جمع صوری دراصل جمع ہی نہیں بلکہ جمع کی صورت ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں نماز کے دراصل تین ہی وقت ہیں۔ عصر ظہر سے نکال لی گئی اور عشاء مغرب سے اخذ کرلی گئی۔ تاکہ دونمازوں میں فاصلہ کم ہو اور نیند سے پہلے ہی ذکر سے غفلت نہ ہو۔

فشرع لهم جمع التقديم والتاخير لكنه لم يواظب عليه ولم يعزم عليه مثل ما فعل فى القصر اھ (حجة الله ص۱۶۳ ج۲)	شارع حکیم علیہ السلام نے جمع تقدیم اور تاخیر دونوں کی اجازت دے دی لیکن نہ اس پر ہمیشگی کا حکم دیا نہ اس پر تاکید فرمائی جیسے نماز قصر کے لیے تاکید نہیں فرمائی۔

تکبیرات عیدین

عید کی تکبیرات اور نماز عید کی ترتیب میں فقہائے احناف اور فقہائے اہل حدیث میں اختلاف ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

يكبر فى الاولى سبعا قبل القراءة و الثانية خمسا قبل القراءة وعمل الكوفيين ان يكبر اربعا كتكبير الجنائز فى الاولى قبل القراءة وفى الثانية خمسا بعدها وهما سنتان وعمل الحرمين ارجح اھ (حجۃ اللہ ص۲۳ ج۲)	پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے (طریقہ اہل الحرمین) علماء کوفہ کا خیال ہے کہ جنازہ کی طرح پہلی میں چار تکبیرات قرأت سے پہلے اور دوسری میں پانچ قرأت کے بعد اور اہل حرمین کا عمل راجح اور بہتر ہے۔

دہ دردہ پانی

فقہائے حنفیہ اور فقہائے شوافع میں ماء کثیر کے متعلق اختلاف ہے۔ متاخرین فقہائے احناف اس کی مقدار دہ دردہ فرماتے ہیں۔ اور شوافع قلتین بتاتے ہیں۔ پھر اگر کنواں پلید جائے تو اسے پاک کرنے کے لیے ڈولوں کی مقدار کے متعلق عجیب قیاسی گھوڑے دوڑائے ہیں شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

وبالجملة ليس فى هذا الباب شئ يعتد به ويجب العمل به (حجۃ اللہ ص۱۷۱ ج۱)	ان مسائل میں کوئی واجب العمل اور قابل اعتماد چیز نہیں ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

وقد اطال القوم فی فروع موت الحیوان فی البیر والعشر فی العشر والماء الجاری لیس فی کل ذالک حدیث عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (حجۃ اللّٰہ ص۱۸۲ ج ۱)	کنوئیں میں جانور مرنے اور دہ دردہ اور ماء جاری کے مسایل میں علماء نے طویل گفتگو ئیں کی ہیں۔ لیکن ان میں کسی کے متعلق بھی قطعاً کوئی حدیث نہیں ہے۔

حجۃ اللّٰہ، مصفیٰ اور مسوّیٰ میں اور بھی کئی فروعی مسائل ہیں جن میں شاہ صاحب نے نہایت ہی وسعت ظرف سے اپنا رجحان فقہائے حدیث اور شوافع کی طرف فرمایا ہے جس سے ظاہر ہے کہ خشک حنفیت اور جامد عصبیت کو شاہ صاحب قطعاً پسند نہیں فرماتے۔ اور نہ ہی قدماء احناف میں اس قسم کا جمود پایا جاتا تھا۔ یہ جمود چوتھی صدی سے شروع ہو کر آٹھویں نویں صدی تک عروج پر پہنچا۔ بدعت سے روکنے کی اصل راہ اتباع سلف ہے۔ ایمہ کی تقلید نے بھی بدعت کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عقیدت مندی کا جمود آ گیا۔ اتباع سلف اور صحابہ کی مختلف رائیں اور ان کے فتووں میں مصالح کی بنا پر تنوع ہے اس لیے وہاں جمود نہیں آ سکتا۔

چار مصلے

برقوق چرکسی نے حرم بیت اللّٰہ میں ایمہ اربعہ کے نام سے چار مصلّے قایم کیے تھے۔ غالباً یہ عمل ۸۰۰ھ کے پس و پیش میں ہوا۔ اس وقت بھی علمائے حق نے اس تفریق کی مخالفت کی لیکن حکومت اس تفریق کے احترام پر مصر رہی۔ یہ تفریق یہاں تک بڑھی کہ علی العموم ایک دوسرے کی اقتدار متروک ہو گئی۔ حنفی جماعت ہو رہی ہو تو شوافع اور حنابلہ بے پروا ہو کر بیٹھے رہتے۔ گویا یہ اذان اور نماز ان کے لیے قائم ہی نہیں ہوئی۔ یہی حال ان کے ساتھ احناف کرتے۔ حرم کعبہ میں اس بدعت کے احداث[1]

---

[1] شکر ہے کہ بیت اللّٰہ کی جدید تعمیر میں سلطان سعود بن عبد العزیز نے یہ مصلے بالکل ختم کر دیے ہیں۔ اب لوگ ایک ہی امام کی اقتدا کرتے ہیں، مختلف جماعتیں متعین ہو نہیں۔ اب یہ بدعت ختم ہو گئی والحمد للّٰہ رب العالمین ۱۲

سے ساری دنیائے اسلام میں اس کا اثر ہوا ائمہ کے اتباع ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

وخدائے تعالیٰ بے خبر نیست از آنچہ در زمان آئندہ عمل خواہید کرد و از راہ بدعت یک یک جہت از جہات کعبہ تقسیم خواہید و در ترجیح و تفضیل جہت مختار خود ہر کس خواہد آورد مثلاً حنفیہ جہت جنوب را اختیار خواہند کرد و امام ایشان جانب شمال کعبہ خواہند ایستاد و در مقام خواہند گفت کہ قبلۂ ما قبلۂ ابراہیمی است زیرا کہ آنجناب جانب میزاب متوجہ می شدند۔ و شافعیہ مغرب را اختیار خواہند کرد و امام ایشان در شرق کعبہ خواہد استاد و در مقام فخر خواہند گفت ما استقبال باب کعبہ می نمائیم و قبلہ ما قبلہ منصوصہ است

اھ (تفسیر فتح العزیز صہ ۵۴۲ ج ۱)

"اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم آئندہ ایک بدعت کروگے اور اطراف کعبہ کو تقسیم کرکے اس پر فخر کروگے۔ احناف جنوب کی طرف کھڑے ہوں گے ان کا رخ شمال کی طرف ہوگا وہ فخر کریں گے کہ ہمارا قبلہ ابراہیمی ہے۔ شوافع مغرب کی طرف کھڑے ہو کر مشرق کی طرف رخ کریں گے اور فخر سے کہیں گے کہ ہمارا قبلہ میزاب کے سامنے ہے یہی سمت منصوص ہے۔"

شاہ صاحب ان مصلوں کی تقسیم کو بدعت سمجھتے ہیں۔ اور اسلام میں اس تقسیم کو ناپسند فرماتے ہیں۔

ائمہ کی تقلید اور ان کی اطاعت کا مسئلہ اپنی جگہ پر قابل بحث ہے اگر مروجہ تقلید کے جواز میں کوئی سہارا مل بھی جائے تو ائمہ رحمہم اللہ کے نام پر یہ تفریق کبھی درست نہیں ہوسکتی یہ توقع جیسے مسرف بادشاہ سے یہی امید ہوسکتی تھی۔ تفریق بین المومنین کا مزید بوجھ اس کی گردن پر ہوگا۔ اور اسی طرح ان علماء پر جنہوں نے اسے سند جواز عطا کی۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

شاہ صاحب کا مقصد

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ جمود غلط ہے تو پھر صحیح کیا ہے؟ شاہ صاحب موجودہ حالات میں کیا تبدیلی چاہتے ہیں؟ قیاس اور رائے پرستی بھی انہیں پسند نہیں اور ظواہر پرستی بھی ان کی نگاہ میں معیوب ہے تو پھر وہ کیا ہے جسے پسند کیا جائے؟ اس معاملہ میں شاہ صاحب اپنا عندیہ حلف مؤکد کے ساتھ بڑے بسط سے بیان فرماتے ہیں:

واشهد لله بالله انه كفر بالله ان يعتقد في رجل من الامة ممن يخطئ ويصيب ان الله كتب علي اتباعه حتما وان الواجب علي هو الذي يوجبه هذا الرجل علي ولكن الشريعة الحقة قد ثبتت قبل هذا الرجل بزمان قد وعاها العلماء واداها الرواة وحكم بها الفقهاء وانما اتفق الناس علي تقليد العلماء علي معنى انهم رواة الشريعة عن النبي صلى الله عليه وسلم وانهم علموا ما لم نعلم وانهم اشتغلوا بالعلم ما لم نشتغل فلذلك قلدوا العلماء فلو ان حديثا صح وشهد بصحته المحدثون وعمل به طوائف وظهر فيه الامر ثم لم يعمل به هولاء لان متبوعه لم يقل به فهذا هو الضلال البعيد اھ

(تفہیمات ص۲۱ ج ۱)

میں اللہ کے لیے اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ امت میں کسی ایسے آدمی کے متعلق جو غلطی بھی کرتا ہو اور صحیح بھی کہتا ہو یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی اطاعت ضروری ہے اور جسے وہ واجب کہے اسے واجب سمجھنا ضروری ہے۔ یہ قطعاً کفر ہے۔ کیونکہ شریعت اس شخص سے مدتوں پہلے سے موجود ہے۔ علماء نے اسے حفظ اور ضبط کیا اور رواۃ نے اسے بیان کیا۔ فقہاء نے اس کے مطابق فیصلے فرمائے۔ لوگوں نے علماء کی تقلید کو صرف اس لیے متفقہ طور پر قبول کیا کہ وہ درحقیقت شریعت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ اور علم ان کا مشغلہ ہے اور وہ ہم سے زیادہ جانتے ہیں لیکن اگر حدیث صحیح ہو، محدثین اس کی صحت کے شاہد ہوں، عامۃ المسلمین نے اس پر عمل کیا ہو، معاملہ واضح ہو چکا ہو پھر اس پر صرف اس لیے عمل نہ کیا جائے کہ امام یا متبوع نے اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا بہت بڑی گمراہی ہے۔"

شاہ صاحب کا ارشاد کسی حاشیہ آرائی کا محتاج نہیں۔ وہ تقلید کے صرف اس حد تک قایل ہیں۔ کہ اہل علم کتاب وسنت سے روایت کرتے ہیں۔ علمی مشاغل کی وجہ سے ان کی معلومات زیادہ ہیں۔ عوام ان کے معلومات سے استفادہ کر سکیں۔ صحیح حدیث کا علم جب صحیح ذرائع سے پہنچ جائے تو علماء کے ساتھ تقلیدی وابستگی کا تعلق یکسر ختم ہو جائے گا اور حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے کسی عالم کے لیے تعصب یا اس

کی جماعت کے لیے تاویل کے دروازوں کا کھول دینا۔ شاہ صاحب کی نگاہ میں بہت بڑی گمراہی ہے۔ اس انداز کو وہ کسی طرح بھی پسند نہیں فرماتے:۔

○

اس مقصد کے لیے دوسری راہ

شاہ صاحب کی تجویز یہ ہے کہ اس فقہی جمود کو توڑنے کے لیے مختلف مسالک کو باہم آمیز کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ مصالح اور ان کے تقاضوں کی روشنی میں بعض مسائل میں حنفی مسلک فکر اختیار کیا جائے اور بعض میں شافعی مسلک کو قبول کر لیا جائے۔ فرماتے ہیں:

ونفث فی قلبی داعیة من جهة الملأ	ملاء اعلیٰ کی طرف سے میرے دل میں ڈالا گیا
الاعلیٰ تفصیلها ان مذهب ابی حنیفة و	ہے کہ امام ابوحنیفہ رح اور امام شافعی رح دونوں
الشافعی هما مشهوران فی الامة المرحومة	ائمہ کے مذاہب امت میں مشہور ہیں اور کثرت
وهما اكثر المذاهب تبعا وتصنيفا وكان	اتباع اور کثرت تصنیف کے لحاظ سے مشہور
جمهور الفقهاء والمحدثين والمفسرين	ہیں اور جمہور فقہاء اور محدث، مفسر اور متکلم
والمتكلمين والصوفية متمذهبين بمذهب	اور صوفی شافعی مذہب کے پابند تھے اور اکثر
الشافعی وجمهور الملوك وعامة اليونان	بادشاہ اور یونان کے رہنے والے حنفی مسلک
متمذهبين بمذهب ابی حنيفة وان	کے پابند تھے۔ اور ملاء اعلیٰ کی نظر میں حق اور
الحق الموافق لعلوم الملأ الاعلیٰ اليوم	صحیح یہ ہے کہ ان دونوں مذاہب کو ایک جا کر دیا
ان يجعلا كمذهب واحد يعرضان	جائے۔ اور دونوں مذاہب کی جزئیات کو کتب حدیث
علی الكتب المدونة فی حديث	پر پیش کیا جائے۔ اور معلوم ہے کہ دونوں مذاہب
النبی صلی الله عليه وسلم من الفريقين	کے اہل علم نے فن حدیث میں تصنیفات کی ہیں
فما كان موافقا بها يبقی وما لم	جو مسائل حدیث کے موافق ہوں قبول کر لیے
يوجد اصله يسقط الخ	جائیں اور جن کا اصل حدیث سے نہیں ہے
(تفہیمات ص۲۱۲ ج ۱)	انہیں کلیتہً ساقط کر دیا جائے اور نقد و نظر کے

بعد جن مسائل میں اتفاق پیدا ہو جائے۔ انہیں دائموں میں نظام لیا جائے۔ اگر اختلاف ہو تو انہیں دونوں تصور کر لیا جائے اور دونوں پر عمل صحیح سمجھا جائے۔ یہ اختلافات قراءت قرآن کی طرح سمجھا جائے یا رخصت اور عزیمت پر محمول کیا جائے یا تنگی سے نکلنے کے لیے دو راہیں اختیار کر لی جائیں۔ یا دونوں کو مباح سمجھا جائے اور معاملہ اس سے آگے نہیں جانا چاہیئے"۔

شاہ صاحب نے حنفیت کی کثرت ہندوستان میں دیکھی۔ اور شوافع کی کثرت انہیں حجاز میں نظر آئی۔ اس لیے انہوں نے ان دونوں میں اتحاد کی ضرورت کو محسوس فرمایا۔ اگر شاہ صاحب نجد اور سوڈان میں حنبلیہ اور مالکیہ کو ملاحظہ فرما لیتے۔ تو ان ہی وجوہ کی بنا پر ان کو بھی ان کے ساتھ ملا دیتے اور ان کے ساتھ اتحاد کو ضروری سمجھتے۔ اگر ان مسالک میں اتحاد دین کے کسی تقاضا کو پورا کر سکتا ہے۔ تو مذاہب اربعہ میں اتحاد کی کوشش اور آرزو یقیناً اس تقاضا کو پورا کرے گی۔ اور شاہ صاحب ان مصالح کو اسلام کی روح تصور فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقہی افکار کا جمود شاہ صاحب کے ذہن پر ایک بوجھ ہے جس کے لیے وہ بے حد متفکر ہیں۔ طلباء کو نصیحت اور علوم دین اور علوم دنیا میں تمیز فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

خضتم کالخوض فی استحسانات
الفقهاء من قبلکم و تفریعاتهم
اما تعرفون ان الحکم ما حکم الله
ورسوله ورب انسان منکم یبلغه
حدیث من احادیث نبیکم فلا
یعمل به و یقول انما العمل به مذهب
فلان لا علی الحدیث ثم احتال
بان فهم الحدیث والقضاء به من
شان الکمل المهرة وان الائمة
لم یکونوا ممن یخفی علیهم هذا
الحدیث فما ترکوه الا لوجه ظهر لهم

تمہاری توجہ پوری طرح فقہا کے استحسانات اور تفریعات کی طرف ہے اور تم نہیں جانتے کہ در حقیقت حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور رسول کا اور تم میں سے بہت سے لوگوں کو آنحضرت کی حدیث پہنچ جاتی ہے لیکن وہ اسے اس لیے قابل عمل نہیں سمجھتا کہ اس کا عمل فلاں مذہب پر ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنا تو ماہرین اور اصحاب کمال کا کام ہے اور ایمہ پر کوئی چیز مخفی نہ تھی۔ ان کو اس حدیث کا علم ضرور ہوا ہوگا۔ اور کوئی وجہ از قسم نسخ اور

فی الدین من تعنت و مرجوحیۃ۔ اھ	مرجوحیت ضرور ہوگی۔ ورنہ وہ ضرور اس پر
(تفہیمات ج ۱ ص ۲۱۴)	عمل کرتے۔

شاہ صاحب ائمہ کا احترام فرماتے ہیں، لیکن ان کی علمی وسعت کے باوجود ان پر اس طرح اعتماد اور حسن ظن کو پسند نہیں فرماتے جس سے صحیح حدیث کو نظر انداز کرنے کی نوبت آجائے۔ مروجہ تقلید میں یہی عیب ہے جو شاہ صاحب کے ذہن میں کھٹک رہا ہے۔ وہ طلبار کو نصیحت فرماتے ہیں کہ حدیث کے متعلق انہیں اس سطح سے اونچے ہو کر غور کرنا چاہیئے۔

شاہ صاحب کا اپنا مسلک:

سابقہ نظریہ سے ظاہر ہے کہ شاہ صاحب ضروری سمجھتے ہیں کہ عوام علمار کی اطاعت و اتباع کریں لیکن نہ اس میں پیغمبر کی طرح کسی شخص کا تعین ہو اور نہ جمود کی روح سرایت کرنے پائے۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور مصفی میں اہل حدیث اور اہل الرائے کا ذکر فرمایا ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی نظر میں ائمہ کوفہ کے سوا باقی ائمہ اہل حدیث ہیں، وہ اپنے اساطین اور اساتذہ کے قواعد کی بجائے استدلال اور اجتہاد کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھتے ہیں لیکن جہاں تک عوام شوافع، موالک اور حنابلہ کا تعلق ہے، وہ بہرکیف وہی کچھ ہیں جو شاہ صاحب کو کسی طرح بھی پسند نہیں۔ وہاں جمود بھی ہے اور عصبیت بھی۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد (ابن العربی) کے مقام کی رفعت کو دیکھیئے اور امام شافعی کے متعلق ان کے لب و لہجہ کی تلخی کو دیکھیئے (ملاحظہ ہو ان کی احکام القرآن) تعصب کے سوا اس کی اور کیا تعبیر ہو سکتی ہے اور تمام مذاہب میں یہ عصبیت اور تلخی تقریباً ملتی ہے۔

اس لیے شاہ صاحب نے سابقہ نظریہ پر عمل کے لیے ایک اور راہ اختیار فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اس کے سوا کوئی دوسری راہ ہے بھی نہیں۔ شاہ صاحب المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ میں فرماتے ہیں:

"وصیت اول ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل و پیوستہ تدبر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن و اگر طاقت خواندن ندارد ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن و در عقاید مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردن و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردند اعراض نمودن و بہ تشکیکات معقولیان خام التفات نکردہ و در فروع

پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن ۔ وآنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا حاصل نیست و سخن متقشفہ فقہا کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن و بدیشاں التفات نہ کردن و قربت حق جستن بدوری ایشاں ۔ (تفہیمات ج ۲ ص ۲۴۰)

تھوڑا بہت جاننے والوں کے لیے تو فقہاء و محدثین ہی کی راہ صحیح ہو سکتی ہے البتہ عوام کو ضرورت کے وقت حنفی اور شافعی کو کم از کم ملا لینا چاہیئے۔ اور کم از کم ان دونوں فقہوں سے جو بھی اوفق بالکتاب والسنۃ ہو اختیار کر لینا چاہیئے۔

ونحن ناخذ من الفروع ما اتفق علیہ العلماء لاسیما ھاتان الفرقتان العظیمتان الحنفیۃ والشافعیۃ وخصوصا فی الطھارۃ والصلوٰۃ فان لم یتیسر الاتفاق واختلفوا فناخذ بما یشھد لہ ظاھر الحدیث ومعروفہ ۔ اھ

ہم فروعی مسائل میں ان مسایل پر عمل کی کوشش کرتے ہیں جن پر علماء متفق ہوں۔ خصوصاً دو بڑے گروہ حنفی اور شافعی۔ طہارت اور نماز کے مسایل میں یہ طریقہ اور بھی پسندیدہ ہے اگر اس میں اتفاق نہ ہو سکے تو جو ظواہر حدیث کے موافق ہو ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔

(تفہیمات ج ۲ ص ۲۰۷)

آج کل کی الجھنوں اور ان کے پس منظر کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہندوستان میں مسلک اہل حدیث کا مقصد اسی نوعیت کا اتفاق تھا۔ جسے فرقہ وارانہ عصبیت نے ہیبت ناک صورت دے دی۔ آج ایک آزاد ملک میں تقلید شخصی اور فقہی جزئیات پر زور دیا گیا یا حکومت پر یہ زور دیا گیا کہ وہ صرف حنفیت کو اسلام کا مرادف سمجھے تو اس کے نتائج اسلام کے لیے اور مسلمانوں کے لیے اچھے نہیں ہوں گے۔ فتاویٰ عالمگیری اپنے وقت کا بہت بڑا دینی اور علمی کارنامہ ہے جس کی تشکیل اور تاسیس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب بھی شامل تھے۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی دور اندیش نگاہ آنے والے فتنوں کے لیے اسے کافی نہیں سمجھتی۔ وہ ان فقہی استحسانات کو دین اور شریعت کا نام دینا اور اصول فقہ کو شرعی دستاویز قرار دینا پسند نہیں کرتے۔ ان کا منشا یہ ہے کہ مذاہب

اربعہ کے علاوہ فقہاء محدثین کی مساعی کو بھی ان کے ساتھ ملا کر ملک میں ایک ایسے فقہی مکتب فکر کی بنیاد رکھی جاتے جس میں نہ حافظ ابن حزم کی ظاہریت ہو جس سے نصوص میں بھدا پن پیدا ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی فصاحت وبلاغت اور حسن ادا نظر انداز ہو جائے۔ اور نہ ہی قیاس اور رائے کو اس قدر اہمیت حاصل ہو کر قوت فیصلہ علماء کی موشگافیوں اور حیل آفرینیوں کے ہاتھ میں چلی جاتے۔ اور نصوص شرعیہ اس حیران کن منظر میں صرف تماشائی ہو کر رہ جائیں۔ جیسے متاخرین فقہا نے فرضی صورتوں سے دین کا نیا محل تعمیر فرما دیا (قاضی خان، شامی، الاشباہ والنظائر ان کے سامنے ان علوم کی اور ہمہ گیر تعلیمات سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئیں۔

○

ایک بہت بڑا مغالطہ اور اہل حدیث:

کچھ مدت سے عوام میں ایک مغالطہ کی اشاعت ہو رہی ہے اور اچھے سنجیدہ اور پڑھے لکھے حضرات کو اس میں مبتلا پایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:

اہل حدیث کوئی مکتب فکر نہیں۔ بلکہ حفاظ حدیث اور اس فن کے ماہرین کو اہل حدیث کا نام دیا گیا ہے۔

اس مغالطہ کی حمایت ہمارے ملک کی بعض تحریکات نے بھی کی ہے اور بعض کم سواد حضرات نے بھی اپنی تحریروں میں اس خیال کا اظہار فرمایا۔ اس کے دو ہی سبب ہیں۔ قلت مطالعہ یا پھر تعصب کے ساتھ سیاہ دلی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ فن حدیث اور اس کے حفظ وضبط کا دل پسند مشغلہ مذاہب اربعہ میں رہا ہے اور ان مکاتب فکر کے علمائے فن حدیث اور اس کے خوادم فن رجال اصول حدیث وغیرہ کی خدمت کی لیکن یہ حضرات اس خدمت کے باوجود فہم حدیث کے معاملہ میں اپنے پیش رو امام ہی کے انداز سے سوچتے ہیں۔ جیسے حافظ طحاوی، علامہ ترکمانی، حافظ بیہقی، حافظ بدر الدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، یہ حضرات حدیث کی بہترین خدمت کے باوجود طریق فکر کے لحاظ سے یا حنفی ہیں یا شافعی۔ اسی طرح موالک اور حنابلہ میں بھی ایسے خدام حدیث موجود ہیں۔ جو فکر کے لحاظ سے مالکیت یا حنبلیت کے پابند ہیں۔ وہ احادیث کے مفہوم کو سوچتے وقت اپنے ائمہ کی حدود فکر سے آگے نہ بڑھ سکے۔

بلکہ ان کے تحقیقی ارشادات پر غور فرمائیے تو اپنے مخالفین کے خلاف بعض اوقات خاصا تشدد نظر آئے گا اس کے باوجود وہ حدیث کے خادم ہیں۔

اہل حدیث مکتب فکر

لیکن اہل حدیث مکتب فکر اس سے بالکل مختلف ہے یہ وہ جماعت ہے جو اپنے افکار میں ان شخصی پابندیوں سے آزاد ہے وہ مجتہد ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ شخصی اجتہادات کے پابند نہیں بلکہ ان بزرگوں کے لیے مواد اور دلایل فراہم فرماتے ہیں۔ خود بھی پیش آمدہ مسایل پر کتاب اللہ اور سنت اور ایمہ سلف کے ارشادات کی روشنی میں غور فرماتے ہیں۔ ایمہ اربعہ کے اجتہادات سے موافقت ہو یا مخالفت اس کے لیے وہ چنداں فکرمند نہیں ہوتے بلکہ ان کی نظر مصالح پر ہوتی ہے۔

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ میں ایک باب کا عنوان ہی یہ رکھا ہے

باب الفرق بین اهل الحدیث واهل الرای

عنوان سے ظاہر ہے کہ دو مکتب فکر کا تذکرہ ہوگا۔

پھر اہل حدیث کے چند اصول[1] ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں

فان عجزوا عن ذلك ايضاً تاملوا فى عمومات الكتاب والسنة وايماءاتها واقتضاءاتها وحملوا نظير المسئلة عليها فى الجواب اذا كانتا متقاربتين بادى الراى لايتعمدون فى ذلك على قواعد من الاصول ولكن على ما يخلص الى الفهم ويثلج به الصدر كما انه ليس ميزان التواتر عدد الرواة ولا احوالهم	اگر سابقہ اصولوں کے مطابق مسئلہ طے نہ ہوسکے تو کتاب و سنت کے ارشادات و اقتضاآت کو دیکھتے ہیں۔ اور پیش آمدہ مسئلہ کے نظایر اور ان کے حکم پر غور کرتے ہیں اور جواب تلاش کرتے ہیں۔ جب وہ نظایر صراحۃً متقارب ہوں تو اصول فقہ کے قواعد کو چنداں ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ قلبی سکون اور طمانیت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ جیسے تواتر میں

---

[1] ان اصول کا ذکر شروع میں آچکا ہے جماعت اسلامی اور اس کے ہمدرد حضرات نے گذشتہ ایام میں اس مغالطہ کی کافی اشاعت فرمائی تھی ممکن ہے جماعت کے لیے یہ مغالطہ مفید ہو علمی اور تحقیقی طور پر یہ قطعاً غلط ہے تاریخی شواہد اس کے خلاف ہیں ۱۲

ولكن اليقين الذي يعقبه في قلوب الناس — اصل چیز عدد روات نہیں بلکہ اصل چیز یقین

كما نبهنا على ذلك في بيان حال الصحابة — اور اطمینان ہے۔

حجۃ اللہ ج ۱ ص ۱۵۱،

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اہل حدیث محض فن کے حفاظ کا نام نہیں بلکہ ان کے نزدیک فہم و استدلال کے لیے کچھ اصول ہیں جو کتاب و سنت ہی سے ماخوذ ہیں وہ تقلیدی نہیں بلکہ ان میں یقین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے

پھر ص ۱۵۹ ج ا میں فرماتے ہیں۔ "میں نے سُنا ہے کہ گروہ صرف دو ہیں۔ اہل ظاہر اور اہل الرائے تیسرا کوئی گروہ نہیں جو بھی قیاس کرے اور استنباط کرے وہ اہل الرائے ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ اور رائے سے مراد عقل اور فہم نہیں کیونکہ اس کے سوا تو اہل علم کے لیے کوئی چارہ ہی نہیں اور نہ ہی اس سے وہ رائے مراد ہے جس کا کتاب و سنت سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ یہ تو کوئی مسلمان پسند ہی نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی رائے استنباط اور قیاس پر قدرت کا نام ہے۔ کیونکہ امام احمد اسحاق بلکہ امام شافعی قیاس اور استنباط فرماتے ہیں لیکن وہ بالاتفاق اہل الرائے نہیں ہیں۔ بلکہ اہل الرائے سے مراد وہ حضرات ہیں جو اجماعی اور جمہور ایمہ میں متفقہ مسایل کے علاوہ متقدمین سے کسی متعین بزرگ کے اصول پر استنباط اور تخریج فرماتے ہیں اور نظایر کو نظایر پر محمول فرماتے ہیں اور معینہ اصولوں کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور اس کے لیے احادیث اور آثار کے تتبع کا تکلف نہیں فرماتے۔ اور ظاہری علماء حافظ ابن حزم اور داؤد ظاہری حضرات قیاس اور آثار دونوں کو حجت نہیں سمجھتے اور محققین اہل سنت، اہل الرائے اور اہل ظاہر کے بین بین ہیں۔"

شاہ صاحب کے اس ارشاد سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ اہل حدیث صرف اہل فن نہیں بلکہ یہ ایک مکتب فکر ہے۔

۲۔ فقہائے کوفہ کے علاوہ باقی ائمہ اجتہاد اہل حدیث ہی سے تعلق رکھتے ہیں ان کے اتباع اور مقلدین کو اہل حدیث نہ کہلا سکیں۔

۳۔ اہل حدیث قیاس جلی اور نظائر کے حکم کو مانتے ہیں اور اجتہاد و استنباط کے قایل ہیں۔

۴۔ اہل حدیث اور اہل ظاہر دو مختلف فکر ہیں اور اہل الرائے ان دونوں سے الگ ہیں۔

۵۔ اہل حدیث کتاب وسنت کے علاوہ صحابہ اور سلف کے ارشادات کو اصل سمجھتے ہیں۔ اور اس پر اپنے فہم اور استنباط کی بنیاد رکھتے ہیں۔

۶۔ اہل الرائے مسایل کے استنباط میں مخصوص اہل علم کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ کتاب وسنت ان کے پیش نظر نہیں ہوتے۔

۷۔ اہل حدیث مکتب فکر اہل الرائے اور اہل ظاہر کے علاوہ ہے۔

شاہ صاحب نے اس قسم کی تصریحات حجۃ اللہ کے علاوہ تفہیمات و انصاف، عقد الجید وغیرہ میں بھی فرمائی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ، تفسیر فتح العزیز میں اسی موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ صراط مستقیم میں حضرت سید احمد شہید نے بھی جمود اور مروجہ تقلید کے متعلق کافی وضاحت فرمائی ہے۔ ان تصریحات کی تائید شاہ اسماعیل شہید نے بھی فرمائی ہے۔ علامہ شوکانی نے القول المفید میں بقدر ضرورت تفصیل کے ساتھ ائمہ حدیث کے مسلک کی وضاحت فرمائی ہے۔

ایقاظ ھمم اولی الابصار میں امام یحییٰ فلانی بھی محدثین کے مسلک کی تائید فرمائی ہے۔

ابن عبدالبر نے "جامع بیان العلم وفضلہ" میں اہل الرائے اور اہل حدیث کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور مسلک اہل حدیث کو راجح اور صحیح تصور کیا ہے۔ ان کی تصریحات کے لیے دقت اور کسی دوسری صحبت کی ضرورت ہے۔ حقیقت پسند آدمی ان تصریحات کا مطالعہ کرے تو اسے یقین ہوگا کہ اہل حدیث محض حفاظ حدیث کا نام نہیں بلکہ ان حضرات کا طریق فکر ہے جس پر تفقہ اور اجتہاد کی بنیاد کتاب وسنت اور سلف امت کے ارشادات پر رکھی گئی ہے۔ تقلید شخصی اور جمود کے لیے اس مسلک میں کوئی مقام نہیں۔

شہرستانی (۵۴۸ھ) دور جمود کے آغاز سے بہت قریب ہیں۔ فرق اور مذاہب کے اجتماع اور افتراق پر ان کی نظر غایر اور وسیع ہے۔ ان کی کتاب الملل والنحل اس موضوع کی مستند دستاویز شمار کی جاتی ہے، ان کی تصریحات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل حدیث ایک مکتب فکر ہے۔ جسے فقہی مکاتب میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ محض حدیث کی خدمت کا نام نہیں

ثم المجتھدون من ائمۃ الامۃ محصورون   ائمہ مجتہدین کی دو ہی قسمیں ہیں اصحاب الحدیث

في صنفين لا يعدوان الى ثالث اصحاب الحديث واصحاب الرأي. اصحاب الحديث هم اهل الحجاز واصحاب مالك بن انس واصحاب محمد بن ادريس الشافعي و اصحاب سفيان الثوري واصحاب احمد بن حنبل واصحاب داؤد بن علي بن محمد الاصفهاني وانما سموا اصحاب الحديث لان عنايتهم بتحصيل الاحاديث ونقل الاخبار وبناء الاحكام على النصوص ولا يرجعون الى القياس الجلي والخفي ما وجدوا خبرا او اثرا (ص۲۰۴ ج ۲ بر حاشیہ کتاب الفصل لابن حزم)

اور اصحاب الرائے۔ اصحاب الحدیث کا مسکن حجاز ہے۔ امام مالک اور ان کے تلامذہ، امام شافعی اور ان کے شاگرد، سفیان ثوری اور ان کے رفقاء امام احمد کے ساتھی اور امام داؤد ظاہری کے خدام۔ انہیں اہل حدیث اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی توجہ حدیث اور اخبار کی طرف ہے اور احکام کی بنیاد نصوص پر رکھتے ہیں۔ جب تک حدیث موجود ہو وہ قیاس جلی اور خفی کی پرواہ نہیں کرتے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

اصحاب الرأي وهم اهل العراق هم اصحاب ابي حنيفة النعمان بن ثابت و من اصحابه محمد بن الحسن وابو يوسف يعقوب بن محمد القاضي وزفر بن هذيل والحسن بن زياد اللؤلؤي وابن سماعه وعافية القاضي وابو مطيع البلخي وبشر المريسي وانما سموا اصحاب الرأي لان عنايتهم بتحصيل وجه من القياس والمعنى المستنبط من الاحكام وبناء الحوادث عليها وربما يقدمون القياس الجلي على اخبار الآحاد (شہرستانی صفحہ ۲۰۷ ج ۲)

اہل عراق کو اصحاب الرائے کہا جاتا ہے یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ ہیں انہی میں امام محمد، امام ابو یوسف قاضی زفر، حسن بن زیاد، ابن سماعہ قاضی عافیہ ابو مطیع بلخی اور بشر مریسی وغیرہ شمار ہوتے ہیں، انہیں اصحاب الرائے اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی زیادہ تر توجہ قیاس اور معانی کے استنباط کی طرف ہے اور احکام کی بنا ان قیاس پر رکھتے ہیں۔ اور بسا اوقات قیاس جلی کے سامنے خبر واحد کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

حجۃ اللہ کا مقام "باب الفرق بین اھل الحدیث واھل الرای" شہرستانی کے اسی مقام کی شرح معلوم ہوتی ہے۔ ہمارا مقصد اس وقت اس جہالت آمیز غلط فہمی کی اصلاح ہے جو بعض علمی حلقوں کی طرف سے پھیلائی گئی ہے کہ

"اہل حدیث محض فنی خدمت کا نام ہے"

شہرستانی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں قدیم مکتب فکر ہیں، جو اختلاف کے باوجود ایک دوسرے سے استفادہ کرتے۔ ان کا باہم رد و تردید کا مشغلہ تو رہا ہے مگر کسی نے ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کی۔

شہرستانی کے دونوں اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اصحاب الحدیث ایک مکتب فکر ہے جس نے احادیث کے متون اور اسانید کی حفاظت فرمائی۔ پھر اس پر فقہی تبویب فرمائی۔ فروع اور عقاید کی صحت پر استدلال فرمایا۔ شخصی آراء ارقوال ان کے ہاں کوئی قیمتی چیز نہیں۔ اس لیے فقہائے عراق یا دوسرے فقہاء کی طرح ان لوگوں نے اپنی فقہ ایجاد نہیں فرمائی، تاکہ لوگ اس پر تقلیدی انداز میں اعتماد نہ کرنے لگیں لیکن کتاب و سنت سے استنباط کی راہیں اور قیاس صحیح کے استعمال کی راہ کھولی شخصی آراء پر نصوص شرعیہ کی برتری کو واضح کیا اور فقہ الحدیث کا بہت بڑا ذخیرہ اہل علم کے سامنے رکھ دیا۔

◯

تاریخ کے امام اور تنقید کے مؤسس علامہ عبدالرحمان ابن خلدون ۸۰۸ھ کا ایک اقتباس قابل غور ہے، فرماتے ہیں:

وانقسم الفقه فیهم الی طریقتین طریق اهل الرای والقیاس وهم اهل العراق وطریقة اهل الحدیث وهم اهل الحجاز وکان الحدیث قلیلا فی اهل العراق لما قدمناه فاستکثروا من القیاس ومهروا فیه فلذالك قیل اهل الرای ومقدم جماعتهم الذی استقر المذهب فیه وفی اصحابه ابوحنیفة (مقدمه ابن خلدون ص۳۸۹)

"فقہ کی دو قسمیں ہو گئیں۔ فقہ اہل الرائے جن کا مرکز عراق ہے۔ اور فقہ اہل الحدیث جن کا مرکز حجاز ہے اہل عراق میں حدیث کا چرچا کم تھا اور وہ قیاس میں ماہر تھے ان کے امام حضرت امام ابوحنیفہ رح ہیں۔"

ابن خلدون کا تاریخی مقام پڑھے لکھے لوگوں سے مخفی نہیں۔ ان کے اس ارشاد سے ظاہر ہے۔ کہ اہل حدیث کو محض حفظ حدیث تک محدود رکھنا تاریخ سے بہت بڑی بے خبری ہے۔ یا عصبیت کی وجہ سے دیانت میں نقص۔

اسی طرح ایک اقتباس علامہ المنصور عبدالقاہر البغدادی (۴۲۹ھ) کا گذر چکا ہے۔
علامہ کاتب چلپی کی نظر اصحاب مذاہب اور ان کی تصنیف پر جس قدر ہے۔ وہ ان کی کتاب کشف الظنون سے ظاہر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

واکثر التصانیف فی اصول الفقہ لاھل الاعتزال المخالفین لنا فی الاصول ولاھل الحدیث المخالفین لنا فی الفروع (کشف الظنون ص۹۰، ابجد العلوم ج ۱ ص ۳۲۵)

معلوم ہے جو لوگ اصول فقہ میں اصحاب التصانیف ہیں۔ وہ محض الفاظ کے حافظ نہیں۔ وہ فہم الفاظ میں بھی تحقیقی نظر رکھتے ہیں۔ ان کی اصول فقہ پر دقیق نظر ہے۔ اس لیے انہیں فن کار کہنا کسی فن کار ہی کا کام ہے۔ کوئی عالم یہ جرأت نہیں کر سکتا۔

اہل حدیث اور متکلمین:

دوسری صدی میں صفات باری کے متعلق فلاسفہ اور متکلمین نے جو دھاندلی مچائی تاریخ مذاہب کے غواص اس سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس دور میں اہل حدیث نے جس پامردی سے ان فتنوں کا مقابلہ کیا وہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے۔ قید و بند کے مصائب اہل حدیث نے جس طرح برداشت کئے وہ ایسی داستان نہیں جسے بھلایا جا سکے یہ ہنگامہ دوسری صدی سے شروع ہو کر تقریباً آٹھویں صدی تک رہا۔
اس دور کے متکلمین اور فقہاء محدثین کی تصانیف میں اہل حدیث کا تذکرہ بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے ارباب تاویل کے سامنے ظواہر نصوص پر اڑنا اور مخالفین سے نمٹنا آسان نہ تھا لیکن اس وقت اہل حدیث نے یہ جنگ بڑی جوانمردی سے لڑی۔ مامون الرشید سے شروع ہو کر متوکل علی اللہ کی حکومت تک ان پر کیا گذری اسے تاریخ کے طالب علم خوب جانتے ہیں۔ اس دور کی ان کتابوں میں یہ مباحث موجود ہیں اہل الحدیث کا تذکرہ جس انداز سے آیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ محض الفاظ کے حافظ اور فن کار نہیں بلکہ ان کی نظر معانی کی روح اور ان کے دور رس عواقب پر نظر ہے۔
حافظ ابن القیم اور ان کے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس معرکہ رستخیز اور اس میدان کارزار

کے بہادر سپاہی ہیں۔ اپنی تصانیف میں ان مباحث کا ذکر فرماتے ہوئے اہل حدیث کا ذکر جس عقیدت سے کرتے ہیں، وہ صرف حفظ الفاظ کی وجہ سے نہیں۔ اعتزال وجہمیت وتشبیہ وتعطیل کے خارزار میں ظواہر نصوص کا ساتھ دینا معمولی بات نہیں۔

حافظ ابن قیم کی کتاب "الکافیہ الشافیہ فی الانتصار للفرقۃ الناجیہ" اس معرکہ کارزار کا رجز ہے جس میں وہ بار بار اہل حدیث کا تذکرہ ان لوگوں میں کرتے ہیں جنہوں نے فلاسفہ اور متکلمین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنت کی حمایت فرمائی، تاویل کی دھاندلیوں سے عامۃ المسلمین کو بچایا۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیے:

لاتبھتوا اھل الحدیث بہ فما ذا قولھم تبا لذی البھتان

اہل حدیث پر بہتان مت لگا بہتان لگانے والوں کی حالت قابل افسوس ہے

ھذا ھو الحشوی لا اھل الحدیث ائمۃ الاسلام والایمان

حشوی در اصل یہ لوگ ہیں۔ اہل حدیث تو اسلام اور ایمان کے امام ہیں

اسماء سمیتم بھا اھل الحدیث وناصری القرآن والایمان

تم نے اہل حدیث کے کئی نام رکھے ہیں اور وہ صرف قرآن اور ایمان کے معاون ہیں

من سبھم اھل الحدیث ودینھم اخذ الحدیث وترک قول فلان

یہ اہل حدیث کو گالیاں دیتے ہیں حالانکہ ان کا مذہب حدیث ہے اور اقوال رجال کو ترک کرنا

وکذلک اصحاب الحدیث فانھم ضربت لھم ولکم ھذا امثلان

اسی طرح اہل حدیث کی اور تمہاری دو الگ الگ مثالیں ہیں

والی اولی العرفان من اھل الحدیث خلاصۃ الانسان والاکوان

اور اہل حدیث اصحاب معرفت ہیں اور انسانیت کا خلاصہ ہیں

(قصیدہ نونیہ ص۱۲۲)

قصیدہ نونیہ کا شاید ہی کوئی ورق ہو جس میں کسی نہ کسی طریق سے اہل حدیث مکتب فکر کا تذکرہ نہ آیا ہو۔

علامہ بزدوی خبر واحد کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

قال بعض اهل الحديث يوجب علم اليقين — خبر واحد سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے ۔

(اصول بزدوی ص۶۹۱ ج۲)

اصول بزدوی کے شارح علامہ عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں :

ذهب اكثر اصحاب الحديث الى ان الاخبار — اکثر اصحاب الحدیث کا خیال ہے کہ جن
التى حكم اهل الصنعة بصحتها توجب — خبروں کو اصحاب فن نے صحیح فرمایا ہے ان
علم اليقين اھ (ص۹۱ ج۲) — سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے ۔

علامہ عبدالعزیز بخاری مرسل کی حجیت کا ذکر کرتے ہوئے اہل حدیث پر طعن فرماتے ہیں

انهم سموا انفسهم اصحاب الحديث و — یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں اور
انتصبوا انفسهم لحيازة الحديث والعمل — حدیث پر عمل اور اس کی حفاظت کا دعویٰ کرتے
بها ثم ردوا منها ما هو اقوى اقسامها (ص۲۲۵ ج۲) — ہیں لیکن اس کی قوی ترین اقسام کا انکار کرتے ہیں ۔

یہ لڑائی محض حفظ الفاظ پر نہیں ۔ یہ تحقیقی مسئلہ ہے جس میں اہل حدیث کی رائے قدمائے احناف کے خلاف ہے ۔

دوسرے مقام پر اسی کشف الاسرار میں انبیاء کے لیے رائے اور اجتہاد کے جواز کا تذکرہ فرماتے ہیں :

هو منقول عن ابي يوسف من اصحابنا — انبیاء کے لیے اجتہاد کی اجازت ہے ۔
وهو مذهب مالك والشافعي وعامة — امام ابو یوسف، مالک، شافعی اور اکثر اہل
اهل الحديث (ص۹۲۵ ج۴) — حدیث کا یہی مذہب ہے ۔

اس میں مذہب اہل حدیث کا تذکرہ بیسیوں مقامات پر آیا ہے ۔ حسامی کی شرح غایۃ التحقیق میں اکثر مقامات پر اہل حدیث کا ذکر موجود ہے ۔

اس لیے اہل حدیث سے مراد صرف حفاظ الفاظ حدیث مراد لینا انتہائی لاعلمی اور بے خبری ہے ۔ قدماء کی کتابوں میں دوسرے مکاتب فکر کی طرح اہل حدیث کا بھی ذکر آتا ہے ۔ اصول فقہ میں یہ تذکرہ خاص طور پر ملتا ہے کیونکہ حسب ارشاد علامہ کاتب چلپی اس فن کے نوبانی ہی معتزلہ ہیں اور اصحاب الحدیث نہیں ۔ البتہ متاخرین میں عصبیت بڑھنی گئی اور اقتدار بھی اہل تعصب کے ہاتھوں میں آگیا تو

حکومت اور اقتدار کے نشہ میں اہل حدیث کا ذکر کم ہوتا گیا اور نفرت بڑھتی گئی۔

تیسری صدی تک تو پورے فارس پر مسلک اہل حدیث کا اقتدار تھا۔ مصنفین صحاح اور دوسرے علم حدیث کے مدوّن زیادہ تر اسی علاقہ کے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی حضرات کو توفیق بخشی کہ علوم کو آئندہ آنے والے لوگوں تک پہنچائیں اور انہوں نے یہ فرض ادا فرمایا فجزاھم عن المسلمین احسن الجزاء

ان حضرات کی علوم پر نظر کا یہ حال تھا کہ تجوید میں بھی ان کی رائے کا تذکرہ ایک مکتب فکر کے لحاظ سے ہوا ہے۔ ائمہ قرأت میں اختلاف ہے کہ آیہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ پر وقف ہے یا نہیں۔ تجوید اور قرأت کے متعلق مستند کتاب النشر فی القرآت العشر للعلامہ محمد بن محمد الدمشقی ۸۳۳ھ میں فرماتے ہیں کہ الا اللہ پر وقف تام ہے وھو مذھب ابی حنیفۃ واکثر اھل الحدیث (ص ۲۲۷ ج ۱)

قدماء اہل حدیث ان تمام راہوں سے آگاہ تھے جن پر فقہائے متاخرین کو ناز ہے۔

فقہ اور اہلحدیث

بچپن میں سنتے تھے کہ:

اہل حدیث کی مثال عطار کی ہے اور فقہاء کی مثال طبیب کی۔

اس کا اثر ذہن پر یہ ہوتا تھا کہ شاید یہ دو گروہ ہیں۔ فقہاء عطاری نہیں کرتے اور اہل حدیث حدیث کے طبیب نہیں ہوتے۔ لیکن جب علوم حدیث اور دفاتر سنت دیکھنے کا موقعہ ملا تو معلوم ہوا کہ یہ دو فرقے نہیں بلکہ عملی زندگی میں طبعی رجحانات کے مطابق ایک خاص طریق ہے جسے پسند کر لیا گیا۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ محدثین فقہ نہیں جانتے۔ نہ یہ درست ہے کہ فقہاء حدیث نہیں جانتے قدرت نے سب کو استعداد عطا فرمائی ہے جس کام کے لئے کسی نے اس استعداد کو استعمال کیا وہ چیز اسے عطا کر دی گئی۔

ائمہ حدیث کے حالات جب ہم پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ درس میں موجود تھے۔ حدیث کی کتابت اور حفظ و ضبط اور اس میں تفقہ کا مشغلہ اس وقت موجود تھا۔ صحابہ حدیث کا دور اور حفظ اسی طرح فرماتے تھے جس طرح حفاظ قرآن کرتے ہیں۔ فہم کے لیے بھی اسی طرح محنت کرتے تھے لیکن اس وقت اس کی شکل تذکرے اور نوٹ کی تھی۔ کتاب کی طرح مدون نہ تھی۔ صحابہ اس کے غوامض کو سمجھتے تھے لیکن مروجہ کتب فقہ یا شروح حدیث کی طرح لکھنے

لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے اس کے باوجود وہ فقیہ بھی تھے اور محدث بھی، اہل حدیث بھی تھے اور اصحاب فقہ بھی، کسی چیز کی فنی تدوین دوسری چیز ہے اور اس کا صحیح فہم دوسری چیز۔ صحابہ کے ان تذکروں میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا پورا تذکرہ امام احمد بن حنبل نے مسند میں نقل فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی مسند بواسطہ وہب بن منبہ مطبوعہ موجود ہے۔ تابعین کا یہ سلسلہ اور بڑھ گیا۔ اور یہ نوٹ اور ضخیم ہو گئے۔ زہری، ابن عیینہ، عمر بن عبدالعزیز کے تذکرے اب بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ مسند احمد میں یہی نوٹ بصورت مسانید موجود ہیں اور یہ ضخیم چھ جلدوں میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ صدیوں سے ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یہ دور فقہاء اور محدثین کا ہے۔ وہ احادیث کو حفظ بھی کرتے ہیں، اس کے مضمون کو سمجھ کر اس کی روشنی میں فتوے بھی دیتے ہیں۔ اس کے مواد کے لیے محلی ابن حزم، مغنی ابن قدامہ، مصنف ابن ابی شیبہ ہمارے ہاتھوں میں ہے جس میں آثار کی بڑی مقدار موجود ہے اسے فقہ کہیے یا آثار، ان لوگوں نے قرآن اور سنت سے سمجھ کر یہ فتوے دیئے، بلکہ محدثین کی فقہ کے لیے تو قرآن و سنت کے بعد یہی آثار اجتہاد اور استنباط کی اساس اور بنیاد ہیں (حجۃ اللہ ص ۱۱۹ ج ۱)

تدوین حدیث کا دور:

اس کے بعد تدوین حدیث کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس وقت کی مصنفات میں احادیث پر تبویب کی گئی ہے۔ صحیح بخاری، نسائی، ترمذی، موطا، ابن ماجہ وغیرہ کے مصنفین نے تبویب کی ہے، احادیث سے مسائل استنباط فرماتے ہیں جس سے انسان میں قوت استنباط پیدا ہوتی ہے۔ مذاہب اربعہ کی کتب فقہ تو مسائل کی نقل ہے۔ ان کتابوں سے استنباط کا ملکہ مشکل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ ان ضخیم کتابوں کے ہوتے ہوئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ فقیہہ نہیں۔ ان کا کام الفاظ حدیث کا حفظ تھا، یہ صرف فن کار تھے۔ ایک پڑھا لکھا شخص جسے حدیث کی کتابوں پر سرسری عبور بھی ہو اسے یہ جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ اہل حدیث کو غیر فقیہ کہے۔

امام بخاری کی تبویب نے بڑے بڑے ارباب فقہ و بصیرت کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ باقی محدثین ابوداؤد، نسائی، ترمذی، موطا، ابن ماجہ کی تبویب نے ان کے تفقہ اور فقہی بصیرت کو واضح کر دیا ہے۔ جہاں تک احادیث سے مسائل کے استخراج اور فہم کا تعلق ہے۔ اہل حدیث کی تبویب میں صحیح اور معیاری فقہ پائی

جاتی ہے۔

اگر فقہ فرضی صورتوں کا نام ہے اور اس سے غیر موجود بلکہ ناممکن الوقوع معاملات اور احکام کا تعلق ہے تو واقعی اہل حدیث کی فقہ یا فقہ الحدیث میں اس کا ثبوت نہیں ملے گا یہ خوبی فقہ العراق میں ہوگی۔ لیکن یہ دراصل فقہ نہیں۔ اسے حدیث کا مقام تو مصطلح فقہاء سے کہیں زیادہ ہے۔

فرضی صورتوں پر احکام مرتب کرنا بھی کوئی مشکل چیز نہیں لیکن علم ما لم یقع والجهل عما وقع اہل حدیث کے نزدیک اسے فقہ کہنا ہی درست نہیں۔

شاہ ولی اللہ چاہتے ہیں کہ مروجہ فقہ کو حدیث اور آثار سلف کی تائید حاصل ہو۔ اور ظاہریت خالصہ کو تفقہ اور قیاس جلی سے ہم آہنگ کیا جائے ہندوستان میں تحریک اہل حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے جسے مستقل طور پر گھبراہٹ کا پیغام سمجھ لیا گیا ہے۔ اور حضرات دیوبند اور ارباب بریلی دونوں اس مکتب فکر سے گھبرانے لگے۔ حضرات بریلی سے تو کوئی شکوہ نہیں کیونکہ وہاں پورا انحصار ہی جذبات اور چند نعروں پر ہے عوام کی پیدا کی ہوئی رسوم اور چند بدعات کا نام شریعت رکھ لیا گیا اور غلط قسم کے رکھ رکھاؤ کو ادب سے تعبیر کر لیا گیا ہے اور ان حضرات کے نزدیک یہی چیزیں کتاب وسنت کا نعم البدل ہیں۔ یہ حضرات توحید وسنت کی ٹھوس آواز سے ڈریں تو بجا ہے لیکن تعجب حضرات دیوبند سے ہے وہ بھی وہابی کے لفظ سے اس قدر گھبرائے کہ میدان چھوڑ گئے۔

سانحہ بالاکوٹ کے بعد ان حضرات کی رسمی تصوف کے ساتھ کچھ ایسی وابستگی ہوئی اور بیعت معاملات ان میں کچھ اس انداز سے آئی کہ یہ حضرات بریلی سے بہت قریب پہنچ گئے۔ اذکار اور اوراد میں بھی سنت کا معیاری مقام قائم نہ رہ سکا نماز کے وقت اور شہادت میں بھی تسکین اور اطمینان قریباً ختم ہو گیا اور خشوع انابت ذوق اور اطمینان برائے نام رہ گیا۔ یہ گراوٹ شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہی شروع ہو گئی تھی لیکن بتدریج بڑھتی گئی توحید کا صحیح موقف بعض حضرات میں تو بے شک نمایاں رہا۔ لیکن اکثر ابناء دیوبند نے قریباً بریلویت کی چوکھٹ پر گھٹنے ٹیک دیئے اور جو قافلہ اقامت دین اور توحید وسنت کی سرپرستی کے لیے بالاکوٹ کے میدان میں فرد کش ہوا تھا جس نے عہد کیا تھا کہ شاہ ولی اللہ کے

تجدیدی عوامل اور مقاصد کی روشنی میں دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچائیں گے۔ وہ بریلویت سے ڈر کر اور وہابیت کی تہمت سے گھبرا کر دم توڑ گیا اور اپنے موحد ساتھیوں کو چھوڑ کر بریلوی حضرات سے مصالحت کی راہیں تلاش کرنے لگا ۶ مئی ۱۸۳۱ء کے بعد یہ گروہ بدستور پسپا ہوتا گیا اور نہ صرف یہ کہ میدان وغا سے پیچھے ہٹ گیا بلکہ تحریک کی روح جمود اور آزادی فکر سے بھی دستکش ہو گیا۔ میں نے سابقہ گذارشات میں شاہ صاحب کی تحریک کے مقاصد کا تذکرہ حضرت شاہ صاحب کی زبان اور حضرت ہی کے ملفوظات سے عرض کیا ہے۔ آپ خود فیصلہ فرمائیں گے کہ شاہ صاحب کے ساتھ انتہائی عقیدت کے باوجود یہ امانت محفوظ نہیں رکھی جا سکی۔ بلکہ شاہ اسحاق کے تلامذہ سے اس کی سرپرستی صرف شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب اور ان کے تلامذہ نے فرمائی۔ جب تحریک کے سیاسی مقاصد کی تکمیل بظاہر مشکل ہو گئی تو اسے زیر زمین لے جا کر اپنی بساط کے مطابق اسے زندہ رکھا گیا۔ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی صاحب سے شروع ہو کر مولانا عبد اللہ صاحب غازی پوری اور مولانا عبد العزیز صاحب رحیم آبادی اور اس کے بعد مولوی ولی محمد اور مولوی فضل الٰہی مرحوم اور محمد حسین مجاہد کوٹ بھوانیداس وغیرہم نے اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی۔ رہے حضرات دیوبند سو وہ ملک کی ملی جلی تحریکات میں کام کرتے رہے لیکن یہ خالص دینی تحریک ان کے فیوض سے محروم رہی تا آنکہ ملک کی تقسیم نے صورت حال کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔ یہ تو سیاسی صورت حال تھی لیکن دینی پہلو سے یہ حضرات شاہ صاحب کے پروگرام سے کافی الگ ہو گئے جس جمود کو شاہ صاحب ختم کرنا چاہتے تھے۔ دیوبند نے پورے زور سے اس کے احیا کی دعوت دی۔ پوری قوت سے اس کی سرپرستی کی۔ اس لیے میری ناقص رائے یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تحریک کے مقاصد کو سیاسی، علمی، معاشی اور فقہی طور پر اپنی بساط کے مطابق جماعت اہل حدیث نے پورا کیا اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے۔

مرا عہدیست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم

ہوا خواہان کویش را چو جان خویشتن دارم

ارباب دیوبند کی اس مصلحت اندیشی کا یہ اثر ہو رہا ہے کہ ان میں توحید کے داعی حضرات کو خارجی کا خطاب دیا جا رہا ہے اور عوام کو مطمئن کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ دیوبندی نہیں ہیں۔ اس انتقامی

جذبہ کی تسکین کے لیے نئے نئے مسائل پیدا کیے جا رہے ہیں جو اس اہمیت کے ساتھ پہلے کبھی سامنے نہیں آئے۔

شاہ صاحب سے علیحدگی

اب ایک اور نوجوان گروہ پیدا ہو رہا ہے جسے شاہ صاحب کے مقاصد سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ شاہ صاحب کے متعلق عجیب انداز سے بدگمانیاں پیدا کر رہا ہے یہ حضرت علامہ سید محمد زاہد کوثری مصری سے زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ائمہ حدیث کے خلاف بدگمانی پیدا کرتے ہیں رجال کے تذکروں میں قطع و برید کر کے ائمہ حدیث کو بدنام کرتے ہیں۔ ان کے موجودہ سے ایک فاضل احترام بزرگ ابن ماجہ کے مقدمہ میں شاہ صاحب کے متعلق فرماتے ہیں۔

واما ما قال رحمه الله وان شئت حقيقة ما قلنا ه فلخص اقوال ابراهيم من كتاب الآثار لمحمد وجامع عبد الرزاق الخ فهذا دأبه في تصانيفه اذا اتى بدعوى يأتي بكلام يدهش الناظر الى ما تمس اليه الحاجة ص۱۲

شاہ ولی اللہ صاحب کا خیال ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ عموماً حضرت ابراہیم نخعی کے خیالات کا تتبع فرماتے ہیں ان کے اجتہاد اور فقہ پر حضرت امام نخعی کا بہت زیادہ اثر ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کی عادت ہے کہ جب وہ کسی معاملہ کے متعلق لکھتے ہیں تو دہشت پھیلا دیتے ہیں حالانکہ بات فی الحقیقت اس طرح نہیں ہوتی،

اس کے بعد فرماتے ہیں فنحن بحمد الله قد طالعنا كتاب الآثار ولخصنا اقوال ابراهيم النخعي رضي الله عنه ثم قايسنا ها بمذهب الامام فوجدنا الامام مجتهدا كما اجتهد النخعي و اقرانه وتراه في كثير من المواضع يترك رأي ابراهيم ودار ه ظهر يا ص۱۲ ہم نے کتاب الآثار امام محمد کا مطالعہ کر کے امام نخعی اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کی تلخیص کی ہے امام کئی مقام پر حضرت ابراہیم نخعی کی رائے کو ترک فرما دیتے اھ۔ یہ محض حب علی کے انداز سے فرمایا گیا ہے۔ حقیقت وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب نے بیان فرمائی۔ چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف خود بخود زبان قلم پر آ گیا اور فرمایا

وان کان لاینکران لآراء ابراهیم النخعی تاثراخاصاً فی تفقیہ الامام ابی حنیفۃ واجتھادہ (حوالہ مذکور) لیکن اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اجتہاد اور تفقہ پر خاصا اثر ہے اھ۔

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ میں جہاں یہ تقابل فرمایا ہے ان کا مقصد قلت وکثرت عددی اور حساب کے قواعد کے لحاظ سے نہیں ان کا مقصد یہی تاثر ہے۔ آخر آپ حضرت صاحبین کو دو تہائی مذہب میں اختلاف کے باوجود حضرت امام والامقام کے مقلد مانتے ہیں۔ حضرت امام بھی امام نخعی سے متاثر ہوں تو اس میں جرم کیا ہے اگر تقلید کا مطلب یہی تاثر ہے تو یہ فطرت انسانی کا تقاضا ہے۔

میرا خیال ہے کہ دیوبندی ذہن یا حضرات احناف سے توحید پسند گروہ پر یہ تیسرا انقلاب رونما ہو رہا ہے یعنی ۱۸۳۱ء سے پہلے یہ حضرات اہلحدیث سے قریب تھے اور حنفیت کے باوجود فقہی جمود کو نہ صرف یہ کہ پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اسے کلی طور پر ختم کرنا چاہتے تھے یہی شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا اصلی تجدیدی کارنامہ تھا۔

۱۸۳۱ء کے بعد ان میں اکثر حضرات تحریک توحید اور اقامت دین سے بالکل الگ ہو گئے اور اسلام کی خدمت کے لیے صرف اسی حد تک مطمئن ہو گئے جو اشاعت حنفیت اور فقہی جمود کے مرادف ہو یہ لوگ شاہ صاحب کے خلفاء کے ساتھ نہ چل سکے اس لیے کہ وہ جامد تقلید کے حامی نہ تھے دیوبند کی تاسیس حنفیت خالصہ کی اشاعت کے لیے عمل میں آئی لیکن محدثین کا احترام شاہ صاحب کی تحریک سے ان کو وراثت میں ملا تھا اور یہ حضرات علامہ کوثری سے متاثر ہیں یہ حضرات جمود کے داعی ہیں اور اہلحدیث سے بغض ان حضرات کو علامہ کوثری سے وراثت میں ملا ہے اور اس کے ساتھ ہی حدیث کو حجت شرعی سمجھتے ہیں یہ ہلکا سا تضاد ہے جسے علم اور مطالعہ کے زور سے اطمینان قلب کی حد تک یہ حضرات حل فرما لیتے ہیں لیکن ان حضرات کے اذہان میں شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں کا وہ احترام نہیں جو قدماء دیوبند میں تھا شاید کہ یہ حضرات وسعت مطالعہ سے فکری جمود کو توڑیں اور اپنے نظریات کی بنیاد تقلید کی بجائے علم اور تحقیق پر رکھیں۔ ظاہری تنقیص کے باوجود اس میں محدثین کے مسلک کی تائید اور توثیق ہوگی۔ ہماری دلی دلچسپیاں اس نئی تحریک کے ساتھ ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کی توفیق مرحمت فرمائے۔

تحریک اہلحدیث کا تاریخی موقف اور اس کی خدمات

دنیا میں اچھی اور بری تحریکیں پیدا ہوتی اور مٹتی رہی ہیں بعض تحریکات کی قوت سے حکومتیں تک متزلزل ہو گئیں ـــــ حسن بن صباح اور حشیشین کا اتنا رعب تھا کہ بادشاہ رات کو اپنی آرام گاہوں میں سو نہیں سکتے تھے۔

صالح تحریکوں کا اثر بھی صدیوں تک دلوں کو متاثر کرتا رہا۔ طوعاً و کرہاً لوگ ان تحریکوں سے بہر حال تعاون کرتے رہے۔

تحریک معتزلہ نے مامون الرشید ایسے دانشمند بادشاہ کو بری طرح اپنی گرفت میں لے لیا اور یہ فتنہ متوکل علی اللہ کے زمانہ تک ائمہ سنت کے لیے وبال جان بنا رہا۔ امام احمد اور عبد العزیز کتانی ایسے اہل حق حضرات حق گوئی کی وجہ سے مصائب میں مبتلا رہے بڑے بڑے ائمہ نے خاموش رہنا کر حالات کی ناہمواری کا اعتراف فرمایا رحمہم اللہ۔

تحریک اہلحدیث

یہ بھی اپنے وقت کی ایک تحریک ہے جس کا مقصد

(۱) اسلام میں اعتقادی اور عملی سادگی کو قایم رکھنا اور افراط و تفریط میں اعتدال کی راہ کا تعین اور اس کی پابندی کرنا

(۲) محبت اور بغض میں عموماً انسان اعتدال کی حدود کو پھاند جاتا ہے ائمہ حدیث ایسے موقع پر ہمیشہ نقطہ اعتدال کی تلاش فرماتے اور لوگوں کو اس سے آگاہ فرماتے۔

(۳) قرآن و سنت اور ان کے متعلقہ علوم کی تدوین و اشاعت۔

۳۔ زندگی کے تمام شعبوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام۔

روافض کو اہل بیت کی محبت میں غلو تھا اور خوارج کو ان کے بغض ہیں۔ اہل سنت نے اعتدال کی راہ اختیار کی۔ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو عام انسانوں کی طرح مجسم مانتے تھے اور بعض اس کی صفات کو ایک مفہوم کی حد تک سمجھتے اور ان کی حقیقت سے صاف انکار کرتے۔ ائمہ حدیث نے صفات کی حقیقت کو تسلیم فرمایا اور تشبیہ اور مماثلت کی نفی فرمائی یہی معتدل راہ تھی۔

قیاس کے ہمہ گیر اثر نے نصوص اور صحیح احادیث کو بے کار کر کے رکھ دیا۔ اور ظاہریت کی طغیانی نے قیاس کا سرے سے انکار ہی کر دیا۔ حالانکہ نظائر اور ملتی جلتی چیزوں کے احکام بھی باہم متشابہ رہنے چاہئیں عقل سلیم کا یہی فتویٰ ہے قرآن حکیم نے انزل الکتٰب بالحق والمیزان فرما کر قیاس کے اسی پہلو کو واضح فرمایا ہے۔ حافظ ابن حزم کی محلی کے بعض قیمتی مباحث اہل حق کی آنکھوں کے لیے نور ہیں لیکن بعض مضحکہ خیز توجیہات بھی اہل علم کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ جہاں وہ رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کو تو منع فرماتے ہیں۔ لیکن پاخانہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں اہل حق کے موقف کی پوری وضاحت فرمائی ہے۔ قیاس کی سمیت کا یہ اثر تھا کہ مسکرات اور محرمات کی جزوی رخصت دے کر حرام کو حلال بنانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ نبیذ اور طلاء وغیرہ کے مباحث فقہاء رحمہم اللہ کی مستندات میں مرقوم ہیں اور منکرین قیاس نے پاخانہ کی نجاست کو پیشاب سے بھی کم تصور فرمایا۔ اس لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ میزان اہل حدیث کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے نبیذ اور طلاء کا فیصلہ کل مسکر حرام کی روشنی میں کیا۔ مسکر کا استعمال تو کہیں رہا۔ اس کی صورت کو بدل کر سرکہ بنانے کی بھی ممانعت فرما دی۔ اور نجاست کے معاملہ میں پیشاب وغیرہ اور نجاستوں کا ایک ہی حکم تصور فرمایا۔ قیاس صحیح کا بھی یہی تقاضا تھا اور نصوص صحیحہ کا بھی یہی مفاد۔

اہلحدیث اور باقی تحریکات

عموماً تحریکات وقتی تقاضوں کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اس لیے وقتی اور مخصوص مقاصد کی تحصیل کے بعد ان تحریکوں کی عمر ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً خاندان نبوت کے ہوا خواہوں نے سمجھا کہ خلافت کا حق موروثی

طور پر اسی خاندان کو ملنا چاہیئے۔ اس لیے اہل بیت کی طہارت و عصمت میں غلو ـــــــــ کیا گیا۔ حضرت علی رضؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی قرار دیا گیا۔ نماز اور اذان تک اسی مقصد کے مطابق تبدیل کر دی گئیں۔ لیکن جب اموی اقتدار نے محمد بن الحنفیہ جیسے خاندانی لوگوں کو یزید کی دوستی پر مجبور کر دیا تو تحریک کی معنویت ختم ہو گئی اور اس کے انقلابی ارادے عدم کی نذر ہو گئے۔ تحریک کے ناکام لیڈروں نے تحریک کو عقیدے اور مذہب کا رنگ دے دیا اور اس طرح یہ وقتی مسئلہ ہمیشہ کی تفریق اور دشمنی کا موجب ہو گیا۔ لیڈروں کی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی یہی صورت تھی جس کے نتیجہ میں اہل بیت کا تقدس بڑھ چڑھ کر بیان کیا گیا ان کی قبریں پجنے لگیں، مجلس عزا نے ایک جشن کی سی صورت اختیار کر لی اور ماتمی جلسہ تقریب شاہی کی نمائش کرنے لگا۔ تحریک مقصدیات کے لحاظ سے ختم ہو گئی لیکن لازوال دشمنی اور تفریق کی ایک بیماری اسی امت میں چھوڑ گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ اور سنی مسلمان میں ایک نوع کا بُعد سا پیدا ہو گیا۔

خوارج نے اس غلو کو توڑنا چاہا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اہل بیت بشری تقاضوں سے بالا نہیں ہیں نہ وہ معصوم اور بے گناہ ہیں اور نہ غلطیوں سے محفوظ۔ بلکہ فی الواقع ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں۔ اس اظہار بیان نے غلو کی صورت اختیار کی اور اہل بیت کی تکفیر تک نوبت پہنچ گئی۔ اہل بیت کے اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ تحریک کی عملی حیثیت بھی ختم ہو گئی۔ تحریک کے ناکام لیڈروں نے اسے بھی مذہب اور فلسفہ کا رنگ دے کر ایک جدید مذہب کی بنیاد رکھ دی جس کا اسلام سے بہت کم تعلق ہے۔

متکلمین و مبتدعین

اسی طرح بعض عقل پرست حضرات نے اسلام کو اصطلاحی عقل اور یونانی فلسفہ کے ساتھ آمیز کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں اعتزال اور جہمیت پیدا ہوئی۔ خلق قرآن اور صفت باری کی عینیت اور غیریت کے بے ضرورت مباحث پیدا ہو گئے۔ اسلام کو عقل کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے اسلام کے بعض اساسی اور بنیادی مسایل کا انکار کیا جانے لگا۔ ہمارے متکلمین پر حافظ ابن قیم رح کی یہ پھبتی کس قدر صحیح ہے:

لا للاسلام نصروا ولا لفلاسفة کسروا — نہ اسلام کی مدد کر سکے اور نہ فلاسفہ ہی کی یورش کا مقابلہ کر سکے

(قصیدہ نونیہ)

آخر علماء اسلام اور ائمہ حدیث نے جب یونانی فلسفہ کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا اور یونانی فلسفہ کے وکیل مقدمہ ہار گئے اور ائمہ سنت نے مدافعت کی بجائے فلسفہ پر براہ راست حملے شروع کئے تو اعتزال وجہمیت ایسی تحریکیں اور متکلمین کی موشگافیاں ہی ختم ہو گئیں۔ اور یہ تحریک بھی صرف کتابوں کے اوراق کی زینت بن کر رہ گئی۔ غرض ہر وقتی تحریک کا یہی حشر ہوا۔ اور وہ اپنا کام کر کے یا ناسازگاری حالات کے اثر سے بے اثر ہو گئی۔

معمر ترین تحریک:

اس سارے عرصہ میں تحریک اہلحدیث بدستور کام کرتی رہی۔ اس میں ایسی جامعیت تھی کہ اس کے خدمتگاروں کو دنیا کے ہر گوشے میں کام ملتا رہا۔ اور ان کی ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ پہلی صدی ہجری میں حفظ اور کتابت حدیث۔ دوسری میں تدوین حدیث اور تصنیف و تالیف کی تاسیس کے کام۔ اس کے علاوہ اعتقادی اور عملی بدعات سے دست بدست لڑائی۔ ان بدعات نے بن پور دروازوں کو تخریبِ اسلام کے لیے کھولا تھا ان کی نگرانی اس کے ساتھ مسلمانوں کے جماعتی شیرازہ کی حفاظت تاکہ بیرونی حملوں سے اسلام کی سیاسی قوت تباہ نہ ہو جائے۔ یہ وہ دوسرا اندیشیاں ہیں جن کے نتائجِ فکر نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسے بحر ذخار کو بار بار جیل جانے پر مجبور کیا۔ پھر بوقتِ ضرورت اسی حکومت کی حمایت میں جس نے شیخ کو جیل بھیجا ایک سپاہی کی طرح میدان کارزار میں داد شجاعت دیتے نظر آئے۔ اور ہلاکو اور چنگیز کی فوجوں سے برسوں سینہ سپر رہے۔ یہ اعتدال مزاج اور حفظِ مراتب کے وہ عظیم الشان کارنامے اور فوق العادت کام ہیں جو شاید ائمہ سنت اور ارباب حدیث ہی کا حصہ تھا اور یہ تحریک سب سے معمر اور قدیم ترین تحریک ہے، جو ان فتنوں سے عہدہ برآ ہو کر زندہ رہی کیونکہ یہ تحریک نہ وقتی تھی نہ ظروف واحوال کی پیداوار بلکہ اس کا مقصد:

پورے اسلام کی خدمت تھا

فتح ھند اور اہل حدیث:

سب سے پہلا قافلہ جو فاتحانہ حیثیت میں ساحل ہند پر وارد ہوا۔ وہ اہل حدیث کا تھا آج بھی

آج بھی سندھ میں شیخ بدیع الدین اور ان کا خاندان، ایک عظیم الشان مکتبہ جس میں حدیث اور رجال کا بے نظیر ذخیرہ موجود ہے۔ قرونِ ماضیہ کی یاد کو تازہ کر رہا ہے۔ اس وقت گو سندھ میں اہل توحید کو وہ قوت حاصل نہیں۔ لیکن تاریخ کے اوراق ان کی خدمات کو نہیں بھول سکتے۔ اسی طرح مغل فاتحین بھی اسلامی سادگی اور دین فطرت کی روشنی سے زیادہ فارسی تہذیب سے آشنا تھے اس لیے ہندوستان میں اسلامی سادگی اور کتاب و سنت کی تعلیمات کا زور ــــــــ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور نہ ہی علوم حدیث کی اس قدر کثرت ہو سکی جس قدر بعض دوسرے ممالک میں تھی۔ شیخ علی المتقی صاحب کنز العمال اور شیخ محمد طاہر مؤلف مجمع البحار، شیخ مجدد احمد سرہندی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہم اللہ اس وقت مغتنمات میں سے تھے۔ اکبری فتنوں کے سامنے کوئی طوطی کی آواز کون سنے پاسنے گر طوطی نے اپنا فرض ادا کرنے میں کمی نہیں کی۔ اس وقت اہل حق کس قدر کمزور تھے۔ شیطانی طاقتیں کس قدر جمع ہو رہی تھیں۔ فتنوں کا سیلاب کتنا تباہی خیز تھا۔ حکومت کا لادینی جذبہ اہل حق کے لیے کتنی مصیبت کا باعث تھا۔ اعراس اور موالید کو بعض لوگوں نے اسلام کا بنیادی مسئلہ سمجھ رکھا تھا۔ تاہم ان بزرگوں نے ان بدعات پر کڑی نکتہ چینی کی۔ غیر اسلامی رسوم اور غیر اسلامی نظریوں کے خلاف ان مجددینِ وقت کی پُرشکوہ آواز فضاء دہر میں گونجتی رہی رضی اللہ عنھم و ارضاھا۔

بدعی استیلاء

اس ناخوشگوار ماحول نے اکبر ایسے ملحد انسان پیدا کر کے اہل حق کے لیے فضا کو اور بھی مکدر کر دیا۔ ملا مبارک کا خاندان اسی ظلمت کدہ میں ظلمات بعضہا فوق بعض کا حکم رکھتا ہے۔ یہ ایک بدعی ابتلا تھا جس کے لیے ایک نسخہ مسہل کی ضرورت تھی، جس کا نسخہ تو شاہ ولی اللہ نے کیا۔ اور آخری تدبیر کار کے لیے کارکنان قضاء و قدر نے صاحب سیف و قلم حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب فرمایا جن کی مساعی نے مریض کو موت و حیات کی کش مکش سے نکال کر صحت کے آثار نمایاں فرما دیئے۔

اس وقت جماعت کے سامنے سب سے اہم اور پہلا مقصد یہ تھا کہ

وہ ہندوستان میں ایک دینی حکومت قائم کرے جس کے ارباب اقتدار صحابہ کرام کی سیرت رکھتے

ہوں جن کے اسلام پر غیر مسلم اقلیتیں مطمئن ہوں۔

اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ظالم کا بدلہ مظلوم سے لیا جائے۔ ایسی سفاکانہ حرکتیں غیر مسلم تہذیب گوارا کر سکتی ہے۔ اسلام اسے قطعاً برداشت نہیں کرتا۔

دوسرا مقصد عملی بدعات کے خلاف جہاد تھا۔ اس وقت کے سنی بھی عجیب و غریب تھے۔ اہل سنت کے گھروں سے تعزیہ کے جلوس نکلتے تھے۔ عشرۂ محرم میں سنی بھی سوگوار بنتے۔ حالانکہ ہمارے ہاں ایسے سوگ تین دن سے زیادہ نہیں، سالہا سال تک سوگ اسلام کا طریقہ نہیں، محرم کی نیاز، اس ماہ میں نکاح کی ممانعت اسلامی حکم نہیں۔

اعتقادی خرابیاں، قبر پرستی، مزار پرستی کا عام رواج تھا۔ اخلاق کا یہ حال تھا بازاری عورتیں گانے بجانے کے لیے اچھے اچھے شریف گھروں میں آتی تھیں اور پورے معاشرے میں اسے کبھی برا نہیں منایا جاتا تھا۔

ارکان اسلام عموماً متروک تھے۔ قبور اور مشاہد کے طواف حج کعبہ کا نعم البدل تھے۔

تعلیمی اداروں کا زیادہ زور منطق اور یونانی فلسفہ پر تھا۔ علوم سنت قطعاً متروک تھے۔ ربع مشکوٰۃ تبرکاً طلبہ دیکھ لیتے۔ اصلاح حال کا سارا بوجھ صرف ایک بندۂ خدا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان پر تھا۔ قرآن کے ترجمے نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر مصیبت برپا کر دی۔ طاغوتی طاقتیں سارے معمورہ میں پھیل رہی تھیں، شیطان ننگا ناچ رہا تھا۔ اہل حق مجبور تھے کہ مصلحت اندیشی سے کام لیں۔

نتائج و عواقب:

نظام حق کی اشاعت کے لیے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق سید شہید نے حضرو میں نفری جنگ لڑی، جس میں بظاہر ناکامی ہوئی اور بقیۃ السیف پنجاب اور پورے ہندوستان میں پھیل گئے۔ انگریز نے عیارانہ طور پر تحریک کا تعاقب کیا۔ تحریک خفیہ (انڈر گراونڈ) ہونے پر مجبور ہو گئی اور جماعت کے کام میں خلفشار رہا ہو گیا۔ پنجاب میں مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی انگریزی حکومت سے تعاون کے حق میں تھے اور بظاہر وہ انگریزی نظام کے ثناخواں۔ جس کا سبب انگریزی حکومت کا تشدد اور سخت گیری

تھا۔ اور بعض لادینی تحریکوں کا نشوونما قادیانی اور آریہ سماجی تحریکات کا انگریز کے سہارے زندگی بسر کرنا اور اس کے ساتھ ہی اہل حق کی چغلخوری ان لوگوں کا شیوہ تھا۔ اس لیے مجھے یہ ناخوشگوار اعتراف کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ مرحوم مولانا محمد حسین صاحب جید عالم اور دور اندیش مفکر ہونے کے باوجود اپنے دوسرے رفقاء کی طرح مقام عزیمت پر قائم نہ رہ سکے۔ حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت الاستاذ حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم و مغفور وزیر آبادی، لکھوی علماء کرام اور بعض دوسرے اہل فکر صرف قرآن عزیز اور حدیث شریف کی نشر و اشاعت پر قانع ہو گئے۔ ان بزرگوں کے اثر سے قرآن و حدیث کے درس جا بجا کھل گئے۔ اعتقادی و عملی بدعات ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگیں والحمد علی ذالک۔

مصائب و آلام کے جس سیلاب سے تحریک اہل حدیث کو اس وقت گذرنا پڑا، وہ یا شور کی سیر جس طرح ہمارے اکابر نے کی جیل کی جو اذیتیں ان بزرگوں نے سہیں۔ آج لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

مجاہدین کا گروہ:

حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، حضرت مولانا عبداللہ صاحب غازی پوری۔ صوفی ولی محمد صاحب فیروز پوری۔ مولوی اکبر شاہ ستھانوی۔ مولانا عبدالقادر قصوری۔ مولانا فضل الٰہی صاحب رحمہم اللہ بدستور نظام اسلامی کی اقامت کے لیے کوشش فرماتے رہے۔ یہ کوششیں خفیہ طور پر جاری رہیں اور عام حریت پرور تحریکات میں جماعت کی اکثریت کام کرتی رہی۔ خلافت، کانگریس، احرار، مسلم لیگ وغیرہ جماعتوں میں اہلحدیث نے صرف اسی نقطۂ نگاہ سے کام کیا۔ کہ اس ملک میں کلمۃ اللہ کو بلند کیا جائے۔ اس مجاہدانہ تحریک کو تا کام کرنے کے لیے یورپ کے مدبر پوری کوشش سے سرگرم تھے۔ اور یہاں اقامت دین اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے خاندان کی مساعی کارفرما تھیں۔ اور اصلاح حال کا سارا بوجھ اسی مختصر جماعت پر تھا جن کے پاس دولت ایمان کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور اس کے علاوہ ملک کے شکست خوردہ ذہن "وہابی" کے لفظ سے اس قدر بدکتے تھے۔ کانھم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ۔

مناظرانہ سرگرمیاں:

بعض بزرگوں نے مناظرات کی راہ اختیار کی، دفتی خطرات کے لیے یہ ایک مفید علاج تھا۔ ممکن ہے ان

کی افادیت میں کسی دوست کو اختلاف ہو لیکن وقت کی ضرورت کے لحاظ سے ان کے مفید ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ قادیانیت اور بعض دوسرے فرقوں نے عوام میں جس طرح بدعتی خیالات کی اشاعت کرنی شروع کی تھی۔ اگر اس کا بروقت علاج نہ کیا جاتا، تو آج پانی سر سے گزر گیا ہوتا۔ اگر صورت حال کو جلد از جلد درست نہ کیا جاتا، تو قادیانیت ایک عظیم فتنہ کی صورت اختیار کر لیتی۔

نصف صدی کی یہ کوششیں یقیناً ان فتنوں کے دفاع میں کافی مفید ثابت ہوئیں، ورنہ انگریز بہادر کی عطا کردہ نبوت آج ایک مصیبت بن چکی ہوتی۔

میرا مقصد ان گذارشات سے جماعت کی ان خدمات کا مختصر سا جائزہ لینا تھا جو جماعت نے مختلف طریقوں سے ادا کیں، تاکہ عامۃ المسلمین اس بات کا اندازہ لگا سکیں۔ کہ اس تحریک نے اسلام کے لیے کیا کچھ کیا اور ماضی اور مستقبل کی تحریکات اور اس تحریک میں کیا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اتفاق، خلوص اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہم اسلام اور اہل اسلام کے لیے مفید تر ثابت ہو سکیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اہل توحید کی سرگرمیاں

پاکستان میں کچھ عرصہ سے اہل بدعت نے انگڑائیاں لینی شروع کی ہیں۔ ادب کے نام سے شرک، توسل کے بہانہ سے ماسوی اللہ کی پرستش، شفاعت کے عنوان سے غیر اللہ کی پکار عرب و عجم میں اہل بدعت اور ارباب شرک کا شیوہ رہا ہے۔ یہی صورت حال پاکستان میں دہرائی جا رہی ہے۔

آبار کی جامد تقلید کے سہارے اور عوام کی جہالت کے کھونٹے پر ہمیشہ مشرکانہ رسوم اور بدعات کو زندگی کا بہانہ ملا۔ خاندانی رسوم اور عادات سے عوام کو عموماً اور عورتوں کو خصوصاً جو تعلق ہوتا ہے اسے اللہ کی یہ مخلوق توڑنا نہیں چاہتی۔ ان عادات کو در اصل عوام آباء و اجداد کی یادگار اور ان کے نام کی زندگی سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ دانتوں کی پوری قوت سے انہیں تھامنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کتاب و سنت اور انبیاء علیہم السلام کے گرامی قدر ارشادات بھی انہیں روکنے میں بعض وقت کامیاب نہیں ہوتے۔ یہی تقلید جامد ہے جسے ائمہ اسلام اور قائدین سلف نے شرک کہنے میں بھی حجاب محسوس نہیں فرمایا۔

آنحضرت فداہ ابی و امی صلے اللہ علیہ وسلم نے جب سے شرک کی بستیوں کو ویران فرمایا اور مشرکین کی جمعیتوں کو پارہ پارہ کیا اور تقلید آباء اور مشرکانہ جمود کی کمر کو توڑا۔ اس وقت سے بدعی رسوم اور مشرکانہ عادات کے لشکروں میں انتشار رونما رہا اور ان کے حامیوں کو جمعیت نصیب نہ ہو سکی۔

اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد شرک اور بدعت کو فروغ ہوتا رہا۔ اعوان و انصار بھی کم و بیش ملتے رہے مگر اہل حق کے مقابلہ کی ہمت نہ ہو سکی اور نہ استدلال و براہین سے مقابلہ کا حوصلہ ہو سکا۔

مغل سلاطین کے آخری دور نے محل سرائے میں ہندو رسوم اور شرک و بدعت کے لیے ماحول بے حد سازگار کر دیا تھا۔ رفض و برہمنیت کے جوڑ توڑ سے قرآن و سنت اور سلف کے مکتب فکر کی مشکلات بہت بڑھ گئیں۔ فتنہ اس قدر بڑھ چکا تھا کہ علماء کی معمولی کوششیں کچھ بھی کارگر نہیں ہو سکتی تھیں۔ وقت کسی

بہت بڑی قربانی کا متقاضی تھا۔ رفض کا سازشی مزاج نمایاں ہو چکا تھا اور شرک و بدعت کی سرپرستی کے کے لیے ولایت سے انگریزی فوجیں کلکتہ کے ساحل سے اتر کر دہلی تک پھیل چکی تھیں۔ اس جوڑ توڑ سے اولیاء الشیطان اور اساطین شرک و بدعت کو جس قدر مدد مل سکتی تھی اور جس حد تک وہ مضبوط ہو سکتے تھے ظاہر ہے یہاں معمولی علماء کی دال نہ گلنے تو تعجب نہیں۔ ایسے وقت میں اہل حق کو یا تو پوری قوت سے میدان میں اترنا چاہیئے یا پھر قوتِ اعجاز کا انتظار کرنا چاہیئے۔

ایک قریشی خاندان

موت و حیات کی اس کارگاہ میں وقت کی آواز کے مطابق ایک نجیب الطرفین قریشی خاندان مقتل کی پوری فضا پر قابض ہو گیا۔ اس قربانی کی داغ بیل گیارھویں صدی کے آغاز میں ایک عمری فاروقی نے ڈالی تھی جس نے تجدید کی شان سے شیطان کے لشکروں کو للکارا۔ اس نے اپنی بے پناہ قوت سے شاہ جہان اور جہانگیر کے تاج کو جھنجوڑا۔ اس نے حاکموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکارا کہ یہ تخت و تاج تمہارے اباکی میراث نہیں۔ یہ میرے رحمان اور قہار رب کا عطیہ ہے۔ اگر تم اس کی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرو گے تو یہ تخت و تاج تم سے بزور واپس لے کر کسی اور کے سپرد کیا جائے گا۔ ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لایکونوا امثالکم۔ رحمانی طاقتیں قہاریت کے رنگ میں ظاہر ہوں گی۔

اس مقدس انسان نے پوری سنجیدگی سے کہا تخت و تاج عوام کے حقوق کی حفاظت کے لیے ہے۔ اللہ کی کتاب اور محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی نگہداشت کے لیے ہے۔ جو یہ خدمت نہیں کر سکتا اسے خود بخود یہ کرسی خالی کر دینا چاہیئے۔ اس تخت و تاج کا مقصد خدمت ہے ریاست نہیں۔ یہاں غلامی مطلوب ہے شہزادگی مقصود نہیں۔ اس بادشاہت کا یہ منشا نہیں کہ اللہ کی مخلوق تمہاری تعظیم کے لیے سربسجود ہو اور تمہاری گردنیں رعونت سے تنی رہیں تم رقص و سرود اور فسق و فجور میں زندگی بسر کرو اور یہ مخلوق تمہارے سامنے کورنش بجا لائے۔

اس اخلاص بھری آواز کا جواب قلعہ گوالیار میں قید اور کئی سال تک نظربندی کی صورت میں دیا گیا ——— لیکن یہ استبداد دیر تک نہ رہ سکا۔ آخر جیل کے دروازے کھولنے پڑے۔ نظربندیوں کے تار تار تار

ہو کر رہے اور سچائی کے سامنے جھکنے کے سوا چارہ نہ رہا۔

الم ربانی کے مکتوبات اور مجدد اعظم کی تعلیمات نے جو صور پھونکا تھا اس نے بتدریج حشر کی صورت اختیار کر لی اور ایک پورا خاندان اصلاح حال کے لیے میدان میں آ گیا۔ اس نے ابلیس کو چیلنج کیا کہ وہ راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ جائے خدا سے جنگ کا نتیجہ اچھا نہیں۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ

اس کارزار کے معرکہ میں اسلامی عساکر کی رہنمائی کا ذمہ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لیا۔ انہوں نے حکیمانہ انداز سے پورے ماحول پر نگاہ ڈالی۔ انہوں نے مغل بادشاہوں کی عیاشیوں کو دیکھا اور انہیں اس سے دکھ ہوا۔ ان کے محلوں کی بدعات کو دیکھا تو انہیں رنج ہوا انہیں خواجہ سراؤں کی بدمعاشیاں اور داشتہ عورتوں کی عصمت ریزیاں معلوم تھیں۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مغل خاندان اپنی زندگی کے حقوق کھو چکا ہے۔ اس کی بساط کو زود یا بدیر لپٹنا ہے۔

انہوں نے ان جاہل بادشاہوں کی معذوریوں کو بھی دیکھا۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ رفض نے حب اہل بیت کے نام سے کتنا وسیع جال پھیلا رکھا ہے اور یہ ناخواندہ بے خبر شہزادے کس طرح اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ سبئی برہمنوں نے کیسے ڈھونگ رچا رکھا ہے اور یہی حال اس کے عام علماء اور پیشہ ور فقراء کا تھا۔

پھر گیارھویں صدی کے آغاز میں جہاں گنتی کے چند ابلیس تھے، اب پڑھے لکھے شیطان ہزاروں کی تعداد میں پھیل رہے ہیں جو برائی کو پھیلانے کے لیے پرانے لوگوں کی جگہ سنبھالنے کو منتظر بیٹھے ہیں۔ یعنی اس وقت ہزاروں فتنے صرف لمحوں اور گھڑیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ شاہ صاحب کو دکھ بھی ہوا اور ان لوگوں پر رحم بھی آیا۔ اس لیے اس وقت کے مجدد کی آواز میں کڑک کی بجائے ایک لوچ تھی۔ اب للکار نہیں بلکہ ایک سلجھی ہوئی پکار تھی، راستے اس بھٹکی دنیا پر رحم آیا۔ اس نے پورے ماحول کا جائزہ لیا۔ وہ کبھی تصوف کی زبان میں بولا اور کچھ لوگوں نے سمجھا کہ چھٹی صدی کا غزالی تزکیہ قلب کا پیغام لے کر آیا ہے۔ کبھی وہ پانچویں یا چوتھی صدی کے فقہی جمود کی زبان سے بولا۔ لوگوں نے جانا

فقہی فروع کا ماہر اور سابقہ فقہ کے اجتہاد و استنباط کا بہترین ترجمان دنیا سے ہمکلام ہو رہا ہے۔ کبھی وہ یوں گویا ہوا "فی الجملہ مسلک فقہاء محدثین پسند اوفتاد"۔ دُور اندیش لوگوں نے جانا کہ مسلک سلف کا داعی، فقہی جمود کا محقق و نقاد قرون خیر کا پیغام لے کر دنیا کی رہنمائی کے لیے آپہنچا ہے۔ غرض ہر گروہ نے اسے اپنا سمجھا۔ اور اسی سے استفادہ کی کوشش کی۔ وہ صحیح معنیٰ میں حکیم الامت تھا۔

شاہ صاحب افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اسلام کی سربلندی کے لیے ایسی کوشش فرمائیں جس سے کسی ھنگامہ کے بغیر اپنے مقصد میں فائز ہوسکیں۔ لوگ ان کے ساتھ دین حق کو قبول کریں۔ دین حق پورے سکون کے ساتھ زندگی کے تمام گوشوں پر قابض ہوجائے ۔ شیطان کا لشکر پوری خاموشی سے اپنے لیے کوئی اور راستہ اختیار کرے۔

یعنی تصوف اعتدال پر آئے۔ فقہی جمود ذرا ڈھیلا ہو اور ما انا علیہ واصحابی کے لیے صلح و آشتی سے راستہ صاف ہوجائے دین کا فہم یقیناً ائمہ مجتہدین کے علوم و فیوض سے ہوگا ـــــــ لیکن وہ خود دین نہیں ہوں گے۔ دین کا اصل سرچشمہ بہر کیف اللہ کی کتاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی کو رہنا چاہیے۔ ائمہ مجتہدین کے مکاتب فکر رہنمائی کے فرائض انجام دیں گے۔ خود راہ نہیں بنیں گے۔ حجۃ اللہ البالغہ، مسوّٰی اور مسوی، ازالۃ الخفاء وغیرہ صحف اس حکمت بالغہ اس ساخت فکر اس اعتدال مزاج کا پتہ دیتے ہیں جو حکیم وقت کو عطا فرمائے گئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ انقلاب ـــــــ علم و حکمت اور کتاب و سنت کے احیاء اور اقامت دین کا مدرسہ قرار پائے اور سرزمین ہند اللہ کے نور سے جگمگا اُٹھے۔

ابلیس کی فوجیں:

وقت کا حکیم ان کا خواہشمند ہو، درست ہے۔ لیکن شر پسند طاقتیں اسے کیوں کامیاب ہونے دیں۔ ان کے پروگرام کی کامیابی بد امنی میں ہے کشت و خون میں ہے ہنگامہ آرائی میں ہے۔ یہ حضرات قرآن مجید کے ترجمہ پر ناراض ہوگئے۔ قبر پرستی کی مخالفت سے لڑائی پر آمادہ ہوگئے۔ تعزیہ داری کو اسلام کا شعار ظاہر کیا جانے لگا۔ دنیا کو باور کرایا گیا کہ خدا کی کتاب کو ولی اللہ نہیں سمجھ سکتا۔ اس نے ترجمہ نہیں کیا۔ بلکہ بے ادبی کی ہے۔ انسان کا کمال مقدور کہ وہ کتاب اللہ کے مقاصد کو پاسکے ان مشکلات کے

ہوتے ہوئے شاہ صاحب نے اس مقصد کے لیے مدرسہ رحیمیہ کی مسند سے کام لیا۔ اس مدرسہ میں اساتذہ کی حیثیت مشین کی نہیں تھی۔ نہ طلبہ درساور کا مال تھا کہ منڈی سے نکلے اور بازار میں مہنگے سستے بک گئے۔ یہ مدرسہ ایک مکتب فکر تھا۔ جس میں تصوف کے ساتھ سنت کو آمیز کرنے کی مشق ہوتی تھی۔ فقہ العراق کے ساتھ فقہ الحدیث کا امتزاج کیا جاتا تھا۔ بظاہر یہ فقہ العراق کی ایک درسگاہ تھی۔ لیکن اس طرح کہ اس پر شیخ علی طاہر المدنی نے حدیث سے اس میں جلا پیدا کر دیا تھا۔ وہاں بدعات کے خلاف خاموش جہاد تھا۔ فقہی جمود میں استنباط اور اجتہاد کی خوشگوار آمیزش ہو رہی تھی۔ یہ مدرسہ فکر بڑی سنجیدگی سے سنت اور فقہائے محدثین کے مسلک کی طرف ترقی کر رہا تھا۔ اس کے نامور تلامذہ میں صاحب دراسات اللبیب نے شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی صاحب ایسے فحول اہل علم اس مدرسہ سے فیضیاب ہوئے۔ پھر ہر ایک اپنی اپنی جگہ امت واحدہ تھا۔ وہ اسی مسلک کے مبلغ تھے جو انہیں اپنے استاد محترم سے ملا تھا۔

"بعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ و اصول فقہ و احادیثے کہ متمسک است قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روشنی فقہاء محدثین افتاد" (اتحاف النبلاء ص ۴۲۹)

ترکِ تقلید اور اہلحدیث

مدت سے یہ دونوں لفظ عوام کی زبان پر استعمال ہو رہے ہیں۔ اور انہیں عموماً مرادف سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں دونوں لفظ ایمہ اربعہ رحمہم اللہ اور ان کی طرف منسوب مسالک کی پابندی کے خلاف استعمال کیے گئے ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جمود کی مخالفت ان ایمہ کرام اور ان کے اتباع نے بھی کی ہے۔ اس کے بعد محقق اہل علم، ایمہ اربعہ کے ساتھ عقیدت اور ان کے علوم سے استفادہ کے باوجود بعض فرعی مسایل میں ایمہ اجتہاد سے اختلاف کا اظہار بھی فرماتے رہے۔

امام ابوجعفر طحاویؒ (۳۲۱ھ)، امام ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنیؒ (۲۶۴ھ) شیخ الاسلام محمد بن قدامہ الحنبلی (۶۰۰ھ) حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) وغیرہم ائمہ اربعہ سے بعض کی طرف انتساب کے باوجود ان سے اختلاف فرماتے ہیں اور اس سے ان بزرگوں اور ان کے متوسلین میں کوئی ذہنی تکدر نہیں پیدا ہوتا نہ ان کے علم اور دین میں کوئی حرف آتا ہے۔

علامہ ابوزید عبید اللہ بن عمر بن عیسیٰ الدبوسی (۴۳۰ھ) کی کتاب تاسیس النظر میں حضرات ائمہ اجتہاد رحمہم اللہ کے اختلافات کی متعدد صورتیں مرقوم ہیں۔

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین میں اختلاف

۲۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ میں اختلاف۔

۳۔ امام صاحبؒ، امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ میں اختلاف

۴۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ میں اختلاف۔

۵۔ امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، حسن بن زیاد اور امام زفرؒ میں اختلاف۔

۶۔ احناف اور امام مالکؒ میں اختلاف

۷۔ احناف اور امام ابن ابی لیلیٰ میں اختلاف۔

۸۔ احناف اور امام شافعیؒ میں اختلاف۔

علامہ دبوسیؒ نے ان کے اصول کا بھی ذکر فرمایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں باہم اصولی اختلاف تھے۔ پھر یہ خیال کہ امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ وغیرہم میں تو اصولی اختلاف ہے لیکن ان کے تلامذہ میں اصولی اختلاف نہیں، سطحی معلوم ہوتا ہے کسی تحقیق پر مبنی نہیں بلکہ محض خوش فہمی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ تلامذہ اپنے اساتذہ سے اسی طرح اختلاف فرماتے جس طرح اساتذہ میں باہم اختلاف موجود تھا۔

حضرات ائمہ اور ان کے تلامذہ کے اختلافات بھی اسی طرح اصولی ہیں جیسے خود ائمہ مجتہدین میں

کمی بیشی ہو سکتی ہے نوعیت میں فرق نہیں۔

لفظ غیر مقلّد کی ایجاد :

معلوم ہوتا ہے اس وقت غیر مقلّد کا لفظ یا تو ایجاد ہی نہیں ہوا ہو گا یا پھر بطورِ طعن اس کا استعمال نہیں کیا گیا۔ ایمۂ اسلام، صلحاء امت میں مروج نہیں ہوا تھا۔ یا کوئی سیاسی ضرورت ہی نہ تھی جس کے لیے یہ لفظ ایجاد کیا جاتا۔

اسی طرح تقلید بھی کوئی قابلِ فخر لقب نہیں تھا جس کے ترک کو عیب سمجھا جائے یا اس کے ترک پر کم از کم افسوس ہی کا اظہار کیا جائے۔ بلکہ ایمہ معقول فلاسفہ و متکلمین کے نزدیک چونکہ منقولات کا مقام کسی طرح بھی ظن سے اونچا نہیں، اس لیے وہ ایمہ سنت کو فقیہ ہوں یا غیر فقیہ، مجتہد ہوں یا غیر مجتہد "مقلد" کہتے ہیں اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے ہاں دلیل کا انحصار صرف عقلیات پر ہے۔ امام غزالی رح "فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" میں معتزلہ اور اشاعرہ کے خیالات میں الزامی تقابل اور باہم اکفار و تکفیر کے تذکرہ میں فرماتے ہیں :

فان تخبط فی جواب ھذا او عجز عن کشف الغطاء فیہ فاعلم انہ لیس من اھل النظر وانما ھو مقلد وشرط المقلد ان یسکت او تسکت عنہ۔	"اگر کوئی ان الزامات کے جواب سے عاجز آجائے تو وہ مقلد ہے اور مقلد سے گفتگو کی بجائے خاموشی بہتر ہے۔" (ص ۱۸)

قرونِ خیر کے بعد عمل اور اعتقاد کی دنیا میں عجیب اضطراب معلوم ہوتا ہے۔ تقلید یا جمود تو کیا ہو گا، اعتقاد اور فروع کے معاملہ میں فکر و نظر اور فقہ و اجتہاد کئی مختلف گوشوں میں منقسم نظر آتے ہیں۔ مثلاً :
غسان بن ابان کوفی مرجیہ اور فرقہ غسانیہ کے پیشوا اور امام ہیں اور امام محمد بن حسن الشیبانی رح کے شاگرد ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہیں (الخطط للمقریزی ج ۴ ص ۱۷۱) اور ایمان کی زیادت اور نقصان کے مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رح کے ہم نوا ہیں یعنی ایمان کی زیادتی اور نقصان کے قائل نہیں۔

فرقہ مرلسیہ کے امام بشر بن غیاث مرلسی کے متعلق مقریزی لکھتے ہیں

کان عراقی المذہب فی الفقہ تلمیذ القاضی ابی یوسف یعقوب الحضرمی۔ امام شافعی رح سے اس کا مناظرہ ہوا امام نے اس کے خیالات کا مذاق اڑایا اور فرمایا:

نصفك كافر لقولك بخلق القرآن ونفي	امام شافعی رح نے بشر مرلسی سے کہا کہ تم آدھے
الصفات ونصفك مومن لقولك بالقضاء	کافر ہو کہ تم قرآن کو مخلوق سمجھتے ہو اور صفات
والقدر وخلق اكتساب العباد	باری کی نفی کرتے ہو اور آدھے مومن ہو کیونکہ تم قضاء
(خطط مقریزی ج ۴ ص ۱۷۱)	قدر کو مانتے ہو اور انسانی اعمال کا خالق خدا کو سمجھتے ہو۔

مقلّد اور غیر مقلّد کی اصطلاح:

عقیدت کی اس تقسیم اور عقاید و فروع میں عقیدت کے اس تضاد کے باوجود غیر مقلد یا مقلد کی اصطلاح اس وقت استعمال نہیں ہوئی بلکہ دونوں عقیدتیں ساتھ چلتی رہیں۔ مسایل پر بحث ہوتی اور مسایل کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف فتوے بھی شاید استعمال ہوئے لیکن اشخاص سے عقیدت اور اس کے تغیر کی بنا پر نہ باہم نفرت پیدا ہوئی نہ ہی ان جوہری اختلافات کے باوجود شاید بالالقاب کا شیوہ اختیار کیا گیا۔

حکومت اور مذاہب کی ترویج

تقلید کے رواج پا جانے کے بعد مروجہ مذاہب محض علم و تفقہ یا تعلیم و تلمذ کی بنا پر ہی اختیار نہیں کیے گئے بلکہ اس میں حکومت کے رجحان اور وقت کے سیاسی عوامل کو بھی کافی دخل رہا۔ عہدہ قضا کا بھی ان عقاید و خیالات کی ترویج میں کافی حصہ ہے۔ افریقہ میں عموماً سنت اور آثار کی پابندی کا رواج تھا۔ عام لوگ مسلک اہل حدیث کے پابند تھے لیکن خلیفہ مرتضیٰ بن ہشام بن عبدالرحمٰن (۱۸۰ھ) میں افریقہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ تو انہوں نے یحییٰ بن یحییٰ کثیر کو افریقہ کا قاضی مقرر کیا۔ یہ امام مالک رح کے شاگرد اور ابن وھب (۱۹۷ھ) اور ابن قاسم سے بھی ان کو تلمذ حاصل تھا۔ اندلس میں ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ ان کے حکم کے بغیر کوئی قاضی مقرر نہیں کیا جاتا تھا اور یہ انہیں علماء کو منتخب فرماتے جو امام مالک رح کے عقیدت مند ہوتے۔ مقریزی فرماتے ہیں:

کے جو ا

وعادت الفتیا الیہ وانتھی السلطان والعامۃ الی بابہ فلم یقلد فی سائر اعمال اندلس قاض الا باشارتہ واعتنائہ فصاروا علی مذہب مالکؒ بعد ما کانوا علی رای الاوزاعی اھ (خطط ج ۴ صـ ۲۴۴)

"فتویٰ کا مدار یحییٰ بن یحییٰ پر تھا۔ سلطان اور عوام ان کے محتاج تھے۔ ان کے خلاف منشا کوئی قاضی مقرر نہ ہوتا تھا۔ اس سے پہلے لوگ امام اوزاعی کے عقیدت مند تھے اب سب مالکی ہو گئے۔"

مسئلہ تقلید پر تحقیقی نظر

مئی ۱۹۶۵ء کے 'فاران' میں مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے مروّجہ تقلید کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا حضرت الامیر المرکزیہ فاضل جلیل عالم نبیل حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی شیخ الحدیث گوجرانوالہ مدظلہ نے اس کے پیش نظر مسئلۂ تقلید کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے جو آپ کے سامنے ہے۔

(حنیف)

تقلید کہاں؟

مئی ۱۹۶۵ء کے "فاران" میں مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے مروجہ تقلید کے متعلق اپنے گرامی قدر خیالات کا اظہار فرمایا۔ مولانا نے اس موضوع پر تلخی اور طنز سے بچ کر اپنا نقطۂ نگاہ پیش فرمایا ہے۔ ہم مولانا کے شکرگزار ہیں۔

مولانا نے تقلید کے لغوی مفہوم سے براءۃ کا اظہار فرمایا ہے۔ امید ہے کہ تقلید عرفی اور اصطلاحی مفہوم پر بھی غور فرمائیں گے۔ اہلِ علم اور دانشمند علماء کو اس پر بھی نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔ دراصل یہ مسئلہ اتنا الجھایا گیا ہے کہ انجام کار یہ ایک لفظی نزاع بن کر رہ گیا ہے۔ اصطلاحی مفہوم بھی چنداں دلچسپ نہیں جسے علمی ذہن خوشی سے قبول کریں۔ ایک بحث ضرور ہے معلوم نہیں کب تک رہے۔ جہاں تک نظریہ کا تعلق ہے کسی حلقہ میں بھی اسے قبولیت کا مقام حاصل نہیں۔ دنیا ہر معاملہ میں تحقیق اور بحثِ نظر کی طلبگار ہے۔ محض سنی سنائی بات کو قبول کرنا سنجیدہ اذہان پر ایک بوجھ محسوس ہوتا ہے۔

مولانا نے فرمایا ہے اس کے لیے کوئی اور لفظ ہونا چاہیے۔ میری ادباً گذارش ہے اسے ختم فرمائیے اب اس کی چنداں ضرورت ہے نہیں اتباع اطاعت کے الفاظ ایسے مواقع میں انسانی فطرت کی ترجمانی کرتے ہیں یہ کافی ہیں۔ تقلید کے اصطلاحی مفہوم کو آپ لغوی مفہوم سے کہاں تک الگ رکھ سکیں گے۔ اس میں لاعلمی یا

قلتِ علم تو بہر حال ملحوظ رہے گی۔

تقلید کی تعریف

التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ (مسلم الثبوت ص ۳۵۰ ج ۲)

التقلید العمل بقول غیرک من غیر حجۃ (مختصر ابن حاجب ص ۲۴)

التقلید ھو قبول قول بلا حجۃ ولیس من طریق العلم لا فی الاصول ولا فی الفروع

(اصول فقہ خضری ص ۳۵۷)

التقلید اعتقاد الشئ لان فلانا قالہ مما لم یقم علی صحۃ قولہ برھان (احکام ابن حزم ص ۲۰)

مذکورہ تعریفات سے فواید قیود یا تحلیل نحوی مقصود نہیں مطلوب صرف اس قدر ہے کہ تمام تعریفات میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ تقلید بلا دلیل اطاعت اور اقتداء کا نام ہے جس میں علم و استدلال نظر و فکر کی جگہ صرف حسنِ ظن کو دی گئی ہے اور یہ کہ علماء کی نظر میں یہ علم نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ انسان کے قوام میں علم و تحقیق سمویا گیا ہے۔ لاعلمی اور بلا سوچے سمجھے کسی کے پیچھے لگنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ ٹھیک اسی طرح غیر معلوم مسایل میں علماء کی طرف رجوع اور تحقیق اسے کوئی بھی ناپسند نہیں کرتا۔ شرک اور اس قسم کے الفاظ اسی وقت استعمال ہوں گے جب دلایل سے صرفِ نظر کر کے محض حسنِ ظن پر اعتماد کیا جائے۔ اور ایسی باتوں کو دلیل سمجھا جائے۔ جو حقیقت میں دلیل نہیں۔ اگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اشتراک نہیں تو اسے اور کیا کہا جائے۔

مروجہ مذاہب کی فقہیات میں ایسے مسایل رواج پا گئے ہیں جن کی دلایل سے تائید نہیں ہوتی۔ حسن ظن یا مفروضہ پابندی کی وجہ سے وہ مسایل مسلّمہ اور معمول بہا ہو گئے ہیں۔ مثلاً موالک کے نزدیک نماز میں کھلے ہاتھ چھوڑنا، شوافع کے نزدیک ایسی لڑکی سے نکاح جو ناکح کی اخلاقی کمزوری کا نتیجہ ہو، احناف کے نزدیک قنوت وتر کا وجوب، خمر سے سرکہ بنانے کی اجازت، رضاع کی مدت اڑھائی سال۔ ان جزئیات میں ہر فریق کی موشگافیاں معلوم ہیں۔ مگر صحیح ہے ان کے متعلق کوئی نص موجود نہیں۔ دینی علماء کے خود ساختہ قواعد یا ان پر حسن ظن ہی کی بنا پر یہ مسائل مروّج ہو گئے ہیں اور الزامات اور مناظرانہ لطائف ضرور کتابوں میں ملتے ہیں

لیکن دلائل نہیں

تقلید کا لفظ کب استعمال ہوا؟

مولانا نے فرمایا معلوم نہیں تقلید کا لفظ کب استعمال ہوا۔ آج جو غلط فہمیاں اس کی وجہ سے پائی جاتی ہیں اگر علم ہوتا تو یہ لفظ استعمال نہ کیا جاتا۔ خصوصاً سنن دارمی، عقد الجید، حجۃ اللہ، دراسات اللبیب، میزان شعرانی، بیان العلم وفضلہ، ابن عبدالبر وغیرہ کتب میں اس کا استعمال ائمہ اربعہ اور صحابہ کے زمانہ میں موجود ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:

لا تقلدن فی رجل رجلا دینہ ان امن امن وان کفر کفر

امام احمدؒ نے فرمایا:

لا یقلدن رجل رجلا دینہ ان امن امن وان کفر کفر (ھ)

لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا ولا الاوزاعی وخذ الاحکام من حیث اخذوا (عقد الجید طبع مصر ص۵۳)

یعنی کوئی آدمی اپنے دین میں کسی کی تقلید نہ کرے۔

یعنی کوئی آدمی کسی کی تقلید نہ کرے، اوزاعی نہ مالک کی۔

ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقلید کا لفظ اس وقت کسی خوشگوار انداز سے استعمال نہیں ہوا۔ اسی طرح غیر مقلد کا لفظ شتر بے مہار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ دونوں لفظ اچھے معنے میں استعمال نہیں ہو رہے۔

تحقیق کا فطری ذوق

ائمہ اجتہاد رحمہم اللہ کی طرف سے انتساب اور اس میں غایت درجہ تصلب کے باوجود اتباع ائمہ میں ایسے اہل علم موجود ہیں جو ہر مسئلہ میں تقلیدی پابندی نہیں کرتے بلکہ تحقیق کی بنا پر اختلاف کرتے تھے۔ مختصر الطحاوی میں ایسے مسائل بڑی کثرت سے ملتے ہیں جن میں طحاوی نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف فرمایا ہے۔ معانی الآثار میں بھی اس کی کافی نظائر موجود ہیں۔ تقلید کی مصطلح تعریف کے مطابق ایسے بزرگوں کو مقلد کہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ رجحان تقلید سے بے اعتنائی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

علامہ مرغینانی صاحب ہدایہ، علامہ کاسانی مؤلف البدائع والصنائع اور علامہ سرخسی، قاضی خان، نسفی، ابنِ قدامہ، ابن تیمیہ، علامہ ابو اسحاق، ابراہیم بن علی بن یوسف صاحب مہذب، اسی طرح زنجانی اور باجی، ابن رشد، شاطبی وغیرہم سب اپنے آئمہ کے مذاہب کو روایت اور درایت کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں۔ ان کے طریقِ استدلال سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر ان کے محقق ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس روش کے بعد انہیں اصطلاحاً مقلد کیسے کہا جائے۔ یہ تعریف ان پر کیسے صادق آتی ہے۔ محترم مضمون نگار مولانا عثمانی نے تقلید ثابت کرنے کے لیے ترکِ تقلید کی راہ اختیار فرمائی ہے۔ اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقلید کہاں ہے؟

اہلحدیث یا مخالفینِ تقلید

جو لوگ ترکِ تقلید کے مدعی ہیں یا انہیں غیر مقلد، لامذہب یا وہابی کہا جاتا ہے۔ آپ حضرات اور ان کی روش میں قطعاً فرق نہیں وہ اپنے موقف کی حمایت روایت اور درایت سے فرماتے ہیں آپ اپنے موقف کی عملاً کوئی امتیاز نہیں۔

فقہاء محدثین ائمہ، درایت، حفاظ حدیث، آئمہ اصول سب ان کے خوشہ چین ہیں۔ ان کے علوم سے استفادے کے سوا کسی کو بھی چارہ نہیں پھر آپ مقلد ہیں اور وہ غیر مقلد معاملہ منکرے بود ون وہم رنگِ مستاں زیستن کا ہے۔ ایک عقیدتمند دریافت کرتا ہے کہ یہ تقلید کہاں ہے؟

آپ نے لفظِ تقلید کے متعلق تو فرمایا ہے کہ اس کا استعمال برمحل نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ پوری اصطلاح ہی بے محل ہے کیونکہ تقلید کی تعریف میں تو عدم علم بطور جزو موجود ہے اور اس کی تصریح آئمہ کے ارشادات میں موجود ہے۔ ابن قیم فرماتے ہیں:۔

قال ابوعمرو وغیرہ من العلماء اجمع الناس علی ان المقلد لیس معدوداً من اھل العلم وان العلم معرفۃ الحق بدلیلہ وھذا کما قال ابو عمرو رحمہ اللہ فان الناس لا یختلفون ان العلم المعرفۃ الحاصلۃ عن الدلیل اما بدون الدلیل فانما ھو للتقلید

(اعلام الموقعین طبع دہلی ص ۲ ج ۱)

حافظ ابنِ عبد البر وغیرہ اہلِ علم کے نزدیک علماء کا اجماع ہے کہ مقلد کا شمار اہلِ علم میں نہیں ہوتا۔ علم معرفت الحق مع الدلیل کا نام ہے۔ ابن عبد البر کی بات درست ہے علم اس معرفت کا نام ہے جو دلیل سے حاصل ہو اور دلیل کے بغیر تقلید ہے۔

جمہور شوافع کا خیال ہے کہ مقلد کو فتویٰ نہیں دینا چاہیئے اس لیے کہ وہ عالم نہیں احدھا انہ لا یجوز الفتویٰ بالتقلید لانہ لیس بعلم والفتویٰ بغیر علم حرام ولا خلاف بین الناس ان التقلید لیس بعلم وان المقلد لایطلق علیہ لفظ العالم وھو قول اکثر الاصحاب وقول جمہور الشافعیہ (اعلام صفحہ ۴۰ ج ۱) اکثر شوافع کا خیال ہے کہ تقلید سے فتویٰ نہیں دینا چاہیئے۔ فتوے کے لیے علم ضروری ہے اور مقلد عالم نہیں ہوتا۔ اکثر اصحاب شافعی اور حنابلہ کا یہی خیال ہے کہ مقلد فتویٰ نہیں دے سکتا۔" ابن القیم نے اس ضمن میں اور مسالک کا بھی ذکر کیا ہے۔ غزالی فرماتے ہیں:

انما شان المقلد ان یسکت او یُسکت عنہ (فیصل التفرقہ)

والتقلید لیس بعلم باتفاق اھل العلم (اعلام صفحہ ۲۱۴ ج ۱)

نیز دیکھیئے الکافیۃ الشافیہ ابن قیم ؒ

العلم معرفۃ الھدیٰ بدلیلہ ۔۔۔ ماذاک والتقلید یستویان

اذا جمع العلماءُ ان مقلدا ۔۔۔ للناس والاعمیٰ ھما اخوان

"اہلِ علم کا اجماع ہے کہ تقلید علم نہیں علم ہدایت مع الدلایل کا نام ہے نہ تقلید علم ہے نہ مقلد عالم"۔

آپ حضرات بحمد اللہ عالم ہیں اور احساس کہتری سے مرعوب۔ جناب اگر تقلید زمانہ صحابہ یا تابعین میں ثابت فرمائیں گے تو اس کا مطلب یہی ہو گا کہ یہ زمانہ بھی نظر و فکر اور علم و بصیرت سے خالی تھا یہ کونسا تحفہ ہے جو جناب، صحابہ، تابعین اور آئمہ ہدیٰ کو دے رہے ہیں۔ اپنی نارسائیوں کا اعتراف مناسب تھا۔ اپنی علمی کمزوریاں بھی کچھ سمجھ میں آتی ہیں لیکن یہ دعویٰ کہ ساری دنیا اور اکابر اُمت بھی تقلید کرتے تھے۔ ائمۂ سلف کے متعلق یہ اندازِ فکر اچھا نہیں۔

متقدمین اور علماء کا حال

ایک طرف تقلید کے متعلق پہلے اور پچھلے علماء کی یہ تصریحات موجود ہیں۔ دوسری طرف اہلِ علم کا یہ حال

ہے کہ وہ متون اور شروح میں اپنے مسلک کی حمایت کرتے ہوئے قرآن اور سنت سے استدلال فرماتے ہیں۔
بعض مقامات پر جب آئمہ کی بعض تصریحات کو قرآن یا سنت کے خلاف پاتے ہیں تو پوری جرأت سے
تصریحات آئمہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ امام محمد، امام ابو یوسف، حسن بن زیاد وغیرہ تلامذہ سرخسی، طحاوی رحمہم
اللہ کی کتابوں میں ایسا مواد بکثرت موجود ہے جس میں اختلاف کرکے اپنی راہ الگ اختیار کی گئی ہے۔ کہیں
نصوص کے فہم میں اپنے امام کی رائے کو معیار سمجھتے ہیں۔ اس کے بالمقابل دوسرے امام کی رائے کی کچھ
پروا نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ مجتہد ہیں۔ یہ جرأت تو تحقیق ہی کی بنا پر ہوسکتی ہے۔

شروح حدیث اور متون فقہ کی شروح میں وہ پوری تحقیق کی داد دیتے ہیں۔ فریق مخالف پر الزامات
اور معارضات کی بھرمار کرتے ہیں۔ یہ تحقیق ہے یا تقلید؟

اس کا تو یہی مطلب ہوگا کہ ان حضرات کو عالم ہونے کے باوجود اپنے علم پر بدگمانی ہے۔ وہ تقلید کی
دلدل سے نکلنے کی جرأت نہیں فرماتے۔ یا علم و فہم کو تقلید کا نام دے کر عوام کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔ غرض تقلید
کے مصطلح کے لحاظ سے تو ان حضرات کو مقلد کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

تقلید کہاں؟

ائمہ اجتہاد کو تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ ان کا مقام تقلید کے بندھنوں سے بہت اونچا ہے۔ عامی ویسے
محروم ہے۔ اس کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ العامی لا مذھب لہ

شامی فرماتے ہیں:

قلت وایضا قالوا العامی لا مذھب لہ بل مذھبہ مذھب مفتیہ و عللہ صاحب التحریر

بان المذھب انما یکون لمن لہ نوع نظر واستدلال و بصر بالمذاھب علی حسبہ الخ

(رد المختار ص ۲۹۴ ج ۴)

عامی کا کوئی مذہب نہیں۔ اس کا مذہب اپنے مفتی یا شہر کے امام کا مذہب ہوگا۔ دراصل تقلید تو وہ
کرے گا جسے تھوڑی بہت بصیرت ہو۔ مذہب کی چھوٹی بڑی کتاب پڑھا ہوا ہو۔ کم علم طبقہ جسے فقہیات ائمہ
سے شدبود ہو وہ فقہ ائمہ کی معمولی واقفیت رکھتے ہوں۔ متون اور بعض متعارف مسائل کو جانتا ہو۔ یا

مدرسین کی مختصر سی تعداد جو مدارس میں پڑھاتے ہیں ان کو مناسب استعداد بھی ہے لیکن ان کو یقین دلایا گیا ہے کہ آئمہ اربعہ کے بعد تم کو ماخذ دین سے استدلال اور اخذ کا حق نہیں، تم اپنے علم کو لاعلمی سے تعبیر کرو۔ اور مقلد کہلاؤ۔ ان کی تعداد پانچ فی ہزار بھی شاید نہ ہو۔ یہی بیچارے تقلید کی تجربہ گاہ ہوں گے۔ اس کا نتیجہ بھی یہی ہو گا کہ یہ چند سو یا چند ہزار آدمی مقلد کہلا سکیں گے۔

اور ایک طالب علم ادب سے دریافت کرے گا کہ تقلید پر اجماع کب ہوا، کس نے کیا، کہاں کیا؟ اور ایک ایسی چیز جس کا خارجی وجود ہی عدم کی سرحدوں سے مل رہا ہے جس سے علماء اور عامی دونوں محروم ہوں کہاں ہے۔ یہ علم و عرفان کا ایسا گوشہ جس کی قبول اہل علم کو تو ضرورت ہے نہیں، عوام کی رسائی سے اس کا مقام ویسے ہی الگ ہے اجماعی وجوب کا اثر کونسی مخلوق پر پڑے گا۔ اگر اس کا انکار کر دیا جائے تو لوگ اس سے کہاں تک متاثر ہوں گے۔ مجتہد اور عامی اگر اس کے اثر سے بچ نکلیں تو اس کا حلقۂ اثر کہاں تک وسیع ہوتا اور پھر یہ وجوب شرعی ہوتا یا اضطراری؟

معنی میں لچک

خیال تھا کہ مولانا نے لفظ تقلید میں جس طرح لچک پیدا فرمائی ہے۔ ان کا ذہن بھی کچھ اپنی جگہ سے سرک کر حالات کی سازگاری میں تعاون کرے گا۔ مولانا کے ارشادات میں وہی مناظرانہ تشدد ہے۔ جو عموماً ہمارے علماء کا شیوہ ہے۔ علماء کا ایک طبقہ تقلید کو بدعت کہتا ہے مولانا اسے واجب فرماتے ہیں۔ اتفاق کہاں ہو گا؟

○

آسان اور مشکل

اس کے بعد کئی صفحات میں مولانا نے فرمایا ہے۔ کہ آسان مسائل میں تو تقلید کی ضرورت نہیں۔ لیکن مشکل ذوالوجوہ مسائل میں تقلید کے سوا چارہ نہیں۔ اسی ضمن میں مولانا کا ایک فقرہ عجیب ہے۔ " ان تمام معاملات میں اطاعت خالصۃً اللہ اور رسول کی کرنی ہے۔ اور جو رسول کی بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اور اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو، تو وہ یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔"

یہ بالکل اسی قسم کا فقرہ ہے جو ہمارے بریلوی حضرات فرماتے ہیں۔ ہم اہل قبور اور خانقاہوں کو مستقل بالذات خدا نہیں سمجھتے بلکہ ان کو خدا کے نائب یا مجاز سمجھتے ہیں۔ پھر ادب، وسیلہ، شفاعت وغیرہ عنوانات کے ماتحت شرک کی شاہراہیں کھول دی جاتی ہیں۔ آپ اپنے دروس میں دیکھیں۔ آپ حضرات ہمیشہ نصوص کی تاویل فرماتے ہیں۔ ائمہ کے ارشادات اپنے مقام سے کبھی نہیں ہٹتے۔ اطاعت دراصل ائمہ کی ہوئی، پیغمبر تو قیامت کے دن سوچیں گے کہ نصوص کی ان حضرات نے کس طرح مرمت فرمائی اور راہِ تکلف میں امام کے ارشادات تو اپنی جگہ رہے۔ تاویل کا خنجر احادیث اور نصوص پر چلا۔ اس لیے مستقل بالذات کا تکلف فرماتے تو بہتر ہوتا۔

زمن بر صوفی و ملّا سلامے | کہ پیغام خدا گفتند مارا
دلے تاویل شاں درحیرت انداخت | خدا و جبریل و مصطفےٰ را

رہا آسان اور مشکل کا مسئلہ تو یہ دونوں چیزیں اضافی ہیں۔ ہر مشکل میں نسبۃً آسانی پائی جاتی ہے اور ہر آسانی میں مشکل کے پہلو پائے جاسکتے ہیں۔ اس لیے اس تقسیم کا تقلید پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑے گا نہ ہی اس قسم کی تشکیک کسی حقیقت کے لیے معیار بن سکتی ہے۔

بقول مولانا کے قرء کے معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی۔ زمین کی بٹائی بھی۔ بعض ائمہ اسے جائز سمجھتے ہیں بعض اسے نادرست فرماتے ہیں۔ فاتحہ کے متعلق دو احادیث کا محل صحیح ملنا مشکل ہے۔ حدیث من کان له امام فقراءة الامام له قراءة کا مفاد یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے اور لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کا مطلب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ ضرور پڑھی جائے۔

اس میں اشکال ہے۔ حدیث کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس میں تقلید نے کیا سہولت پیدا کی۔

قرء کے دو معنی سے اپنی لاعلمی اور دوسرے بزرگ پر اعتماد کر کے آپ نے اس کا معنی حیض سمجھ لیا۔ شوافع نے امام شافعی پر اعتماد فرما کر اپنی لاعلمی کے بہانہ سے اس کا معنی طہر سمجھ لیا۔ اس سے نہ آیت کا معنی صاف ہوا نہ کوئی لغوی مشکل ہوئی۔ بلکہ حضرات احناف اور شوافع دونوں مضبوط مورچوں میں بیٹھ گئے

اور ہمیشہ کے لیے جنگ شروع ہوگئی۔ کتب فقہ، ان کے شروح اور حواشی میدان کارزار بن گئے۔ قرآن کی خدمت و سنت کی توضیحات میں کچھ اضافہ ہوا اور لغت کو اضداد کے متعلق کوئی اصول مل سکا۔ آسان مقامات میں تقلید کی ضرورت نہ تھی یہ نسخہ بیکار تھا۔ مشکل میں جنگ بدستور جاری رہی۔ اس کوہ کنی و کاوش آری سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔

اگر انصاف اور حق پسندی سے کام لیا جائے تو ساری کوشش اکارت اور محنت بیکار گئی۔ جنگ بدستور رہی اور میدانِ وغا میں صلح کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔

بالکل یہی حال اس جنگ کا عشایرہ اور سورہ فاتحہ کے وجوب اور فرضیت کا رہا۔ نزاع وہیں کی وہیں رہی تقلید اور ترک تقلید نتائج کے لحاظ سے یکساں اور برابر رہا۔ اگر تقلید سے اختلاف ختم ہو سکتا تھا تو پھر آپ حضرات ان موریوں میں کیوں تن گئے۔

رشتۂ الفت میں اگر ان کو پرو سکتا تھا تو
منتشر کیوں پھر تیری تسبیح کے دانے رہے

مولانا یقین فرمائیں۔ بعض علماء سے استصواب ان کی آراء کو نصوص کی روشنی میں قبول کرنے کو نہ کوئی شرک کہتا ہے نہ گناہ۔ بحث اس وقت ہوتی ہے جب کسی عالم کے فہم کو واجب الاتباع قرار دیا جائے اور اس سے اختلاف کو شرعاً حرام قرار دیا جائے حتیٰ کہ عالم اور مجتہد سے تعلق توڑ لیا جائے۔ عملاً مرتبہ رسالت سے کون سی کمی رہ جاتی ہے۔

تقلید مطلق اور شخصی

مولانا نے یہاں تقلید کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ہر قسم کو ثابت کرنے کے لیے تقلید کی حدود سے عبور فرمانا پڑا ہے۔ ہم حضرت مولانا کی اس جرأت پر ان کے شکر گذار ہیں اور سوچتے ہیں کہ تقلید کہاں ہے؟ بڑے ادب سے گذارش ہے کہ جناب جسے تقلید مطلق یا تقلید عام فرماتے ہیں یہ قطعاً متنازعہ فیہ نہیں جس کے لیے جناب فکر و نظر کی تکلیف فرماتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شاگرد استاد سے متاثر ہوتا ہے اور ہر بے علم یا کم علم کو کسی عالم کی طرف توجہ

کرتا ہوتا ہے ۔ بلکہ ہر عالم اعلم کی طرف اور مفضول افضل کی طرف بوقت ضرورت رجوع کرے گا یہ فطرت کا تقاضا بھی ہے اور قرآن عزیز کا ارشاد بھی۔ اس حقیقت سے نہ کسی نے انکار کیا نہ اس کا انکار ممکن ہے۔ بلکہ متاخرین کے علم کی تو بنیاد ہی متقدمین کے علوم پر ہے۔ ہم لوگ اسے تقلید نہیں سمجھتے بلکہ یہ علمی استفادہ ہے۔ ہر ایک ذہن [illegible] طور پر دوسرے کو مطمئن کرتا ہے۔ دوسرا ذہن تقلیداً نہیں بلکہ تحقیقی طور پر علم و فکر سے متاثر ہوتا ہے۔ اسے تقلید کہنا غلط ہے۔ اگر آپ اس اصطلاح پر مصر ہوں تو ہم اسے خارج از بحث سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ نہ ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ، امام ابو حنیفہ کے مقلد تھے نہ مزنی شافعی کے مقلد نہ اشہب اور ابن وہب، مالک کے مقلد۔ نہ ابوداؤد اور ابن قدامہ، ابن تیمیہ اور امام احمد کے مقلد۔ یہ ایک تلمیذ کا اپنے شیخ سے تاثر ہے جس کے نتیجہ میں بعض مسائل میں وہ اپنے شیخ سے متفق رہے اور بعض مسائل میں اپنے شیخ سے اختلاف کیا۔ اس کا جو نام آپ رکھیں یہ علمی استفادہ ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

مولانا کا ارشاد:

"تقلید کی ان دونوں قسموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک شخص براہِ راست قرآن و سنت سے مسائل مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ جسے قرآن و سنت کا ماہر سمجھتا ہے اس کے فہم و بصیرت اور تفقہ پر اعتماد اور اس کی تشریحات پر عمل کرتا ہے۔" صفحہ ۴۱

کلمہ حق اُرید بہ التمویہ کے سوا کچھ نہیں۔ اگر مستفید جاہل ہے تو وہ امام یا مسئول کی مہارت کیسے معلوم کرے گا۔ اگر مہارت علمی کا جائزہ لے سکتا ہے تو وہ اس کی فقہ پر کیوں اعتماد کرے۔ اس کے باوجود ماحصل تو یہی ہو گا کہ یہ اعتماد وہی لوگ کریں گے جن کو ذاتی بصیرت اور تفقہ سے حصہ نہ ملا ہو۔

اس کے بعد مولانا نے تقلید مطلق کے اثبات پر جن آیات اور احادیث سے استدلال کیا ہے اس پر گفتگو کی ضرورت نہیں۔ اس قسم کا اتباع اور اطاعت تو طبعاً درست ہے۔ گو ایک آیت بھی اس کی تائید نہ کرے لیکن یہاں پہنچ کر مولانا کے انداز میں ضیق سا پیدا ہو گیا ہے مزاج میں وہ وسعت نہیں رہی جو ابتدائی سطور میں تھی۔ مولانا اسی سطح پر اُتر آئے جس پر مرحوم مولانا مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی رہے اور اسی انداز کے لوگ اس موضوع پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

آیت ا: ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم (نساء ۸۳)

اگر وہ خوف امن کی مصنوعی اطلاعات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے با اختیار صحابہ کے سامنے پیش کرتے تو وہ اس سے صحیح نتائج اخذ فرماتے۔

جصاص وغیرہ نے نقل اقوال کے سلسلہ میں علماء و فقہاء وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن سیاق اس عموم اور شمول سے ابا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ میں مرجف اور ارباب نفاق کی ایک خاصی تعداد موجود تھی جو امن اور خوف کی افواہیں اڑاتے رہتے تھے۔ اس سے بدمزگی اور بدامنی پیدا ہوتی۔ مسلمان بعض وقت سادہ لوحی سے ان افواہوں کا شکار ہو جاتے تھے جس سے بدامنی کا خطرہ ہو جاتا۔ اس حرکت سے اہل ایمان کو روکا گیا اور ہدایت فرمائی کہ ایسی باتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اولی الامر صحابہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے۔

اولی الامر کے معنی میں علامہ جصاص کے رجحان کے لیے واقعی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن سورہ نساء کی آیت میں قرآن کا تقاضا شرعی مسایل اور فقہی موشگافیوں کی بجائے سیاسی افواہوں اور ارجاف کی مساعی کو تاکام کرتا ہے اس لیے اس آیت کو مصطلح تقلید کی کسی قسم سے بھی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ غایت یہ کہ اس میں استنباط احکام کی اجازت دی گئی ہے۔ اور اس سے اولی الامر اور ارباب استنباط کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس رکوع کے بعد دور تک جنگ کے اثرات اور اہل نفاق کی شرپسندیوں کا تذکرہ چلا گیا ہے۔ اس لیے اولی الامر سے فقہاء و علماء مراد لینا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ علامہ جصاص نے مناظرانہ انداز سے دفاع فرمایا ہے جو چنداں وزنی نہیں۔ مولانا اگر اس کے آگے دو تین رکوع ملاحظہ فرمائیں گے تو یقیناً میری گذارش کو صحیح تصور فرمائیں گے۔ لیکن ایام جنگ کے مخصوص حالات کو مولانا اشاعت دین کے پرامن حالات پر مسلط فرمانا چاہیں تو وہ مختار ہیں۔

دوسری آیت میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ حالات کچھ بھی ہوں۔ ملک میں جنگ ہو یا صلح، تبلیغ اور اشاعت دین، تعلیم و تدریس اور تفقہ فی الدین کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ یہ اہل علم جنگ وغیرہ مشاغل سے واپس آنے والوں کو دین اور اسلام کی باتیں سکھانی چاہئیں اس میں تقلید مروج کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ درس و تدریس، تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے تاکہ جنگوں کے مشاغل اور کاروبار کے جھمیلوں میں دینی علوم ضائع نہ ہو جائیں۔ اور علم و دانش کی محفلیں ویران نہ ہو جائیں تقسیم کار کے طور پر کچھ لوگ اسلامی

قلمرو کی حفاظت کریں۔ اور کچھ قرآن و سنت میں تفقہ اور ضبط کے لیے اوقات عزیزہ وقف کریں جنگ سے واپسی پر عسکری حضرات بھی اپنی وسعت اور استعداد کے مطابق ان علوم سے استفادہ کریں۔ آپ ان تذکیر اور تدریس کی مجلسوں کو تقلید کا عنوان دینا چاہتے ہیں تو اس اصطلاح کی وضع میں آپ مختار ہیں حقیقتہً اس میں تقلید کا شائبہ بھی نہیں۔ کند ذہن اور ذہین آدمی اپنی استعداد کے مطابق اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

جصاص فرماتے ہیں وفی ھذہ الآیۃ دلالۃ علی وجوب طلب العلم وانہ مع ذالک فرض علی الکفایۃ لما تضمنت من الامر بنفر طائفۃ (ص ۱۹۲ ج ۳) اس آیت سے طلب علم کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ علامہ جصاص کی نظر میں بھی اس سے تقلید ثابت نہیں ہوتی۔ پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ پورا طائفہ مجتہد ہو۔ اس لیے کہ کوئی سمجھدار آدمی اس سے مصطلح تقلید نہیں سمجھ سکتا۔

واتبع سبیل من اناب الی سے تقلید عام یا تقلید مطلق کا اثبات سینہ زوری اور علمی طغیانی کے سوا کچھ نہیں۔ بیشک من کے مفہوم میں عموم ہے۔ لیکن صلہ میں انابت الی اللہ موجب اتباع سمجھا گیا ہے۔ جس کے مصطلح اجتہاد کو بڑی بات عرفی علوم کا جاننا بھی ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ پھر جناب اسے تقلید مروج کے لیے کیسے مفید سمجھتے ہیں علیکم بالفقہ والمدینۃ والانابۃ الی اللہ والابتھال الیہ مثل ھذہ المسائل التی قد انشقت بسببھا عصا الامۃ المرحومۃ وصاروا اشتاتا۔

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (حذیفہ) اس حدیث سے تقلید عام پر استدلال نہایت تکلف ہے۔ اگر مفتی ہیں اجتہاد کی جرات فرما کر حضرت اقتداء کے معنی تقلید مصطلح فرما سکتے ہیں تو اسی سے تقلید شخصی ثابت فرمائیں۔ پھر دو ائمہ اجتہاد کا نام تو صراحتہً موجود ہے۔ اگر اس قدر جرات نہیں تو یہ تکلف بھی چھوڑ دیجئے۔ آپ ایسے اکابر رجال سے استدلال مذاق سا معلوم ہوتا ہے۔ یہ آپ کا ارشاد درست ہے یہاں اقتداء سے مراد صرف انتظامی امور نہیں بلکہ انتظامی اور دینی دونوں مراد ہیں اقتدی بفلان تسنن بہ و فعل فعلہ یعنی اطوار اور عادات اور افعال ہیں یا تقلید اتباع اور تتبع پر لفظ بولا جاتا ہے جس طرح مقتدی افعال نماز میں امام کا اتباع بھی کرتا ہے۔ لیکن اگر امام طے شدہ راہ سے انحراف کرے تو اسے تسبیح اور تصفیق سے ٹوک بھی سکتا ہے۔

آپ ایسے اہلِ علم قطعاً جانتے ہیں یہ مصطلح تقلید سے بالکل مختلف ہے۔ اس تقلید میں ایک عامی، مجتہد پر تنقید اور اس کی روش پر اسے ٹوک سکتا ہے کاش! جناب نے اصلاح کے لیے جب قدم اٹھایا ہے تو پرانی مناظرانہ راہوں سے مختلف راہ اختیار فرماتے سو پرانی اور فرسودہ ہو چکی ہیں وہی لقمے جو بارہا چبائے جا چکے ہیں چبائے جا رہے ہیں۔

تقلید مطلق کی مثالیں

جناب کا یہ ارشاد درست ہے۔ تقلید عام کی ایسی مثالوں سے جناب مستقل کتاب تیار فرما سکتے ہیں مگر ادباً گذارش ہے کہ ایسی کتاب کی بازار میں دو کوڑی قیمت نہیں ہوگی۔ جناب کے ارشاد فرمودہ چار دلائل کا تفصیلاً علمی محاسبہ کیا جائے تو آخر اس میں کیا ہے۔

فقیہ اور غیر فقیہ صحابی

اسی طرح صحابہ میں فقیہ اور غیر فقیہ کی تقسیم شرمناک ہے اور صحابہ کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار رفض اور تشیع کا بقیہ ہے۔ ائمہ اصول نے قاضی عیسٰی بن ابان کے اسی نظریہ کی تائید فرما کر اعتزال اور رفض کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اس کے بالمقابل علامہ سرخسی کی رائے محقق اور درست ہے کشف الاسرار اور غایۃ التحقیق شرح حسامی میں اس مقام کو ملاحظہ فرمائیں۔ اصول کے طلبہ کو اس سوءِ ادب پر متنبہ فرمائیں۔ آپ حضرات اپنے مصارف پر مدارس میں اعتزال اور رفض کی آبیاری فرماتے ہیں۔ قرآن عزیز کا یہ ارشاد درست ہے وفوق کل ذی علم علیم (یوسف)

صحابہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں وہ حضرات بلا تخصیص عالم اعلم کی طرف۔ اور مفضول افضل کی طرف رجوع فرماتے۔ بعض اوقات بحث و نظر میں محض توجہ سے ذہن صاف ہو جاتا نہ ہول دور ہو جاتا بات طویل نہ ہونے پاتی۔ بعض اوقات بحث و نظر کی نوبت آتی۔ حوالہ دینے کے بغیر مسئلہ صاف نہ ہوتا۔ آپ نے کسی قدر غلط فرمایا:

"اور شاید کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہ ہو جس میں انہوں نے مسئلہ کی دلیل پوچھی ہو"

کوئی پڑھا لکھا طالب علم جس کی دواوین سنت پر نظر ہو یہ جرأت نہیں کر سکتا جو جناب نے فرمائی۔ فاطمہ بنت

قیس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنقید کا یہ حال ہے کہ حوالہ دینے پر بھی اطمینان نہیں لاندری احفظت ام نسیت۔ حضرت عمار اور حضرت عمرؓ کی تیمم جنابت پر گفتگو۔ حضرت عمار پنا حوالہ دیتے ہیں۔ حضرت عمر کی معیت تبلاتے ہیں۔ حضرت عمر مطمئن نہیں ہوتے۔ نہ ان کو اظہار حق سے روکتے ہیں۔ اس تحقیق و تفقہ کے دور میں آپ تقلید کی تلاش فرماتے ہیں۔ انا للہ

متعۃ الحج کے معاملہ میں حضرت عمر اور حضرت عثمان کی رائے سے جمہور صحابہ کا اختلاف حوالے سن لینے کے بعد بھی ہر مجتہد اپنی رائے پر قائم رہا۔ آپ فرماتے ہیں حوالہ پوچھنے کا ایک واقعہ بھی نہیں پایا جاتا۔ ع

ایں چہ می بینم بہ بیداری است یارب بخواب

آپ ایسے اکابر سے اس ذہول کی امید نہ تھی۔

استیذان کے متعلق حضرت ابوموسیٰ اشعری سے شہادت طلب کی۔ ابوموسیٰ اشعری مسجد پہنچے۔ وہاں سے ابی بن کعب ان کے ساتھ تشریف لائے۔ جب حوالہ کے ذریعہ ابوموسیٰ کی تصدیق ہوئی تو معاملہ ختم ہوا (دیکھو صحیح مسلم ص ۲۱۱ ج ۲)

آپ حضرات کے ہاں حدیث کا چونکہ صرف دورہ ہوتا ہے۔ سوچنے کا موقعہ کم ملتا ہے۔ ورنہ آپ کے قلم سے یہ فقرہ نہ نکلتا۔ امید ہے آپ اس پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

○

صحابہ تمام جس طرح عدول تھے اسی طرح وہ سب فقہاء بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نہ کوئی غیر فقیہ تھا نہ غیر عادل۔ قاضی عیسیٰ بن ابان بیچارہ کون ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو غیر فقیہ کہے۔ یہ حضرت خود معتزلہ کے پنجے میں پھنس گئے۔ اصول فقہ میں اعتزال کے جراثیم سب بشر مریسی اور قاضی عیسیٰ بن ابان وغیرہ کی معرفت آئے۔ اہل علم کے قلم سے صحابہ کے متعلق ایسے الفاظ سن کر دل لرز جاتا ہے۔

آپ نے موطا امام مالک سے عبید بن ابی صالح کا قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے دار نخلہ کے لوگوں کے پاس ادھار پر گندم فروخت کی۔ پھر انہوں نے خواہش کی کہ اگر وہ متعین قیمت میں کمی کر دیں۔ تو رقم نقد

لے لیں۔ زید بن ثابت نے روک دیا وہ رک گئے"۔ لیکن حضرت: ایک عالم جب دوسرے عالم سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے، اس کا مقصد یا طمانیت ہوتا ہے یا ذہول کا علاج یا مزید تحقیق۔ صحیح بات معلوم ہونے پر ذہن اسے قبول کر لیتا ہے۔ بحث کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسے تقلید سمجھنا آپ ایسے عالم کی زبان سے بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ آخر تقلید جسے آپ نے ان لوگوں کے لیے اجازت دی ہے"۔ جو قرآن و سنت سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے"۔ یہ کونسا مقدس تحفہ ہے جسے آپ صحابہ کے لیے ثابت فرما رہے ہیں۔ ابن القیم کی زبان میں اس کی نوعیت جہالت کی ہے ؎

العلم معرفة الهدى بدليله ماذاك والتقليد يستويان

اذ اجمع العلماء ان مقلد النا س كا الاعمى هما اخوان

عہدِ صحابہ میں تقلید شخصی

مولانا نے اس عنوان کے تحت تین دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ ان دلائل پر تنقیدی گذارشات سے پہلے تقلید شخصی کا مفہوم مولانا کے لفظوں میں سامنے رکھیں۔ اور غور فرمائیں۔ کہ یہ دلائل مولانا کے مقصد کے لیے کہاں تک مفید ہیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کے لیے کسی ایک عالم یا مجتہد کو معین کر لیا جائے اور ہر ایک مسئلے میں اس کی رائے اختیار کی جائے۔

پہلی دلیل

ان اهل المدينة سئلوا ابن عباس عن امرءة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا ناخذ بقولك وندع قول زيد (بخاری مطبوعہ انصاری جلد ۱ صفحہ ۲۳۷)

اہلِ مدینہ نے حضرت ابن عباس سے دریافت فرمایا کہ طوافِ افاضہ کے بعد اگر عورت کو ماہواری ایام آجائیں تو آیا طوافِ وداع کے لیے بیت اللہ میں ٹھہرے یا وطن واپس چلی جائے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اسے انتظار کی ضرورت نہیں۔ وہ واپس چلی جائے۔ اہلِ مدینہ زید بن ثابت کے فتوے کی بنا پر یہ سمجھتے تھے کہ اسے طوافِ وداع تک ٹھیرنا چاہیے۔ انہوں نے اس پر اصرار کیا کہ زید کا فتویٰ درست ہے ہم آپ کی بات نہیں مانتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مدینہ کے اہلِ علم سے دریافت کرو۔

ان لوگوں نے حضرت اُمِ سلیم والدہ حضرت انسؓ اور دوسرے اہلِ علم سے دریافت کیا۔ صحیح بخاری کے الفاظ اس طرح ہیں فکان فیمن سألوا ام سلیم۔ جن اہلِ علم سے دریافت کیا گیا ان میں حضرت ام سلیم بھی تھیں۔ ام سلیم نے حضرت صفیہ کی حدیث کا حوالہ دیا۔ کہ آنحضور علیہ السلام نے ان کو بلا طواف وداع واپسی کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔

بعض روایات میں اسے حضرت ابن عباس اور زید بن ثابت کی نزاع ذکر فرمایا۔ جس میں زید بن ثابت نے حضرت ابن عباس کو اپنے رجوع کی اطلاع دی۔

تعجب ہے ایک دارالعلوم کے صدر مدرس اسے تقلید شخصی کی دلیل سمجھیں۔ حالانکہ یہ تحقیق کا ایک شاہکار ہے۔ اختلاف سے پہلے وہ لوگ زید کے فتوے پر مطمئن تھے۔ اپنے معلومات پر اصرار اور اعتماد قدرتی بات ہے لیکن یہ اصرار مقلدانہ نہ تھا بلکہ وہ تحقیق کے لیے آمادہ ہوئے۔ حضرت اُمِ سلیم اور دیگر فقہاء صحابہ سے ان حضرات نے تحقیق کی۔ حضرت عائشہؓ۔ ام سلیمؓ۔ صفیہؓ۔ ابن عمرؓ۔ ابن عباسؓ ایسے فقہاء حدیث کے فتووں سے اس میں تحقیقی استفادہ کیا گیا۔ اپنے علم پر اعتماد کا نام مولانا تقلید رکھتے ہیں۔ اگر وہ حضرات مقلد ہوتے تو اپنے امام کے سوا کسی کی بات نہ سنتے۔ وہ تو پختہ کار محقق ٹھہرے۔ شبہ ہوتے ہی تحقیق کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کئی مجتہدین کے آثار کی تلاش کی۔ بالآخر زید کا قول غلط نکلا۔ تمام حضرات نے حضرت عباس کا فتویٰ قبول فرمایا۔ زید بن ثابت نے خود اپنے رجوع کی اطلاع حضرت ابن عباس کو دی۔ آپ اسی مقام سے عمدۃ القاری بھی ملاحظہ فرمایئے۔ وہاں حافظ ابن حجر کی عبارات کے توارد کے بعد مزید بعض چیزیں لکھی ہیں جس سے مسئلہ کے فہم میں سہولت ہوتی ہے۔ حافظ عینی کو وہ دور کی بات نہیں سوجھی جو ہمارے دارالعلوم کے صدر صاحب کو سوجھی۔

پھر یہاں تلاش اور ٹٹول کسی رائے کی نہیں تاکہ تقلید کی جائے بلکہ یہ تمام مجتہدین نص کی تلاش فرما رہے ہیں۔ چنانچہ عینی، ثقفی کے حوالہ سے ذکر فرماتے ہیں فرجعوا الی ابن عباس قالوا وجدنا الحدیث کما حدثتنا (عمدۃ القاری صفحہ ۷۷، جلد ۴) حدیث واقعی اسی طرح ہے جس طرح آپ نے فرمایا۔ اس وقت کے مجتہد خود اس تحقیق میں مشغول ہو گئے اور اس کے نتیجہ کی اطلاع مسکراتے ہوئے ابن عباسؓ کو دی۔

(فتح الباری ص ۱۷۱) کہ آپ کے فتوے کے مطابق نص مل گئی۔ زید بن ثابتؓ کے فتویٰ کی اہمیت ختم ہو گئی۔

تقلید کے متعلق خود جناب نے فرمایا "کسی ایک عالم کو متعین کر لیا جائے اور ہر ایک مسئلے میں اس کی رائے اختیار کی جائے" (فاران ص ۱۲ مئی ۱۹۶۵ء) ایک مسئلہ میں آپ نے زید بن ثابت کی تقلید اور پھر شخصی ثابت فرما دی۔ سبحان اللہ! جب معاملہ نص کی تلاش کا ہے تو گناہ "یا شرک" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ادباً گذارش

ایسا ذہین آدمی جو تقلید کو ایسی جگہ سے کشید کرتا ہے جہاں اس کا نام و نشان نہیں جہاں حافظ ابن حجر اور حافظ بدر الدین عینی خاموش ہو گئے اور ان کو بھی تقلید کی نہیں سوجھی۔ معلوم نہیں آپ حضرات صدیوں پہلے گذرے ہوئے مجتہدین کے کیوں منت کش ہوتے ہیں۔ اور اپنے متعلق آپ کو کیوں بدگمانی ہے کہ آپ میں کوئی صلاحیت نہیں ہمت فرمایئے اور اپنے فہم و فراست پر بدگمانی نہ فرمایئے۔ اگر مجتہد مطلق نہ بن سکے تو تقلید سے بچ سکیں گے انشاء اللہ

وکم من عائب قولا صحیحا   وآفته من الفهم السقیم

ہاں تو حضرت زید بن ثابت کے فتویٰ پر اہل مدینہ کے اصرار کی وجہ پر بھی غور فرمایئے۔ اس وقت زید بن ثابت کے علم کی شہرت حضرت ابن عباس سے زیادہ تھی اور اس کے کئی وجوہ تھے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے زید بن ثابت کی عمر گیارہ سال کی تھی حضرت ابن عباس سے یہ معمر تھے۔ حضرت ابن عباس آنحضرتؐ کے انتقال کے وقت آٹھ نو سال کے تھے۔

۲۔ حضرت زید بن ثابت کاتب وحی تھے اور مدت العمر آنحضرتؐ کے ساتھ معتمد عمومی کے طور پر کام کرتے رہے۔ عموماً بیرونی خط و کتابت ان کی معرفت ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کے حکم سے انہوں نے عبرانی زبان پڑھی تاکہ یہود کی دھوکہ بازیوں کا خطرہ نہ رہے۔

۳۔ ان کی علمی قابلیت اور دینی تجربہ اور علمی تبحر کی بنا پر اکابر صحابہ کی موجودگی میں حضرت ابو بکر نے انہیں قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دیا۔

۴۔ حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے براہ راست شاگرد تھے۔

۵۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ۔ ابوسعید خدریؓ۔ سہیل بن حنیفؓ۔ طاؤس عطاء بن یسار ایسے صحابہ اور تابعی ان کے شاگرد تھے۔

۶۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں۔ زید بن ثابت کے جنازہ میں حاضر ہوا۔ جب انہیں قبر میں رکھا گیا تو ابن عباس نے فرمایا۔ جو علم کے فقدان کا منظر دیکھنا چاہیے۔ وہ یہ نظارہ دیکھ لے۔ آج علم کی کثیر مقدار دفن کردی گئی۔ ان کی موت کے دن حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا آج اس وقت کا عالم فوت ہوگیا۔ ممکن ہے اس خلا کو ابن عباسؓ پورا کرسکیں (تہذیب التہذیب صفحہ ۳۹۹ ج ۳)

زید بن ثابت کے ہوتے ہوئے اہل مدینہ کا ابن عباس کے متعلق تامل قدرتی تھا۔ آپ نے اسے تقلید بنا دیا۔

دوسری دلیل

مولانا نے تقلید شخصی کی دلیل حضرت ابوموسیٰ اشعری کا ارشاد ذکر کیا ہے۔ جو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق فرمایا لا تسئلونی مادام ھذا الحبر فیکم۔ ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے "جب تک عبداللہ بن مسعود موجود ہوں۔ مجھ سے کوئی مسئلہ مت پوچھو" مولانا نے اس کا مطلب یہ فرمایا ہے کہ "انہوں نے ہر مسئلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا" مولانا کرم غور فرمائیں۔ عبارت سے یہ مفہوم بالکل سمجھ میں نہیں آتا۔

یہ تو درست ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی موجودگی میں حضرت ابوموسیٰ سے نہ پوچھا جائے۔ لیکن ہر مسئلہ عبداللہ بن مسعود ہی سے پوچھا جائے اور کسی عالم سے نہ پوچھا جائے بڑی سطحی بات ہے۔ حضرت ابوموسیٰ سے ایسا فرمانے کی امید ہی نہیں کی جاسکتی۔ اس وقت اکابر صحابہ موجود تھے وہ ان کی طرف رجوع سے کیسے روک سکتے تھے۔ غایت یہی ہوسکتی ہے کہ افضل کے ہوتے مفضول کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ ہر مسئلہ اور صرف ابن مسعودؓ کی تخصیص پوری عبارت میں قطعاً نہیں۔ مولانا کا اجتہاد ہوسکتا ہے

جب تک ہر مسئلہ اور ابن مسعود کی علی الاطلاق تخصیص ثابت نہ ہو تقلید شخصی کا اثبات مشکل ہے۔

پھر اس وقت کی روش یہ معلوم ہوتی ہے کہ بلا تقلید اور بلا تعیین علماء سے مسائل دریافت فرمائے جاتے چنانچہ انہوں نے حسب عادت ابو موسیٰ رض کی طرف بھی رجوع فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رض کی طرف بھی اور یہی عامی کا فرض ہے کہ وہ بلا تخصیص علماء کی طرف رجوع کرے اور علماء بلا تعیین انہیں اعلم اور افضل کے پاس بھیج دیں۔ پھر یہاں بھی عبداللہ بن مسعود کے قول کو اس لیے ترجیح دی گئی کہ انہوں نے حدیث ذکر فرمائی۔ رائے کا سوال ہی نہیں۔ فرمائیے یہ تقلید کے لیے کیسے دلیل بنی؟ مولانا آپ ایک دارالعلوم کے مدرس ہیں آپ کو ایسی کچی باتیں نہیں کہنی چاہئیں۔

نیز اس پر بھی غور فرمائیں کہ اگر زمانہ صحابہ میں عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت ایسے ائمہ اجتہاد موجود ہیں تو پھر انہیں ان کے اس مقام سے کس نے معزول کیا اور ان کی جگہ ائمہ اربعہ کو کس پیغمبر نے دی؟ صحابہ کا مقام تو ہر لحاظ سے اونچا سمجھنا چاہیئے۔ کیا مجتہدین صحابہ کا مقام ائمہ اربعہ سے کم ہے؟

تیسری دلیل

حضرت مولانا نے حضرت معاذ بن جبل کی اس گفتگو سے استدلال فرمایا جو انہوں نے یمن جاتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائی۔ یقیناً اس میں قاضی کے لیے بہترین رہنمائی ہے۔ حکام اور قضاۃ کے لیے یہ عظیم الشان اساس ہے۔ لیکن تقلید کے لیے اس میں کوئی مقام نہیں۔ آپ غور فرمائیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رض کو اس لیے یمن بھیجتے کہ اہل یمن انہیں مجتہد سمجھ کر ان کی تقلید کریں تو ان سے اس دریافت کی ضرورت نہ تھی کہ آپ فیصلہ کیسے کریں گے بلکہ حضرت معاذ کو ایک سرکاری دستاویز عنایت فرماتے کہ مجتہد صاحب تمہارے پاس تشریف لا رہے ہیں۔ تم سب ان کی تقلید کرنا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس سے بالکل مختلف ہے حضرت فرماتے ہیں:۔

عن معاذ ان رسول اللہ صلعم لما بعثه الی الیمن قال کیف تصنع ان عرض لك قضاء قال اقضی بما فی کتاب اللہ قال فان لم یکن فی کتاب اللہ قال فبسنة رسول اللہ صلعم قال فان لم یکن فی سنة رسول اللہ صلعم قال اجتهد برائی ولا آلو قال فضرب رسول اللہ صلعم علی

صدرہ قال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ یرضی بہ رسول اللہ (اعلام الموقعین ص۲، طبع ہند)

"یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے دریافت فرمایا تم پیش آمدہ جھگڑوں میں کیسے فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے اپنا طریق بتایا کہ میں پہلے قرآنِ عزیز کی طرف رجوع کروں گا پھر سنت کی طرف، پھر اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا۔"

اس کا تعلق حکم اور قضاء سے ہے افتاء سے نہیں۔ تقلید کا تعلق بظاہر افتاء سے ہے۔ ابن قیم فرماتے ہیں قد جوز النبی صلعم للحاکم ان یجتہد برایہ بہ وجعل لہ مخطئ فی اجتہادہ اجرا (اعلام صفحہ ۱)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے پھر آپ نے تقلید کی جو تعریف فرمائی ہے ہر مسئلہ میں اس کی رائے پر پابند ہونا مرقوم ہے یہاں اس کا ذکر نہیں۔

حضرت معاذؓ کے اجتہاد اور رائے کے متعلق اہل یمن کیا طریقِ عمل اختیار کریں۔ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حرف بھی ارشاد نہیں فرمایا۔ قضاء کی صورت میں رفع نزاع کے لیے حاکم کا حکم قبول کرنا ہوگا مگر اس کے خلاف اپیل دوسرے علماء کی طرف رجوع؟ تو اس سے حضرت معاذؓ کے اثر میں قطعاً نہیں روکا گیا۔

حضرت معاذ کا دوسرا اثر اسے واضح کرتا ہے۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں "فتنے ہوں گے۔ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن اس پر عمل نہیں کریں گے۔"

فیتخذ مسجداً ویبتدع کلاما لیس من کتاب اللہ ولا من سنۃ رسول اللہ فایاکم وایاہ فانہ بدعۃ وضلالۃ قالہ معاذ ثلاث مرات (اعلام صـ۱۶)

پھر ایک مسجد بنائے گا اور اس میں نئی باتیں کرے گا جو نہ قرآن میں ہیں نہ سنت میں تم اس سے بچنا یہ بدعت اور گمراہی ہے۔ معاذ نے یہ کلمات تین بار فرمائے۔

اس سے ظاہر ہے کہ معاذ قضا کے بغیر رائے کو بدعت سمجھتے ہیں۔ حکم اور قضاء کی مجبوریوں کے علاوہ رائے کا استعمال حضرت معاذ کے نزدیک بدعت ہے۔ حضرت! قرونِ خیر میں تقلید کا مطلب یہ

ہو گا کہ اس وقت قلتِ علم کا مرض عام تھا یہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین پر بہت بڑا ظلم ہے۔ آپ نے ان بزرگوں کی توہین فرمائی ہے۔ ان بزرگوں کے علم و تفقہ کو محلِ نظر قرار دیا۔ اگر تقلید مصطلح ان ایّام میں بھی موجود ہو تو علم و اجتہاد کا مثالی دور کونسا ہو گا۔ ابن قیمؒ مسلکاً جناب سے مختلف سہی مگر ان کی غزارتِ علمی اور نکتہ رسی سے امید ہے انکار نہیں ہو گا فرماتے ہیں۔

فانا نعلم بالضرورة انه لم یکن فی عصر الصحابة رجل واحد اتخذ رجلا منهم یقلده فی جمیع اقواله فلم یسقط منها شیئا و اسقط اقوال غیره فلم یاخذ منها شیئا و نعلم بالضرورة ان هذا لم یکن فی التابعین ولا تابعی التابعین فلیکذبنا المقلدون برجل واحد سلک سبیلهم الوخیمة فی القرون الفضیلة علی لسان رسول الله صلعم وانما حدثت هذه البدعة فی القرن الرابع المذموم علی لسانه صلی الله علیه وسلم (ص۲۲ اعلام ج ۱)

یعنی ہم قطعاً جانتے ہیں کہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو کسی عالم کی تمام باتیں قبول کرے اور کسی دوسرے عالم کی کوئی بات نہ مانے۔ حضرات مقلدین ہمیں جھٹلانے کے لیے قرونِ خیر میں ایک آدمی بتا دیں جو اس مکروہ راہ پر چلا ہو۔ بلکہ یہ بدعت تقلید چوتھی صدی میں پیدا ہوئی جس کی آنحضرت صلعم نے مذمت فرمائی ہے۔"

مولانا آپ عالم ہیں، ایک علمی درس گاہ میں مدرس ہیں۔ آپ جو چاہیں فرمائیں لیکن صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ یہ مذاق نہ فرمائیں۔ آپ نے تقلید کے لیے یہی وجہ جواز بتائی ہے کہ جو شخص قرآن و سنت سے براہ راست احکام کو مستنبط کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اصل کے اعتبار سے اس کے لیے تقلید کی دونوں قسمیں جائز ہیں (فاران صفحہ ۷ مئی ۱۹۶۵ء)

آپ قرون مشہود بالخیر کی یہ خوبی بیان فرماتے ہیں کہ وہ بھی کنزو قدوری کے اتباع کی طرح حشویت میں ملوث اور نظر و استنباط سے محروم تھے محض فقہاء اور اہل علم کی مساعی پر وقت گذارتے تھے۔ نصوص فقہاء اور بزرگوں کی آراء کا اتباع اصل ظاہر پرستی اور ظاہریت ہے صحابہ اس سے پاک تھے۔ ان کی نظر نہایت عمیق تھی اور ظاہریت اور حشویت کا نام تک نہ تھا۔

مطلق تقلید کی بندش

مولانا نے تقلید مطلق کی بندش کو بہت سراہا ہے۔ اور ائمہ اجتہاد کے لیے دعا فرمائی ہے کہ ان پر رحمتوں کا مینہ برسے۔ اس لیے کہ انہوں نے مطلق تقلید کو بند فرما دیا۔ مضمون کے اس حصے سے تعجب ہوتا ہے کہ اس پایہ کے اہل علم بھی اس قدر سطحی باتیں کر جاتے ہیں۔ ودنو دلو قاله غيرك

مولانا کا خیال ہے کہ تقلید مطلق کی بندش سے دنیا میں "خواہش پرستی" کے دروازے بند ہو گئے اور تقلید مطلق کی صورت میں یہ مرض مستقبل میں یقیناً عام ہو جاتا اور یہ ائمہ اجتہاد کی دور اندیشی تھی۔ انہوں نے اسے روک دیا۔ ملخصاً۔

لیکن مولانا کا یہ ارشاد کئی وجوہ سے غلط ہے امید ہے مولانا غور فرمائیں گے۔

(۱) آپ نے اس پر مشہور ائمہ اجتہاد کا کوئی حوالہ نہیں دیا کہ کس نے تقلید مطلق کو روکا؟ کب روکا؟ آپ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ایک حوالہ دیا ہے۔ اگر آپ کے ہاں وہ ائمہ اجتہاد میں شمار ہونے لگے ہوں تو مبارک ہے۔ پہلے تو اکابر دیوبند اس کے قائل نہ تھے۔ بوقت ضرورت ان کے علوم سے استفادہ تو فرماتے رہے مگر انہیں کبھی مجتہد نہیں سمجھا گیا۔

(۲) جو عبارت آپ نے نقل فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دین میں ہوا پرستی درست نہیں۔ انسان کو پرہیزگار اور متقی ہونا چاہیئے۔ ہوا پرست نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ ہوا پرستی شخصی تقلید میں بھی ہو سکتی ہے۔ کوئی حنفی مسلک کو اس لیے اختیار کرے کہ اس میں منشیات اور مسکرات کے استعمال کے متعلق خاصی نرمی ہے۔ مسکرات کی چار پانچ قسمیں ممنوع ہیں جن پر اس وقت خمر بولا جاتا تھا باقی کے متعلق احناف کے ہاں وہ تشدد نہیں۔ شیخ علامہ حسن جبرتی مفتی مصر ۱۱۸۰ھ فرماتے ہیں کہ انگوری شراب کے کئی نام ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل کا استعمال درست ہے:

اما الجمهور فهو نسبة الى الجمهور نظرا الى الاستعمال والحميدى نسبة الى حميد الكندى

صنعه واليعقوبي ويسمى ابا يوسفي لان ابا يوسف رحمه الله اتخذه لهارون وكانه اتخذه له تخلصا مما هو حرام الشرب فهي اسم للمثلث اذا صب عليه ماء حتى ادق وترك حتى اشتد تعلم مما ذكرنا ان المثلث خالص العصير وان البختج و ملعطف ممزوج بالماء بعد ذهاب ثلثيه و صيرورته مثلثا وهي حلال الشرب بعد الاشتداد والقذف بالزبد اذا شربت دون القدر المسكر للتقوى للعبادة لا من سبيل اللهو والطرب والا فهي حرام الشرب (الاقوال المعربه عن احوال الاشربه صفحه ۲۰ مطبوعه مصر)

جمہوری کی نسبت استعمال کی وجہ سے جمہور کی طرف ہے اور حمیدی کی نسبت حمید کی طرف ہے یہ اسی نے بنائی تھی۔ یعقوبی کو ابو یوسفی بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یہ خلیفہ ہارون کے لیے بنائی تھی تاکہ وہ حرام شراب سے بچ جائیں۔ یہ دراصل مثلث شراب کا نام ہے جس میں پانی ڈال کر دو تہائی پانی جلا دیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مثلث اور پختج انگور کے شیرہ میں پانی ملا کر اور جلا کر اسے مثلث کر دیا جاتا ہے تیزی اور جھاگ کے باوجود اس کا پینا درست ہے بشرطیکہ اتنا نہ پیا جائے جس سے مستی آجائے اور قوت کے لیے استعمال کی جائے اور مشغلہ کے طور پر استعمال کی جائے تو حرام ہے۔

پورا رسالہ چند اوراق میں ہے۔ اسی میں شراب کی اقسام کی تفصیل موجود ہے۔ اور اس کی حلت اور حرمت کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس میں شراب خوری کے متعلق خاصی گنجائش ہے۔

اسی طرح شرح وقایہ میں ہے:۔

فان اقر به او شهد عليه بعد زوال الريح او تقيأها او وجد ريحها منه اى علم الشرب من تقيأ او وجد ريح الخمر منه بلا اقرار او شهادة او رجع عن اقرار شرب الخمر او السكر او اقر سكران لا (صفحه ۳۰۰)

اگر ملزم اقرار کرے کہ میں نے شراب پی ہے یا دو گواہ موجود ہوں۔ لیکن منہ سے بدبو نہ آئے یا شراب کی قے کرے یا اس کے منہ سے بدبو آئے مکمل اقرار اور شہادت نہ ہو یا ملزم اقرار کے بعد انکار کر دے۔ یا اقرار ہی بے ہوشی کی حالت میں ہو ان تمام صورتوں میں حد نہیں۔

پھر مستی کی تعریف میں حضرت امام نے بڑی وسعت رکھی ہے۔ ان حالات میں نشہ کے عادی حضرات کے لیے حنفی مذہب میں بڑی گنجائش ہے۔ اس قسم کی نصوص ہدایہ مطبوعہ بمبئی ص ۴۹۳ ج ۲ طحطاوی مطبوعہ مصر ص ۲۵۴ ج ۴ اور در مختار مطبوعہ ہند ص ۳۰۰ شامی طبع مصر ص ۲۵۴ ج ۳ ملاحظہ ہوں۔

طول سے بچنے کے لیے ان کتب کی عبارات قلم انداز کی جاتی ہیں۔

ملک العلماء علامہ کاسانی ۵۸۷ھ نے بڑی صراحت سے فرمایا

واما الاشربة التی تتخذ من الاطعمة کالحنطة والشعیر والدخن والذرة والعسل و التین والسکر ونحوها فلا یجب الحد بشربها لان شربها حلال عندهما وعند محمد وان کان حراما لکن هی حرمة محل الاجتهاد فلم یکن شربها جنایة محضة فلا تتعلق بها عقوبة محضة ولا بالسکر منها وهو الصحیح لان الشرب اذا لم یکن حراما اصلا فلا عبرة بنفس السکر کشرب البنج ونحوه واللہ سبحانه وتعالی اعلم (البدائع والصنائع ملک کاسانی (البدائع ص ۴۰ ج ۷)

جو شراب گندم، جو، باجرا، چینا، شہد، انجیر، شکر وغیرہ سے بنتی ہے اس پر کوئی حد نہیں۔ اس لیے کہ اس کا پینا شیخین کے نزدیک حلال ہے۔ امام محمد اسے حرام فرماتے ہیں لیکن یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس کا پینا قطعی جنایت نہیں۔ اس پر سزا بھی نہیں ہوگی۔ بلکہ اگر مستی بھی آجائے تو بھی سزا نہیں ہو گی یہی صحیح مذہب ہے کیونکہ جب پینا حرام نہ ہو تو پھر مستی کا کوئی اعتبار نہیں جس طرح بھنگ وغیرہ میں کوئی سزا نہیں اھ۔

بعض علماء نے فرق فرمایا تھا کہ شراب کی بعض قسموں کا پینا ہی حرام ہے بعض میں پینا حرام نہیں لیکن مستی حرام ہے۔ سزا تب ہو گی جب مستی آجائے۔ علامہ کاسانی کے نزدیک شراب کی ان اقسام کا پینا بھی درست ہے اور مستی پر کوئی سزا نہیں۔

شراب کی ان اقسام کے متعلق جواز یا عدم جواز کے وجوہ سے بحث نہیں۔ یہ مباحث حدیث اور فقہ کی شروح اور متون میں بھرے پڑے ہیں۔ گذارش صرف اس قدر ہے کہ احناف کے ہاں مشروبات میں بڑی لچک ہے۔

اب کوئی اس لیے حنفیت کو اختیار کرے کہ اس میں شراب اور منشیات کے متعلق کافی لچک ہے

شیخ کی عبارت کے مطابق اس نیت سے تقلید شخصی بھی حرام ہوگی۔

آپ نے شیخ الاسلام کی عبارت پر غور نہیں فرمایا۔ گو شیخ نے ایک دو جگہ تقلید کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس میں وہ ہوا پرستی کو رد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تقلید کی راہ سے ہو یا ترک تقلید کی راہ سے۔ آپ نے مطلق تقلید کی بندش پر ہن برسانا شروع فرما دیا۔ شیخ کی عبارت سے کہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ہوس پرستی تقلید مطلق سے آتی ہے یا شخصی سے یا ترک تقلید سے۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو شیخ الاسلام کی کتابوں پر عبور نہیں ہے۔ ورنہ یہ انداز اختیار نہ فرماتے۔

○

علامہ قاضی خان نے اشربہ کے باب کو اس تفصیل سے لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے شاید ان کے ہاں شراب کی مکمل لیبارٹری موجود تھی۔ مختلف اقسام اور اس کے مختلف نسخے اور ان کی حلت اور حرمت پر بڑی سیر حاصل بحث فرمائی ہے مطبوعہ مصر کے نسخے پر صفحہ ۲۰۸ سے صفحہ ۲۲۰ جلد ۳ تک یہی مضمون ہے ذاتی طور پر اپنی ناقص رائے کا رجحان تو حضرت امام شافعی کی طرف ہے۔ دختِ رز کے ساتھ ادنیٰ نسبت بھی ناگوار ہے۔ لیکن اس کے باوجود ائمہ اجتہاد پر بدگمانی کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں۔ اس مقام پر معمولی سی تفصیل کی بھی اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ مولانا کی عبارت سے مغالطہ ہوتا تھا۔ مولانا تقلید شخصی کو ہوا پرستی کے دروازے کا قفل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہوا پرستی کی سوتیں تقلید شخصی ہی میں موجود ہیں۔ بلکہ ساری فقہوں میں ایسی جزئیات ملتی ہیں۔ جو ہوا پرستی کے لیے راستہ بن سکتی ہیں۔

اسی طرح فواحش اور بدکرداری کی سزا کے متعلق اپنے ہاں بڑی لچک ہے۔ فقہ حنفی میں لواطت پر حد نہیں، بہائم کے ساتھ برائی کرے اس پر حد نہیں۔ محرمات ابدیہ کے ساتھ نکاح کے بعد بے حیائی کرے آپ کے ہاں وہ حد سے بچ سکتا ہے مضمون کے پھیلاؤ سے بچنے کے لیے کتب فقہ کی نصوص اور الفاظ نظر انداز کر دیے گئے۔ ورنہ معلوم ہے کہ فقہ حنفی میں ہوا پرستی کے لیے کافی چور دروازے کھل سکتے ہیں اس لیے تقلید میں ہوا پرستی کی بندش کے لیے کوئی انتظام نہیں۔ اگر نیت درست نہ ہو تو ہوا پرستی ہر طرح

ہو سکتی ہے۔

پاکستان میں فواحش

یہ معلوم ہے کہ پاکستان میں اکثریت حضرات احناف کی ہے۔ بعض علاقوں میں دور دور تک احناف ہی پھیلے ہوتے ہیں۔ یہ سب حضرات تقلید شخصی کے سختی سے پابند ہیں لیکن جس قدر ملک میں سینما تھیٹر موجود ہیں اور جتنے رقص دسرود کے کلب موجود ہیں ان کے منتظم عموماً حنفی حضرات ہیں۔ اگر تقلید شخصی ہوا پرستیوں کا علاج ہے تو آج ہوا پرستیوں کے یہ محل جابجا کیوں موجود ہیں۔ پورا ملک ہوا پرستی کی گرفت میں ہے۔ بقول مولانا تقلید مطلق بند کر دی گئی۔ اب سارے ملک میں تقلید شخصی کا دور دورہ ہے۔ پھر یہ فواحش کیوں ہیں حجاز میں شوافع، نجد میں حنابلہ، سوڈان۔ الجزائر اور افریقہ میں مالکی ان ہوا پرستی کے کارخانوں پر قابض اور متصرف ہیں۔ تقلید شخصی بھی عام ممالک پر محیط اور فواحش بھی اقطار عالم پر محیط ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تقلید مطلق سے پرہیز اور تقلید شخصی کے رواج کا یہ نسخہ مفید ثابت نہیں ہوا۔ اسی طرح آج کل دنیا میں حلال اور حرام کا امتیاز بھی اٹھ رہا ہے۔ اگر جناب کا تجزیہ تقلید شخصی کے متعلق درست ہوتا تو آج دنیا تقویٰ سے بھرپور ہوتی لیکن معلوم ہے کہ دین کھیل ہو رہا ہے۔

مضحکہ خیز مثال

تقلید مطلق کی مضرت کے متعلق حضرت مولانا نے دو مثالیں دی ہیں۔ ایک خون سے وضو ٹوٹنے کی احناف کے ہاں خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ شوافع کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ آپ کو فکر ہے کہ سردیوں میں ہوا پرست لوگ شافعی مسلک پر عمل کریں گے۔ دوسری مثال میں فرمایا عورت کو مس کرنے سے احناف کے ہاں وضو نہیں ٹوٹتا شوافع کے ہاں ٹوٹ جاتا ہے۔ ہوا پرست اس وقت سردی میں حنفی مذہب پر عمل کریں گے۔ درس میں بیٹھ کر طلبہ کے حلقہ میں شاید یہ مثالیں سُن لی جائیں۔ ہم تو دیکھتے ہیں پکے حنفی رات گذر جاتی ہے۔ دن بسر ہو جاتا ہے نماز کے قریب نہیں جاتے۔ اور محفل میلاد کے جلوس میں امسال رات کی دیپ مالا میں عورتوں کے ساتھ عاشقان رسول نے وہ کیا جس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ منٹگمری۔ گوجرانوالہ اور لاہور کے واقعات دیکھنے والوں سے سنیئے۔ یہ بھی پکے مقلد تھے جو وہابیوں کو

بے نقط گالیاں دیتے تھے۔ احناف اور شوافع کا امتیاز مومن اس احساس کے سامنے کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ پھر یہ محبانِ رسول اور عاشقانِ تقلید نماز کی تکلیف کیے بغیر نہایت خشوع اور خضوع سے سو گئے اور تقلید شخصی انہیں اس خواہش سے روک نہ سکی۔

مولانا! کاش یہ اربابِ تقلید کسی امام کے مسلک پر عمل کر کے نماز پڑھ لیتے۔ خواہش پرستی کو روکنے کے لیے تقلید شخصی بالکل ناکام ثابت ہوئی ہے

پھر مولانا! یہ خواہش پرستی نیت کا مسئلہ ہے اسے تقلید یا ترکِ تقلید سے کوئی تعلق نہیں۔ غلط ارادہ مقلد اور غیر مقلد دونوں کر سکتے ہیں اور ہوا پرستی ان کا شیوہ بن سکتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی رائے ایسے معاملات میں واضح ہے۔ ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں میں نے شیخ الاسلامؒ سے سنا فرماتے تھے مجھے بعض فقہاءِ حنفیہ نے کہا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا مذہب بدل لوں۔ اس لیے کہ یہ عموماً صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ میں نے بعض شافعی علماء سے مشورہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ تمہارا مذہب بدلنے سے اصل مذہب تو نہیں بدلے گا۔ مذاہب کی ہیئت تو طے ہو چکی ہے۔ تمہارا رجوع بے فائدہ ہے بعض صوفیوں نے مشورہ دیا ہے کہ میں عجز کے ساتھ اللہ سے دعا کروں۔ آپ فرمائیں آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخ الاسلام نے فرمایا۔ مذہب کے تین حصے کر لیجیے پہلی قسم جس میں حق واضح ہو اور کتاب وسنت سے توافق ظاہر ہو۔ شرحِ صدر سے اس کے مطابق فتویٰ دو۔ دوسری قسم مرجوح ہو اور دلائل اس کے خلاف ہوں اس کے مطابق نہ فتویٰ دو نہ کوئی حکم کرو۔ اسے ذہن سے اُتار دو۔ تیسری قسم جس میں دلائل کی کشش دونوں طرف موجود ہو۔ اس میں جس طرح طبیعت چاہے فتویٰ دو یا اسے نظر انداز کر دو۔ وہ حنفی عالم شیخ کے جواب پر مطمئن ہوئے اور فرمایا۔ جزاک اللہ (اعلام الموقعین منیریہ صفحہ ۲۰۶ جلد ۴)

آپ شیخ الاسلام کے ارشاد پر غور فرمائیں۔ وہ ایک حنفی عالم کو مشورہ دیتے ہیں کہ مذہب کا اپریشن کر کے اس کے تین حصے کر دیجیے۔ اور شرحِ صدر سے صرف اس حصہ کو اختیار کیجیے جو کتاب وسنت کے صراحۃً مطابق ہو۔ آج کے دیوبند کو میں دیکھتا ہوں جس جمود کی یہ حضرات دعوت دے رہے ہیں

اگر شیخ الاسلام کے مشورہ پر عمل کے لیے آپ سے عرض کیا جائے تو اکابر سے اصاغر تک آپ حضرات پر رعشہ طاری ہو جائے۔ حضرت مرحوم و مغفور استاذ الاساتذہ شیخ انور شاہ صاحب کے لخت جگر اپنے مغفور والد کے متعلق جس قسم کا لٹریچر شائع فرما رہے ہیں۔ اولاً تو یہ قطعی غلط ہے اگر یہ کہانیاں صحیح ہیں تو شاہ صاحب کی رفعت مقام محل نظر ہوگی اور ان کا علم و فضل مشکوک۔

تقلید یا حنفیت چنداں محل نظر نہیں۔ محل نظر آپ کا جمود ہے۔ جو بریلی اور دیوبند کے اکابر اور اصاغر میں یکساں ہے۔ مجھے امید ہے آپ کی اس لفظی نرمی پر بھی وارننگ دی گئی ہوگی۔ یا دی جائے گی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ فرمایئے۔ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ صفحہ ۳۸۷، امام سے دریافت کیا گیا کہ نماز وتر یا بارش میں نماز جمع کرنے کے سلسلہ میں آیا شافعی حنفی کی یا حنفی شافعی کی تقلید کر سکتا ہے۔ شیخ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

الحمد للہ نعم یجوز للحنفی وغیرہ ان یقلد من یجوز الجمع من المطر لاسیما وہو مذہب جمہور العلماء کمالک والشافعی واحمد وقد کان عبد اللہ بن عمر یجمع مع ولاۃ الامور بالمدینۃ اذا جمعوا فی المطر ولیس علی احد من الناس ان یقلد رجلا بعینہ فی کل ما یامر بہ وینہی عنہ ویستحبہ الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما زال المسلمون یستفتون علماء المسلمین فیقلدون تارۃ ہذا وتارۃ ہذا فاذا کان المقلد یقلد مسئلۃ یراہا اصلح فی دینہ او القول بہا ارجح او نحو ذلک جاز ہذا باتفاق جماہیر علماء المسلمین لم یحرم ذلک لا ابو حنیفۃ ولا مالک ولا الشافعی ولا احمد اھ

ہاں حنفی کے لیے درست ہے جمع نماز اور اس قسم کے مسائل میں شافعی کی تقلید کرے کیونکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ عبد اللہ بن عمر مدینہ منورہ میں امراء کے ساتھ بارش کے وقت نماز جمع کیا کرتے تھے۔ اور کسی آدمی پر یہ ضروری نہیں کہ تمام اوامر اور نواہی میں کسی معین آدمی کی تقلید کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور مسلمان ہمیشہ اہل علم سے دریافت فرماتے رہے۔ کبھی اس کی تقلید کرتے کبھی اس کی جسے دینی طور پر پسند فرماتے یا راجح سمجھتے۔ یہ جمہور ائمہ

اسلام کے نزدیک درست ہے نہ اسے حضرت امام ابو حنیفہ نے حرام کہا نہ مالک اور نہ ہی شافعی اور احمد نے۔ اھ

اسی انداز سے امام نے تقلید کا تذکرہ فرمایا۔ فتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ - ۷۸ - ۳ - ۳۸۱ - ۳۸۲ وغیرہ مقامات ملاحظہ فرمائیں۔ امام کے مسلک کی وضاحت جناب کے سامنے آجائے گی۔ اگر آپ حضرات' امام ابن تیمیہ کی حنبلیت اور ان کے خیال کے مطابق اس مسئلہ کا فیصلہ فرمائیں تو یقیناً یہ مسئلہ ما بہ النزاع نہیں رہے گا۔ جس انداز سے ابنائے دیوبند اس مسئلہ کو اچھال رہے ہیں۔ اگر حضرت امام ابو حنیفہ رح بھی زندہ ہوں تو یقیناً اسے ناپسند فرمائیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا جو حوالہ آپ نے نقل فرمایا وہ ایک فنی حوالہ ہے۔ جسے امام نے ایک خاص ضرورت کے ماتحت ذکر فرمایا ہے۔ اس سے ان کی ذاتی تحقیق معلوم نہیں ہو سکتی۔ ذاتی تحقیق کے لیے متذکرہ مواقع ملاحظہ فرمائیں۔ امام کا علمی مقام واقعی بہت بلند ہے۔ نیز اس حوالہ میں تقلید مطلق کی بندش کا بھی کوئی تذکرہ نہیں۔ جناب غور فرماتے تو یہ حوالہ بالکل بے سود ہے۔ اور مقصد کے لحاظ سے عبث محض۔ اصل مقصد یہی ہے کہ دین اور ائمہ دین کو تلعب اور ہوا پرستی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ یہ نیت کا معاملہ ہے اسے نہ تقلید شخصی روک سکتی ہے نہ ترک تقلید اس کا موجب ہو سکتی ہے آپ واقعات پر غور فرمائیں۔ تقلید شخصی کا عام رواج بقول شاہ ولی اللہ رح اور حافظ ابن القیم رح چوتھی صدی کے بعد ہوا۔ قرون مشہود لہا بالخیر میں سارا افتاء ترک تقلید یا بقول مولانا تقلید مطلق پر رہا یہی وہ دور ہے جس میں اہل اللہ، ائمہ اجتہاد، ائمہ محدثین، صلحاء اور اتقیاء کی کثرت ہے۔ اور جب سے آپ کے اس نسخہ کا استعمال شروع ہوا یہی وقت حسب ارشاد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ظہور فتن کا دور ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے فواحش اور فتن کا دور فرماتے ہیں۔ اور جناب ان پر رحمتوں کے مُن برسانے کے آرزو مند ہیں۔ بظاہر ارشاد نبوی کے خلاف امید نہیں کی جا سکتی کہ دعا قبول ہو اور نسخہ حضرت سے تو ظاہر ہے خواہش پرستی نہیں رک سکی۔

○

شاہ ولی اللہ صاحب اور تقلید

مولانا نے صفحہ ۱۹ میں فرمایا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے وقت تقلید مطلق اور تقلید شخصی

دونوں پر عمل رہا تھا (یعنی بقول جناب ورنہ حقیقت اس کے خلاف ہے) بعد میں جب یہ زبردست خطرہ سامنے آیا تو تقلید کو تقلید شخصی ہی میں محصور کر دیا گیا الخ۔ اس کے بعد جناب شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے چند اقتباسات درج فرمائے ہیں جن میں کہیں تقلید کو جائز فرمایا کہیں واجب۔

واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کی زندگی کے مختلف ادوار ہیں۔ شاہ صاحب کا سیال قلم ان تمام ادوار میں اپنا کام کرتا رہا۔ ہر وقت کے تاثرات شاہ صاحب کے قلم سے ظاہر ہوتے رہے۔ شاہ صاحب کا جو حصہ تصوّف کے متعلق ہے اس میں ایسا مواد ملتا ہے جس سے بریلویت کی خاصی تائید ہوتی ہے۔ بریلوی حضرات کو شاہ صاحب اور ان کے خاندان پر اعتماد نہیں ورنہ شفاء العلیل وغیرہ سے بدعی خیالات کی خاصی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

اہل حدیث اور حضرات دیوبند تو شاہ صاحب کے عقیدتمند ہیں۔ جہاں تک اہل حدیث کا تعلق ہے یہ جاننے کے باوجود کہ شاہ صاحب کا رجحان احناف کی طرف بعض جگہ نمایاں ہے ان کے ہاں شاہ صاحب کے احترام اور ان سے عقیدت میں فرق نہیں آیا۔ شاہ صاحب جمود کے سخت مخالف ہیں۔ آج جو بیداری اور حریتِ فکر ملک میں موجود ہے اس کی ابتدا حضرت مجدد الف ثانی سے ہوئی لیکن اسے کھل کر نمایاں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا۔ اسی بیداری کی تحریک نے شاہ اسماعیل شہید اور ان کے مخلص رفقاء میں ترک تقلید کی صورت اختیار کر لی جسے مولانا سید نذیر حسین صاحب اور ان کے تلامذہ نے پروان چڑھایا جس سے اس وقت لاکھوں آدمی متاثر ہیں، جو ملک میں حریتِ فکر اور طریقۂ سلف کی تلقین فرما رہے ہیں۔ مولانا نے شاہ صاحب سے تین اقتباس درج فرمائے ہیں۔ دو رسالہ انصاف سے ایک حجۃ اللہ سے۔ گر شاہ صاحب نے انصاف کے دونوں اقتباسات میں تقلید کو وقتی طور واجب فرمایا شرعی واجب نہیں فرمایا جس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت ان حالات میں تقلید ضروری ہے۔

فرماتے ہیں :۔

"پہلی دوسری صدی میں لوگ معین انسان کی تقلید پر جمع نہ تھے۔ دوسری صدی کے بعد اثر بڑھنے لگا وکان ھو الواجب فی ھذا الزمان" (اس وقت یہی واجب تھا) فرمایئے کیا اوجبات شرعیہ کا وجوب وقتی

ہوتا ہے یا دائمی؟ دوسرے اقتباس میں صرف و نحو کا تذکرہ فرماتے ہیں یہ پہلے واجب نہ تھا ثم صار فی یومنا هذا معرفتها واجبة۔ لیکن آج کل صرف نحو پڑھنا واجب ہے۔ گویا تقلید شخصی کا وجوب صرف نحو کے وجوب کی طرح وقتی ہے اور ضرورت کے لیے حضرت مولانا اور دانش مند حضرات غور فرمائیں وجوب شرعی کا یہی حال ہے اور ایسے وقتی وجوب کا اگر کوئی انکار کرے، یا اسے یقین ہو کہ اب حالات کے تقاضے بدل چکے ہیں۔ تو شرعاً وہ کہاں تک مجرم ہے۔ اس کے ساتھ ہی واقعات آپ کو یقین دلائیں گے کہ ترکِ تقلید کے متعلق اس وقت جو خطرات تھے بحمد اللہ آج وہ بالکل بدل چکے ہیں جناب کے لب و لہجہ کی یہ تبدیلی اسی حقیقت کی غماز ہے۔ کہ اب وہ حالات نہیں رہے سوقت اور اس کے مقتضیات اصحاب عزائم کی مساعی کی وجہ سے بالکل یا زیادہ تر بدل چکے ہیں۔ حجۃ اللہ کے اقتباس میں تو شاہ صاحب نے اسے تعبیری جواز سے فرمایا ہے۔ اگر مولانا اور آپ کے رفقاء شاہ صاحب کے ارشاد کو اس کی اصل روح میں سمجھیں تو یہ وجوب تقلید کی کھلی مخالفت ہے ان فی ذالك لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید

میں ان اقتباسات کو ترکِ تقلید کی تائید سمجھتا ہوں اس لیے ان کے سباق و سیاق پر مفصل بحث کی ضرورت نہیں خیال کرتا۔

اب شاہ صاحب کا ایک ارشاد عرض کر رہا ہوں جو جناب کے اس ارشاد کی پوری نقیض ہے کہ "تقلید کو تقلید شخصی میں محصور کر دیا گیا" شاہ صاحب شعرانی کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں۔ ثم نقل عن جماعة عظیمة من علماء المذاهب انهم کانوا یعملون ویفتون بالمذاهب من غیر التزام مذهب معین عن زمن اصحاب المذاهب الی زمانه علی وجه یقتضی کلامه ان ذالك امر لم یزل العلماء علیه فلم یماوحل بشا حتی صار بمنزلة المتفق علیه فصار سبیل المومنین الذی لا یصح خلافه الخ (عقد الجید طبع مصر صفحہ ۵۲)

اہلِ علم کی عظیم جماعت مذہب معین کے بغیر فتوی دیتی رہی اور ان پر عمل فرماتی رہی اور یہ سلسلہ ائمہ مذاہب سے لے کر شعرانی کے وقت تک جاری رہا۔ شعرانی کا منشاء یہ ہے کہ علماء کی یہ روش ہمیشہ سے ہمیشہ تک رہی ہے اور طریقہ متفقہ اور اجماعی ہوگیا جس سے اختلاف طریق مومنین سے اختلاف کے

مترادف ہے۔" اسی کے قریب قریب عقد الجید صفحہ ۲۸ میں فرمایا۔ پھر اسی طرح عزبن عبد السلام سے نقل فرمایا (صفحہ ۴۰ عقد الجید)

میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ شاہ صاحب کا مطلب وجوب تقلید سے وجوب شرعی نہیں بلکہ ان کا مطلب وقتی ضرورت ہے اس کے لیے شاہ صاحب کے مندرجہ ذیل ارشاد پر غور فرمائیے۔ واشهد لله وبالله انه كفر بالله ان يعتقد فى رجل الامة فمن يخطئ ويصيب ان الله كتب على اتباعه حتما وان الواجب على هوالذى يوجبه هذا الرجل على ولكن الشريعة الحقة قد ثبتت قبل هذا الرجل بزمان الخ (تفهيمات ج ا صفحه ۲۱)

"میں یہ عقیدہ رکھنا کفر سمجھتا ہوں کہ ایک ایسا آدمی جس سے خطا اور صواب دونوں سرزد ہو سکتے ہیں وہ جو مجھ پر واجب کرے وہ واقعی واجب ہو گا۔ شریعت حقہ تو اس بزرگ سے مدتوں پہلے علماء کے حافظوں اور فقہاء کے ذہنوں میں موجود ہے۔"

شاہ صاحب نے آگے چل کر تقلید کی جائز صورت کا تذکرہ فرمایا لیکن یہ شرعی وجوب نہیں۔ یہی گذارش اس اقتباس سے مقصود ہے۔

شاہ صاحب جس قسم کی تقلید پسند فرماتے ہیں اس کی وضاحت وہ خود بھی فرماتے ہیں ونشاء فى قلبى داعية من الملاء الاعلى تفصيلها ان مذهبى ابى حنيفة والشافعى هما مشهوران فى الامة المرحومة...... الى ان قال وان الحق الموافق لعلوم الملاء الاعلى اليوم ان يجعلا كمذهب احد يعرضان على الكتب المدونة فى حديث رسول الله (تفهيمات ج ا صفحه ۲۱) یعنی ملاء اعلیٰ سے میرے دل میں ایک داعیہ ڈالا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ شافعی اور حنفی دو مذہب اُمت میں مشہور ہیں۔ ملاء اعلیٰ میں یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ ان دونوں کو ایک کر کے کتاب و سنت کی کتب مدونہ پر پیش کیا جائے۔

گذارشات کی طوالت کا خطرہ نہ ہو تو شاہ صاحب کے اس قسم کے ارشادات میں کئی اوراق جمع ہو سکتے ہیں۔ شاہ صاحب اس تقلید کو قطعاً ناپسند فرماتے ہیں جس کی دعوت آج کل دیوبندی کیمپ کی طرف سے دی جا رہی ہے اور شاہ صاحب اسی لفظ کا استعمال بھی مختلف معانی میں فرماتے ہیں۔

وہ اس کے اصطلاحی معانی کے پابند نہیں ہیں۔ حجۃ اللہ۔ انصاف۔ عقد الجید۔ بدور بازغہ۔ خیر کثیر۔ تفہیمات اوّل و ثانی۔ انتباہ۔ الوصیت وغیرہ پر نظر فرمائیں۔ آپ یقین فرمائیں گے کہ شاہ صاحب کا موقف کس قدر صاف اور وہ مروج تقلید سے کس قدر بیزار ہیں ؎

عجوبہ ان راز این معنی خبر نیست
کہ سلطان جہاں با ماست امروز

○

تقلید پر شبہات

حضرت مولانا نے اس عنوان کے نیچے ان اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش فرمائی ہے۔ جو بعض حلقوں کی طرف سے وجوبِ تقلید پر کیے گئے ہیں یا ان دلائل کا جواب دینے کی سعی فرمائی ہے جو مروجہ تقلید کے خلاف مثبت طور پر دیئے گئے ہیں۔

پہلی آیت

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ۔ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا اس کی اطاعت کرو وہ کہتے ہیں ہم تو اس چیز کی اطاعت کریں گے جس پر ہم نے بزرگوں کو پایا۔ گو ان کے بزرگ اس کے فہم سے ناآشنا ہوں نہ ہی وہ سیدھی راہ کو پاسکے ہوں۔

مولانا فرماتے ہیں یہ باپ دادوں کا ذکر ہے جو احکامِ الٰہی کا برملا رد کرتے ہوں۔ دوسرے وہ باپ دادے جو عقل اور ہدایت سے کورے تھے۔ آخر میں مولانا فرماتے ہیں: "اس سے کوئی اہلِ حق انکار نہیں کرسکتا کہ جن ائمہ مجتہدین کی تقلید کی جاتی ہے ان سے کتنا ہی اختلافِ رائے کیوں نہ ہو۔ مگر ہر اعتبار سے ان کی جلالتِ قدر ہر ایک کو مسلّم ہے اس لیے اس تقلید کو کافروں کی تقلید پر منطبق کرنا بڑا ظلم ہے۔"

جواباً گذارش ہے کہ مجھے مولانا سے پورا اتفاق ہے کہ موجودہ تقلید اہلِ کفر کی تقلید سے کسی قدر مختلف

ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آئمہ مجتہدین کی جلالتِ قدر ہر لحاظ سے مسلم ہے۔ ان کا علم، زہد، تقویٰ، شبہات سے بالا ہے۔ ان کی ذات علم و ایمان کے لحاظ سے قطعاً زیر بحث نہیں، بلکہ اُن کے علمی احسانات اُمت پر اس قدر ہیں کہ اُن کے متعلق سوءِ ظن بے ادبی ہی نہیں بلکہ نمک حرامی ہے۔ لیکن اب زیر بحث چند چیزیں ہیں۔

۱۔ آیا قرآن و سنت میں کوئی نام بطور مجتہد یا امام صراحۃً مرقوم ہے؟

۲۔ پھر ان تمام بزرگوں کا علم یکساں تھا یا حسب ارشاد قرآن عزیز وفوق کل ذی علم علیم ان کے علمی درجات میں تفاوت ہے؟

۳۔ پھر ان پاکباز بزرگوں کے سامنے آیا احادیث کے جو ذخائر مختلف ممالک میں موجود تھے کیا شائع ہو چکے تھے یا کچھ مخفی تھے؟

۴۔ پھر آیا یہ سارے بزرگ اجتہادی مسائل میں متفق ہیں ان کی فقہیات میں باہم کوئی اختلاف نہیں؟

ظاہر ہے کہ ان تمام سوالیہ گذارشات کا جواب نفی میں ہے نہ شارع نے ان کا نام بطور امام لیا ہے نہ ہی ان کا علم یکساں ہے۔ نہ ہی سنت کے تمام ذخائر اس وقت موجود تھے۔ نہ ہی ان کے اجتہادات اختلاف سے خالی ہیں۔ پھر ایک عامی فقدان علم یا کم علمی کی وجہ سے ان تمام اجتہادات کو قبول کرے گا جو ان میں سے کسی ایک بزرگ نے فرمائے جس کو اس نے امام یا مقتدیٰ تصوّر کیا۔ دوسرے امام کے تمام اجتہادات کو نظر انداز کرے گا جن میں اس نے اس کے امام سے اختلاف کیا ہو۔ آپ نے پہلے فرمایا تقلید مطلق کو اس لیے روک دیا گیا کہ اس سے خواہش پرستی کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا اور ممکن ہے کہ حلال و حرام کا امتیاز اُٹھ جائے (فاران ۱۷ مئی ۱۹۶۷ء)

آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ آئمہ مجتہدین کے اجتہادات اور فقہیات میں ایسا مواد موجود ہے جس سے نفس پرستی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ گو یہ درست ہے کہ مروجہ تقلید بت پرستی کی تقلید سے مختلف ہے لیکن اس میں یہ خطرہ موجود ہو گا کہ نفس پرستی میں ملوث ہو کر مقلد حلال و حرام کے امتیاز کو کھو بیٹھے۔

اس میں یہ خطرہ بھی ہوگا کہ عامی کسی صریح نص کی مخالفت کر بیٹھے جس کا معتقد فیہ امام کو علم نہیں ہو سکا اور وہ اس سے مخفی رہی۔ اگر اسے مختلف علماء سے مل کر تحقیق کی اجازت دی جائے جناب کے حسب الارشاد تقلید مطلق بلکہ بلا تخصیص علماء، کی طرف مراجعت کو خارج البلد نہ کیا جائے۔ تو عوام اور خواص ان خطرات سے بچ سکتے ہیں۔

بنا بریں عموم الفاظ کی بنا پر آیت مرقومۃ الصدر، (بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا) اس تقلید کو بھی شامل ہوگی گو حکم اور مرتبہ میں فرق ہوگا۔ شیخ صالح بن محمد بن نوح فلانی تقلید کی مذمت میں اس مضمون کی بہت آیات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

ومثل هذا فی القرآن کثیر من ذم تقلید الآباء والرؤساء وقد احتج العلماء بهذه الآیات فی ابطال التقلید ولم یمنعهم کفر اولئك من الاحتجاج بها لان التشبیه لم یقع من جهة کفر احدهما وایمان الآخر وانما وقع التشبیه بین التقلیدین بغیر حجة للمقلد کما لو قلد رجل فکفر وقلد آخر فاذنب وقلد آخر فی مسئلة دنیاه فاخطأ وجهها کان کل واحد ملوما علی التقلید بغیر حجة لان کل ذالك تقلید یشبه بعضه بعضا وان اختلفت الآثام فیه اھ (ایقاظ الهمم للفلانی ص۳۵) یعنی ان آیات سے تقلید کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ علماء نے ان آیات سے تقلید کا باطل ہونا ثابت کیا ہے۔ ان آیات کا کفار کے متعلق ہونا استدلال سے مانع نہیں ہوا۔ کیونکہ یہاں کفر و اسلام میں تشبیہ نہیں ہے۔ تشبیہ اس میں ہے کہ کوئی بات بلا دلیل قبول کی گئی ہے۔ کوئی تقلید کی وجہ سے کافر ہوا۔ کوئی گنہ گار ہوا۔ کسی نے دنیوی معاملات میں تقلید کرکے خطا کی۔ سب قابلِ ملامت اس لیے ہوں گے کہ بلا دلیل کسی کی بات قبول کر لی۔

سوال کفر و اسلام کا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جہاں تحقیق کی ضرورت تھی اور اپنے مقام کے لحاظ سے ممکن بھی تھی۔ عامی، امام کا مذہب دریافت کرنے کی بجائے قرآن و سنت سے کیوں روشنی حاصل نہ کرے اور شریعت کا مسئلہ کیوں نہ پوچھے۔ سائل کے جواب میں یا اس کے فہم اور راہ شناسی میں کہیں بھی شبہ پیدا ہو (لا یعقلون اور لا یہتدون) کی علت پائی جائے گی جس سے تقلید کا مذموم پہلو واضح ہو جائے گا

حافظ عبدالبر نے بھی اس مقام کی وضاحت اسی انداز سے فرمائی (دیکھئے جامع بیان العلم صفحہ ۱۱۵-۱۱۸ ج ۲)

دوسری دلیل

تقلید کے خلاف دوسری دلیل آیت اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بیان کی جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں "ہم انہیں شارح سمجھتے ہیں شارع نہیں"۔ لیکن ادباً گذارش ہے کہ ہم اس آیت میں عدیؓ بن حاتم کی روایت سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے۔ آپ خدارا سنجیدگی سے غور فرمائیں۔ مناظرانہ انداز اختیار نہ کریں۔ صورتِ حال میں سرِمو فرق نہیں۔

ہمارے ہاں متونِ فقہ بالکل نصوص کے ہم پایہ سمجھے جاتے ہیں۔ ہمارے مقلد علماء تاویل جب کریں گے نصوص کی کریں گے۔ امام کا قول ظاہر پر محمول ہوگا یعنی ہاتھ کی صفائی کا تجربہ نصوص پر ہوگا۔

شوافع بنتِ زنا سے نکاح کو جائز فرمائیں گے حالانکہ اس کی شناعت ظاہر ہے۔ اور احناف نے شراب کی حد کے متعلق جس وسعتِ ظرف کا ثبوت دیا ہے ندامت سے سر جھک جاتا ہے۔ اس میں بالذات یا بالواسطہ کی آڑ بریلوی حضرات سے مستعار لی گئی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ ائمہ اجتہاد کے ساتھ عقیدت کے غلو کی وجہ سے سوچنے کی طرف طبیعت مائل نہیں ہو سکی۔

خطبہ جمعہ

معلوم ہے کہ احناف کرام جمعہ کے خطبہ کا ترجمہ جائز نہیں سمجھتے۔ ہندوستان میں جب بعض دوسرے مسالک نے خطبہ اپنی زبان میں کہنا شروع کیا تو احناف کرام کو نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بات سیدھی تھی، مصالح کے ماتحت ترجمہ شروع کر دیتے یا پھر نقصان گوارا فرما کر بدستور خطبہ عربی میں کہتے۔ ہوا یہ کہ حضرات دیوبند نے جمعہ کے تین خطبات بنا دیئے۔ ایک خطبہ اپنی زبان میں دو عربی ہیں۔ آئندہ نسلیں اسے شاید بدعتِ حسنہ کہا کریں گی۔ یہ محض اکابر کی رائے کے احترام میں غلو کا نتیجہ ہے۔ ادھر ایجاد بندہ کے انداز سے ایک سادہ آدمی سوچے گا کہ تقلید کہاں ہے؟ ائمہ کی محبت میں غلو نے بدعت کی ایجاد پر مجبور کر دیا۔

قیام رمضان

بداھتہً معلوم ہے قیام رمضان مع وتر ۹- ۱۱- ۱۳ کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے۔ بیس یا اس سے زیادہ کا تذکرہ کسی صحیح مرفوع حدیث میں نہیں آیا۔ بعض صحابہؓ تابعین بیس، اڑتیس، اکتالیس رکعت تک پڑھتے رہے۔ نوافل کی کثرت مستحسن ہے۔ زیادہ کو کسی نے بُرا نہیں کہا۔ ابن ہمامؒ کی تطبیق کہ آٹھ سنت نبوی اور باقی نوافل مناسب تطبیق ہے جس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ متاخرین نے سنّتِ نبوی پر عمل کی بجائے آئمہ کے عمل کو سنت پر ترجیح دینے میں غلوّ سے کام لیا۔ کبھی تہجد اور قیام رمضان کو الگ الگ فرمایا گیا۔ کبھی آٹھ رکعت کو بدعت اور غیر ثابت کہنے کی جسارت فرمائی گئی۔ بعض نے حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے اعتراف کیا کہ نماز تو ایک ہی ہے۔ رمضان میں تراویح سے الگ تہجد ثابت نہیں لیکن سنت صحابہ بیس ہے (مولانا سیّد انور شاہ صاحب)

اس غلو اور پریشان خیالی میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی سے لے کر آج کے نوآموز طلبہ تک مبتلا ہیں۔ اکابر پرستی کے سوا اس کی کوئی وجہ نہیں۔ بات واضح تھی جس طرح بیس نوافل پر کوئی اعتراض نہ تھا آٹھ یا دس پر بھی اعتراض نہ کیا جاتا کل یعمل علی شاکلتہ

اس کے باوجود حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کے ساتھ کچھ اور رفقا ایسے ہوں گے جو اکابر پرستی کے اس غلو کو طبعاً ناپسند فرماتے ہوں تو وہ یقیناً عموم آیت سے مستثنیٰ ہوں گے لیکن اس سے غالی حضرات کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ عز بن عبدالسلام فرماتے ہیں :-

ومن العجب العجیب ان الفقہاء المقلدین یقف احدھم علی ضعف ماخذ امامہ بحیث لا یجد لضعفہ مدفعا وھو مع ذلک یقلدہ فیہ ویترک من شھد الکتاب والسنۃ والاقیسۃ الصحیحۃ لمذھبھم جمودا علی تقلید امامہ بل یتحیل لدفع ظاھر الکتاب والسنۃ ویتاولھا بالتاویلات البعیدۃ الباطلۃ نضالا من مقلدہ۔ الخ (حجۃ اللہ ص ۱۲۴) یعنی یہ عجیب بات ہے فقہاء مقلدین اپنے

الم کے ماخذ کے ضعف کو سمجھتے ہیں اور کوئی اس کا صحیح دفاع نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے باوجود اس کی تقلید کرتا ہے اور کتاب و سنت اور قیاس صحیح کو ترک کر دیتا ہے۔ تقلید پر جمود کی وجہ سے اور ظاہر کتاب و سنت کو ترک کرنے کے لیے حیل تلاش کرتا ہے۔ اور امام کی حمایت میں دور از کار تاویلات کرتا ہے۔" اھ

آیت کا مصداق اربابِ تقلید میں موجود ہے۔ آپ اگر محفوظ ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو مزید بچنے کی توفیق دے۔ مگر جس جامد نظریہ کی جناب حمایت فرما رہے ہیں یا دعوت دے رہے ہیں۔ قدماء احناف نے اس کا کبھی اظہار نہیں کیا۔ نہ ہی تقلید شخصی کے لیے اس پابندی کو پسند فرمایا جس کا تذکرہ جناب نے ان ارشادات گرامی میں کیا۔ امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) حنفیت کے بہت بڑے مؤید ہیں۔ ان کا ارشاد میری گذارش کی تائید میں ہے۔ امام طحاوی، قاضی کے آداب میں امام محمدؒ کا ارشاد گرامی ذکر فرماتے ہیں۔

وان کان انما قضی به بتقلید الفقیه بعینه ثم تبین له ان غیره من اقوال الفقهاء اولی مما قضی به نقضه وقضی بما یراه فیه د به ناخذ ولا ینبغی له ان ینقض قضاء من تقدمه من القضاة اذا کان مما یختلف فیه الفقهاء اھ (مختصر الطحاوی ص۳۲۷) اگر قاضی نے کسی معین فقیہ کی تقلید میں فیصلہ کیا۔ پھر اسے معلوم ہوا کسی دوسرے فقیہ کا قول اس سے بہتر ہے تو اسے چاہیئے کہ پہلا فیصلہ توڑ کر صحیح فیصلہ کرے۔ طحاوی فرماتے ہیں۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن وہ متقدمین قضاۃ کے اس فیصلہ کو نہیں توڑ سکتا جس میں فقہاء کا اختلاف ہو۔"

دیکھئے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس جامد تقلید شخصی کی جناب نے دعوت دی ہے۔ قدماء احناف بھی اس سے آشنا نہ تھے۔ مختصر الطحاوی کا صفحہ ۳۲۷ پورا قابلِ ملاحظہ ہے۔ میں نے طول سے بچنے کے لیے نقل نہیں کیا۔

اور پھر جناب نے جس شدت اور وثوق سے تقلید شخصی کی تبلیغ فرمائی ہے اس میں انتہائی خطرات ہیں۔ عصبیت اور باہم بغض و عداوت کی آبیاری ہوگی۔ اس روش پر غور فرمائیے ؎

فاحفظ وقیت فتحت قد ملك هوة

کم قد هوی فیها من الانسان

اقوالِ ائمہ تقلید کے رد میں

ائمہ اجتہاد تقلید کے رد میں متفق ہیں اور انہوں نے صراحۃً اپنی اور غیر کی تقلید سے تاکید آرد کا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ یہ حکم ان لوگوں کے لیے نہیں جو صلاحیتِ اجتہاد سے محروم ہیں۔ بلکہ ان لوگوں کے لیے ہے جن میں اجتہاد کی صلاحیت پائی جاتی ہو۔ ارشاد گرامی موجب تعجب ہے۔ مجتہد تو تقلید کا مکلّف ہے نہیں اسے روکنا عبث ہے۔ دراصل مخاطب وہ لوگ ہیں جو مقام اجتہاد کو نہیں پہنچے لیکن وہ دین کی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں جیسے جناب یا اس قسم کے دوسرے علماء۔ عامی کا تو یوں ہی کوئی مذہب نہیں۔ وہ بے چارہ ائمہ اجتہاد سے کہیں زیادہ محلّے کی مسجد کے امام کا مقلد ہوتا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کیا فرماتے ہیں۔ اس کی زندہ مثال ہمارے عوام ہیں اور بریلوی علماء علام ان مزخرفات کو حنفی مذہب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان پریشان خیالیوں کی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔ اب صورت حال یوں ہے کہ مجتہد کو تقلید کی ضرورت ہے نہیں، آپ اور ہم ایسے لوگوں کو خود ائمہ نے روک دیا۔ عامی بیچارے کا کوئی مذہب ہی نہیں وہ تو ان علماء کا مقلد ہے جن کو تقلید سے حکماً روک دیا گیا ہے فاین التقلید؟

چوتھے شبہ میں آپ نے شاہ ولی اللہ صاحب کا حوالہ دیا ہے۔ ہم بھی شاہ صاحب کے مسلک کی وضاحت اوپر کر آئے ہیں ومن استزاد فلدینا مزید۔

پانچویں شبہ کے جواب میں مولانا نے فرمایا ہے کہ تذکیر کی آیات آسان ہیں اور احکام کی آیات مشکل۔ یہ بڑا ہی نامغالطہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور سنت میں علی الاطلاق مشکل مقامات بھی ہیں اور آسان بھی لیکن یہ بالکل بے معنیٰ ہے کہ اسے مجتہد کے سوا سمجھنا ممکن نہیں۔ آپ حضرات مدارس میں پڑھاتے ہیں۔ کتابوں پر شروح اور حواشی لکھتے ہیں۔ آپ کے مخالفین بھی اپنی بساط کے مطابق یہی کچھ کرتے ہیں۔ ان کے لیے ائمہ اجتہاد نے فرمایا ہے۔ اپنی سمجھ کے مطابق کتاب و سنت پر عمل کرو اور ہماری تقلید سے بچو۔ خذوا الاحکام من حیث اخذوا (احکام کو قرآن و سنت سے سمجھو) ولا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا مسئلہ مشکل ہو یا آسان مواخذہ استعداد اور نیت کے مطابق ہوگا۔

آخر میں قرآن کے مشکل ہونے کے متعلق مولانا نے شرح السنۃ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے۔ انزل القرآن علی سبعۃ احرف لکل آیۃ منہا ظہر وبطن ولکل حد مطلع (مشکوٰۃ) صاحبِ مشکوٰۃ نے اسے شرح السنۃ کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ اصحابِ تخریج نے کبیر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ یہ اصل غیر مطبوع ہیں۔ مفسر ابنِ جریر نے اس کی دو اسانید ذکر فرمائی ہیں۔ دونوں بیکار ضعیف اور منقطع ہیں سبعہ احرف کا حصہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔ وہ آپ کے لیے مفید نہیں۔ اور ظاہر و باطن کا حصہ مخدوش ہے۔

تقلید میں اعتدال یا جمود۔

مولانا نے جامد تقلید کو ناپسند فرمایا ہے اور اعتدال کو پسند! ع

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

ہم نے جناب کے ان ارشادات کو بغور پڑھا ہے۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات بھی نظر سے گذرے ہیں بڑے ادب سے گذارش ہے کہ تا حال آپ کے ارشادات میں اعتدال ناپید ہے جب آپ جمود اور اعتدال کے درمیان کوئی خطِ اعتدال کھینچیں گے ہم انشاء اللہ ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں گے۔ لیکن اس خطِ اعتدال کی سمتوں کا تعین حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی ہدایت کے مطابق فرمایا گیا تو یقین جانیے کہ بے اعتدالی سے اعتدال کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ آپ کے اس مشورہ سے اتفاق ہے کہ اعتدال ہر معاملہ میں بہتر ہے۔

○

کیا فقہ خود ساختہ قانون ہے؟

مولانا نے افسوس کا اظہار فرمایا ہے کہ بعض لوگ تقلید کی مخالفت کرتے ہوئے فقہاء کو برا بھلا کہنے سے نہیں چوکتے۔ اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو یقیناً یہ حرکت انتہائی مذموم ہے۔ اسی طرح بعض حضرات تقلید کی تائید فرماتے ہوئے آئمہ حدیث پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ

علمائے کرام اُمت کی مشترکہ امانت ہیں۔ اُن کے متعلق بدگوئی، بدزبانی کسی قیمت پر برداشت نہیں ہونی چاہیئے۔ آج مدرسہ دیوبند کے مولانا انظر غالباً سید انور شاہ ؒ کے لختِ جگر ایمہ حدیث کے مقام کی رفعتوں کو خاک میں ملانے کا شغل فرما رہے ہیں۔ یہ علامہ زاہد کوثری مرحوم کا بویا ہوا بیج ہے جسے پالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کافی عرصہ سے دیوبند کے اکابر اور اصاغر مشق ستم میں مشغول ہیں۔ جس کا نتیجہ منکرینِ حدیث کی تائید کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارے ہاں پاکستان کے بعض نو آموز مصنفین اسی بدزبانی کی سنّت کا احیاء کر رہے ہیں۔ حوالوں میں قطع و برید اور بدزبانی یہی ان کے خصائص ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان حضرات کو اصلاح کی توفیق بخشے۔

اس کے بعد مولانا نے چند مسایل کا ذکر فرمایا ہے۔ بہتر تھا مولانا اصول تک محدود رہتے اور فروعی مسایل کا ذکر نہ فرماتے۔ یہ فروع غمازی کر رہے ہیں کہ ایں محترم ان دیرینہ مباحث کو زندہ فرمانا چاہتے ہیں جن پر عرصہ تک طبع آزمائی ہوتی رہی ہے۔

پہلا مسئلہ

مولانا نے پہلا مسئلہ نماز میں ہاتھ باندھنے کا ذکر فرمایا ہے جس میں ایمہ اجتہاد نے تین راہیں اختیار فرمائی ہیں (۱) ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا (اہل حدیث اور شوافع) (۲) ہاتھ کھلے رکھنا (موالک) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا (احناف)

جہاں تک میرا ناقص مطالعہ ہے نماز تینوں طرح ہو جاتی ہے۔ موالک کے عمل کی تائید کسی حدیث سے نہیں ہوتی۔ خود امام مالک ؒ نے موطا میں ہاتھ باندھنے کی حدیث کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ موالک میں ہاتھ کھلے رکھنے کا رواج کیسے ہوا۔ میرے علم میں موالک کے اس عمل کو خودساختہ کبھی نہیں کہا گیا۔

احناف کے اس عمل کو کسی نے خودساختہ کہا ہو میرے علم میں نہیں۔ یہ درست ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کو مسلک اہل حدیث میں راجح سمجھا گیا ہے۔ جس حدیث سے مولانا نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے لیے استدلال فرمایا ہے۔ یہ بالاتفاق ضعیف ہے۔ مولانا نے بھی اس کے ضعف کو قریباً تسلیم

فرمایا ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد کے بعض نسخوں میں ہے۔ اسی طرح علی صدرہ کی روایت ابوداؤد کے بعض نسخوں میں موجود ہے۔

تحت السرہ کی روایت گو حکما مرفوع ہے لیکن وہ بجمیع اسانید ضعیف ہے اس کی تمام اسانید کا انحصار عبدالرحمان بن اسحاق واسطی پر ہے جو باتفاق ائمہ رجال ضعیف ہے۔

فوق الصدر کی بعض روایات میں بھی ضعف ہے لیکن دو احادیث اس میں صحیح ہیں۔

پہلی حدیث۔ حدثنا یحیی بن سعید عن سفیان حدثنا سماك عن قبیصة بن هلب عن ابیه رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینصرف عن یمینه وعن یسارہ ورأیته یضع هذہ علی صدرہ ووصف یحیی الیمنی علی الیسری فوق المفصل (مسند امام احمد ۲۲۶ ج ۵)

دوسری حدیث۔ ابن خزیمہ سے منقول ہے جس کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں فرمایا :۔ عن وائل بن حجر قال صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ رواہ ابن خزیمہ (مع سبل السلام صہ۱۵۱ ج ۱) حافظ ابن خزیمہ سے اس کی تصحیح بھی منقول ہے۔

ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور دونوں ہاتھ سینے پر رکھے۔ مزید بحث عون المعبود (ص ۲۷۶ ج ۱) میں ملاحظہ فرمائیں۔

تحقیق یہ ہے کہ یہ احادیث تحت السرۃ کی روایت سے زیادہ صحیح ہیں۔ اس لیے اہل حدیث اس مسلک کو راجح سمجھتے ہیں۔ امام احمد سے فوق السرہ اور تحت السرہ دونوں طرح منقول ہے۔

واختلف فی موضع الوضع فعنه فوق السرۃ وعنه تحتها وعند ابوطالب سئلت احمد این یضع یدہ اذا کان یصلی قال علی السرۃ او اسفل وکل ذالك واسع عندہ (بدائع الفوائد صہ۹۱ ج ۳) یعنی دونوں ہاتھ باندھنے کے مقام میں اختلاف ہے۔ ابوطالب امام احمد سے نقل فرماتے ہیں کہ اس میں وسعت ہے۔ دونوں امر درست ہیں۔

امام شافعی بھی فوق السرہ ہی کو پسند فرماتے ہیں۔ تحت السرہ کے متعلق جس قدر آثار ہیں۔ ان میں کوئی صحیح نہیں۔ تاہم آپ کے مسلک کو خود ساختہ کہنا مناسب نہیں۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی بنیاد

ضعیف آثار پر ہے۔ اس لیے اہل حدیث کا مسلک بلحاظ سند راجح ہے لیکن اسی مقام پر بعض حضرات بے حد غلو کرتے ہیں۔ اور یہ غلو دونوں طرف سے ہو رہا ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔ تحت السرہ کے قائلین بعض حضرات ہاتھوں کو اس قدر لٹکا دیتے ہیں کہ تحت السرہ کی بجائے فوق العانہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں یعنی زیر ناف تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور فوق السرہ کے قائل تحت العنق یعنی گلے کے قریب باندھتے ہیں۔ یہ دونوں صورتیں نہایت بدنما اور مکروہ محسوس ہوتی ہیں۔ رہا ادب اور تعظیم وہ تو سینہ پر ہاتھ باندھنے سے ہوتا ہے۔ ہاتھ نیچے تک لٹکا دینا تو ادب کے خلاف ہے نہیں بلکہ مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ تلاوت کے وقت سلام کے بعد ادب کے لیے عموماً ہاتھ سینہ پر ہی رکھے جاتے ہیں۔ زیر ناف رکھتے آج تک ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔

رفع الیدین عند الرکوع

اس مسئلہ میں واقعی آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ محض تحکم اور سینہ زوری سے کام لیا گیا ہے۔ میرا خیال تھا۔ کہ مولانا عثمانی انصاف پسندی سے اس کا اقرار کریں گے۔ صفائی سے فرمائیں گے کہ احناف واقعی اس مسئلہ میں تہی دست ہیں۔ لیکن مولانا نے جو طریقِ گفتگو اختیار فرمایا ہے اس سے انہوں نے اپنے محاسن میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔ اہلِ علم جانتے ہیں۔ صدیوں کے متنازعہ فیہ مسایل جن پر امت کے اعلام بار ہا طبع آزمائی فرما چکے ہوں ایسے بے سہارا تو نہیں ہو سکتے۔ کوئی نہ کوئی غلط یا صحیح سہارا تو ضرور ہو گا۔ آپ نے ان سے ایسے مشہور مسایل کا انتخاب فرمایا جن پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مناسب تھا کہ پرانے نوالے چبانے کی کوشش نہ کی جاتی۔ بلکہ آپ اس میں کوئی نئی تحقیق سامنے لاتے۔ ورنہ ان مسایل میں تو فریقین ایک دوسرے کی انتہا کو خوب سمجھتے ہیں۔ اب آپ نے طبع آزمائی کے لیے ان مسایل کو انتخاب فرمایا تھا اس لیے مجھے بھی اس کے متعلق عرض کرنا ہو گا۔

میں نے عرض کیا ہے اس مسئلہ میں آپ فی الواقعہ تہی دست ہیں اور دلایل کے لحاظ سے کمزور۔ آپ نے اس وقت دو احادیث ذکر فرمائی ہیں پہلی حدیث کی نقل میں آپ نے اپنے پہلے بعض بزرگوں کی تقلید میں بڑی جسارت سے کام لیا ہے۔ ورنہ اس حدیث میں نہ رفع الیدین عند الرکوع کا بالکل ذکر ہی نہیں۔

اکابر حنفیہ رحمہم اللہ محض سینہ زوری سے اس کا تذکرہ فرماتے ہیں اور آپ حضرات ان پر اعتماد فرما کر جرأت فرما دیتے ہیں۔ ورنہ دیانتداری کا تقاضہ یہ ہے کہ اس ضمن میں اس کا تذکرہ ہی نہ کیا جائے۔ مگر جناب نے جو فرمانا تھا فرما دیا ہے:۔

○

پہلی حدیث

صحیح مسلم میں اس حدیث کو چار طرق سے روایت فرمایا ہے۔ تحویلات کو میں نے نظر انداز کر دیا ہے۔

ابوداؤد میں بھی معمولی اختلاف کے ساتھ قریباً یہی اسانید منقول ہیں۔ بعض میں متن مختصر ہے اور بعض میں مفصل۔ حدیث ایک ہے۔ اس کی روایت کے الفاظ واضح ہیں۔ عن جابر بن سمرۃ کنا اذا صلینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ واشار بیدہ الی الجانبین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علام تومئون بایدیکم کانہا اذناب خیل شمس انما یکفی احدکم ان یضع یدہ علی فخذہ ثم یسلم علی اخیہ من علی یمینہ وشمالہ (صلا صحیح مسلم ج ۱) یعنی جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے تو ہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے اور دونوں طرف ہاتھوں سے اشارہ کرتے۔ آپ نے فرمایا تم یہ اشارے کیوں کرتے ہو جیسے تیز گھوڑے دم ہلاتے ہیں تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ ران پر ہاتھ رکھو۔ پھر اپنے بھائی کو سلام کہو۔

یہ تمام احادیث جابر بن سمرہ ہی سے مروی ہیں۔ تمام کا مضمون ایک ہی قسم کا ہے۔ بیّن طور پر معلوم ہوتا ہے واقعہ میں کوئی فرق نہیں۔ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔ آپ ایسے اصلاح پسند حضرات کو ایسی سطحی بات نہیں فرمانی چاہیئے۔ امام بخاری فرماتے ہیں لا یحتج بھذا الا من لاحظ لہ من العلم (اس حدیث سے وہی استدلال کرے گا جسے علم سے کوئی حصہ نہیں ملا)

اگر یہ استدلال صحیح سمجھا جائے تو اس کا اثر تکبیرات عیدین، تکبیر افتتاح، تکبیر قنوت پر بھی پڑے گا۔ ابن حبان فرماتے ہیں۔ انما امروا بالسکون فی الصلوٰۃ عند الاشارۃ بالتسلیم دون الرفع الثابت عند الرکوع (عون المعبود ص۳۸۲ ج ۱) یعنی یہ سکون کا حکم سلام کے وقت تھا۔ رفع الیدین عند الرکوع کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں فلیحذر امرؤ ان یتقول علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تقول اور جھوٹ سے ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے (عون ص۳۸۲ ج ۱)

مسلم اور ابوداؤد کے اس مقام کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ معاملہ واضح ہے لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید۔

دوسری حدیث

دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ عبداللہ فرماتے ہیں فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ (ابوداؤد ص۲۶ ج ۱) آپ نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھائے۔ قال ابوداؤد ھذا مختصر من حدیث طویل ولیس ھو بصحیح علی ھذا اللفظ (ص۲۶ ج ۱) اندریں صورت پہلی حدیث کا موضوع سے تعلق نہیں۔ دوسری باتفاق آئمہ حدیث ضعیف ہے۔ قال ابن مبارک لم یثبت عندی قال ابو حاتم ھذا حدیث خطأ قال احمد بن حنبل ویحیی بن آدم ھو ضعیف وتابعھما البخاری علی ذالک قال ابوداؤد لیس بصحیح قال الدارقطنی لم یثبت (عون المعبود ص۲۶ ج ۱) ابن مبارک فرماتے ہیں۔ حدیث ثابت نہیں۔ ابو حاتم فرماتے ہیں۔ یہ حدیث خطا ہے۔ امام احمد یحیی بن آدم اور امام بخاری فرماتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام دارقطنی کہتے ہیں یہ ثابت نہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں۔ اہل کوفہ کے پاس رفع الیدین کے خلاف ایک یہی حدیث ہے اور یہ فی الحقیقت انتہائی ضعیف ہے۔

عاصم بن کلیب اور محمد بن جابر کے دونوں طریق باتفاق آئمہ ضعیف ہیں۔ امام ترمذی کی تحسین ان کی خاص اصطلاح ہے جس میں اعتماد اور ثقاہت کا لزوم نہیں کما ھو مبسوط فی کتب المحدثین۔ امام ترمذی اس حدیث کے متعلق صراحت فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث ثابت نہیں قال عبد اللہ بن المبارک

قد ثبت حدیث من یرفع و ذکر حدیث الزہری عن سالم عن ابیہ ولم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع الا فی اول مرۃ (ترمذی صفحہ ۲۲۰ ج ا مع تحفہ) یعنی امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ ابن عمر کی حدیث رفع الیدین کے متعلق بواسطہ زہری ثابت ہے اور عبداللہ بن مسعود کی حدیث کہ آنحضرت نے صرف پہلی دفعہ رفع الیدین کی ثابت نہیں۔"

محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں اجمع علماء الامصار علی مشروعیۃ ذالک الا اھل الکوفۃ (۲۱۹ تحفۃ الاحوذی ج ا) یعنی تمام اسلامی ممالک کے اہلِ علم نے رفع الیدین کی مشروعیت پر اتفاق فرمایا اہلِ کوفہ کے سوا اھ

امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں حضرت حسن اور حمید بن بلال سے ذکر فرمایا کہ صحابہ رفع الیدین کرتے تھے اور اس سے کسی کو استثنار نہیں کیا۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔ رفع الیدین کا ترک کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں۔ اور اسی طرح علمار حجاز، علمار مکہ، علمار عراق شام بصرہ اور یمن اور بہت سے علماء خراسان سے منقول ہے۔ سعید بن جبیر، عطار بن ابی رباح، مجاہد، قاسم، سالم بن عبداللہ، عمر بن عبدالعزیز، نعمان بن ابی عیاش، حسن ابن سیرین، طاؤس، مکحول، عبداللہ بن دینار، نافع مولا عبداللہ بن عمر، حسن بن مسلم اور قیس بن سعد اور بہت سے علمار کا یہ معمول تھا۔ اسی طرح امام درداء سے بھی رفع الیدین مروی ہے۔ اس وقت نہ اس مسئلہ کا استیعاب مطلوب ہے کہ کس کس نے اس پر عمل کیا نہ مناظرہ مقصود ہے۔ بلکہ جناب ایسے منصف مزاج عالم کو توجہ دلانا مطلوب ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء عراق کا مدار دلایل سے زیادہ تقلید پر ہے۔ بہ تعصب سے یہ حدیث علمار عراق میں قبول کا مقام نہیں حاصل کر سکی۔ متقدمین اللہ ان پر رحم فرمائے ممکن ہے ان دلایل کی اہمیت معلوم نہ فرما سکے ہوں۔ آپ ایسے انصاف پسند، معاملہ فہم بزرگوں کو بحث میں یہ انداز نہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ متاخرین فقہار عراق نے از راہِ انصاف متقدمین کے کئی مسایل کا انکار فرمایا۔ اس مسئلہ کو بھی اسی قسم میں شامل فرمانا چاہیئے۔ یہ ساری تفصیل جزء رفع الیدین للبخاری اور عون المعبود و تحفہ اور دیگر شروح حدیث میں مرقوم ہے۔

اسی طرح براء بن عازب کی حدیث جو بروایت یزید بن ابی زیاد مروی ہے۔ اس میں لم یرفع یدیہ

الا اول مرۃ ثابت نہیں۔

خلاصہ

جو روایات معلوم ہیں ان کی حالت تو یہی ہے جو مرقوم ہوئی۔ معلوم نہیں وہ سات آٹھ روایات کہاں ہیں جن کا جناب نے ذکر فرمایا۔ آپ رفع الیدین نہ کریں آپ کو اختیار ہے ہم بھی اس سے غرض نہیں سمجھتے لیکن اگر آپ یہ فرمائیں کہ یہ ترک کسی مستند حدیث سے ثابت ہے تو علم و روایت پر ظلم ہو گا یہ فرمائیں کہ ترک رفع بھی سنت ہے یہ بڑی بے انصافی ہو گی۔ ایسا ترک جس کے پیچھے دلایل ناپید ہوں قطعاً سنت نہیں ہو سکتا۔ اول تو متروک کو سنت کہنا ہی محلِ نظر ہے۔ ایک ہی فعل پر عمل اور ترک دونوں سنت ہوں مضحکہ خیز ہے۔ جہاں ایک طرف دلایل کے انبار ہوں اس کے بالمقابل ترک کو سنت کہنا قطعاً معقول نہیں۔ اکابر دیوبند سے بعض مستند علماء نے دونوں کو سنت فرمایا ہے۔ ہمیں ان کی اس روش پر تعجب ہے۔ عفا اللہ عنہم۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا ارشاد بھی یہی ہے کہ دونوں سنت ہیں لیکن آخر میں فرماتے ہیں والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع فان احادیث الرفع اکثر واثبت (ص۸ حجۃ اللہ البالغہ) یعنی رفع الیدین کرنے والا نہ کرنے والے سے زیادہ پسندیدہ ہے اس لیے کہ رفع الیدین کی احادیث زیادہ بھی ہیں اور صحیح بھی۔ اھ

◯

جلسہ استراحت

جلسہ استراحت استحبابی امر ہے۔ تاہم اگر احباب انصاف کی نگاہ سے دیکھتے تو کم از کم جلسہ استراحت کے ترک کو ترجیح نہ دیتے۔ انصاف پسندی کا تقاضا یہ تھا کہ جناب دونوں احادیث کے مفہوم اور اسناد پر نگاہ ڈالتے۔ جلسہ کی تائید میں مالک بن حویرث کی حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے اذا کان فی وتر من صلوٰته لم ینهض حتی یستوی جالسا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ سے بیٹھ کر کھڑے ہوتے) امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث مالک بن الحویرث حدیث حسن صحیح (ترمذی ج۱ ص۲۲۷) تحفہ بھی صاف ہے حدیث بھی صحیح ہے۔

ابوہریرہ کی حدیث جس سے آپ نے جلسۂ استراحت کے ترک پر استدلال فرمایا ہے معنیٰ میں واضح نہیں۔ قدموں کے صدور پر کھڑا ہونے میں قیام کی ہیئت واضح فرمائی ہے جلسۂ استراحت کی نفی نہیں تطبیق ہوسکتی ہے۔ جب جلسہ استراحت سے اُٹھتے تو قدموں کے صدر پر بوجھ ڈال کر اُٹھتے۔ اس سے جلسۂ استراحت کی نفی نہیں ہوتی صرف قیام کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ روایت بھی ضعیف ہے اس میں خالد بن ایاس کے متعلق ترمذی فرماتے ہیں خالد بن ایاس ضعیف عند اہل الحدیث (ترمذی ص۲۲۸ ج۱) خالد بن ایاس ائمہ حدیث کی نظر میں ضعیف ہے۔ اس قسم کے دلائل تقلید ہی کے دامن میں پناہ لے سکتے ہیں تحقیق پسند آدمی ایسی احادیث پر اعتماد نہیں کرسکتا۔ آپ نے صحیح بخاری کا بھی حوالہ دیا ہے اگر کوئی واضح اور صحیح حدیث ہو تو اس کا حوالہ دیں۔ جہاں تک میرا ناقص علم ہے صحیح بخاری میں ترک جلسہ استراحت کے متعلق کوئی حدیث نہیں متعصب علماء کی طرح سینہ زوری ہوسکتی ہے۔ ویسے جلسہ استراحت کے متعلق احادیث میں جس طرح صراحت موجود ہے۔ اس کے خلاف کوئی صراحت نہیں عن مالک بن الحویرث اللیثی انہ رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فکان اذا کان فی وتر من صلوٰتہ لم ینھض حتی یستوی جالسا قال ابو عیسٰی مالک بن الحویرث حدیث حسن صحیح (جامع ترمذی ص۲۳۷ ج۱) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طاق رکعتوں سے اُٹھتے تو اطمینان سے بیٹھ کر کھڑے ہوتے یہ حدیث حسن صحیح ہے"۔ آپ نے جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس میں اجمال ہے۔ مالک بن حویرث کی حدیث جلسہ استراحت واضح اور مفصل ہے۔

آخری قعدہ میں تورک

یہ درست ہے اہل حدیث، شوافع، حنابلہ وغیرہ آئمہ سنت آخری قعدہ میں تورک کو پسند فرماتے ہیں یعنی بایاں پاؤں بچھا دیا جائے اور ران پر بوجھ ڈال دیا جائے۔ اور دایاں پاؤں کھڑا رہے۔ ابوحمید ساعدی کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ افترش رجلہ الیسریٰ واقبل بصدر الیمنی علی قبلتہ الخ (ترمذی ص۳۸ ج۱ باب وصف الصلوٰۃ) میں ابوحمید کی حدیث مفصل ذکر فرمائی۔ اس کے الفاظ زیادہ صاف ہیں حتی اذا کانت الرکعۃ التی تنقضی فیھا صلوٰتہ اخرج رجلہ الیسریٰ وقعد علی شقہ

منتو دکانثم سلم (ص ۲۴۹ ج ۱) آخری رکعت پر جب نماز ختم فرماتے تو بائیں پاؤں کو ایک طرف نکال کر ران پر بیٹھ جاتے اور سلام کہہ دیتے۔ اھ"

ان واضح احادیث کی بنا پر اہل حدیث تورک کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن تورک نہ کرنے کی وجہ سے نماز کو فاسد نہیں کہتے۔ ممکن ہے کراچی میں کسی اہل حدیث طالب علم نے آپ سے یہ کہہ دیا ہو۔ جہاں تک علماء اور سنجیدہ حضرات کا تعلق ہے اس وجہ سے نماز فاسد نہیں کہتے۔ البتہ آپ نے جس حدیث سے استدلال فرمایا ہے وہ مجمل ہے اور ابو حمید کی روایات مفصّل اور واضح ہیں والمفصل یقضی علی المجمل:

قرأت فاتحہ خلف الامام

یقیناً اہل حدیث کے نزدیک راجح یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ امام مقتدی سب پر فرض ہے۔ اس مسئلہ میں دیرینہ اختلاف ہے اس لیے فقہائے عراق نے اس پر کافی طبع آزمائی فرمائی ہے۔ لیکن یہ سارے مباحث سلبی قسم کے الزامات ہیں۔ ایجابی طور پر جو احادیث محلِ نزاع میں صریح ہیں وہ صحیح نہیں، جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں یعنی مطلق قرأت کے متعلق ہیں ان میں فاتحہ کا ذکر نہیں۔ محترم مغفور سیّد انور شاہ صاحب نے ان سلبی اور الزامی راہوں کی کافی نشان دہی فرمائی ہے۔ لیکن اصل موضوع ہنوز تشنہ ہے۔ واقعی امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کے متعلق سب سے پختہ دلیل علمائے عراق کی تقلید ہے۔ آپ خود غور فرمائیں۔ آپ نے حضرت جابر کا اثر ذکر فرمایا۔ آپ کو کوئی مرفوع روایت نہیں ملی۔ امام طحاوی وغیرہ نے اس کا رفعاً ذکر فرمایا ہے۔ لیکن کوئی طریقہ صحیح نہیں۔ غیظ وغضب کی کوئی بات نہیں۔ اظہار واقعہ کو آپ غیظ وغضب سمجھتے ہیں۔ آپ مختار ہیں۔ اہل حدیث نے آپ کو بعض کمزور مقامات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ رد یا قبول آپ کے اختیار میں ہے۔ غیظ وغضب کا کسی کو حق نہیں۔ ویسے اس مسئلہ میں رفع الیدین سے آپ کی پوزیشن کسی قدر اچھی ہے۔ اس موضوع پر طرفین نے بہت کچھ لکھا ہے اس لیے طول اور تفصیل کی ضرورت نہیں۔

آخری دو رکعتیں

حضرت مولانا انصاف پسندی کے دعویٰ کے باوجود بعض مقامات پر بے حال ہو گئے ہیں طبیعت پر ضبط نہیں فرما سکے۔ مولانا نے یہ تو قبول فرما لیا ہے۔ کہ آخری دو رکعتوں میں خاموش رہنا حدیث سے

تو ثابت نہیں لیکن اس کے خلاف بھی کوئی صریح حدیث نہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فاقرءوا ماتیسر من القرآن سے استنباط فرمایا۔ حضرت امام کے استنباط کی وضاحت مولانا نے مناسب نہیں سمجھی، اس لیے اس کے متعلق گذارش کرنا مشکل ہے۔ البتہ احادیث میں صراحت موجود ہے۔ کہ فاتحہ سب رکعات میں ضروری ہے۔ امام بیہقی نے جزء القرأۃ میں مسیئی الصلوٰۃ کی حدیث کو کئی طرق سے روایت فرمایا ہے۔ اس میں فاتحہ کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں صراحت فرمائی ہے۔ کذالک افعل فی صلواتک کلہا (ص۱۲، پوری نماز اسی طرح ادا کر یعنی مع سورہ فاتحہ)

آپ نے ترمذی (ص۴۲ ج ۱) سے جو اثر حضرت جابر کا نقل فرمایا ہے اس میں بھی یہ الفاظ مرقوم ہیں۔ یقول من صلی رکعۃ لم یقرء فیہا بام القرآن (جو شخص ایک رکعت بھی ام القرآن کے بغیر پڑھے تو اس کی رکعت نہیں ہوگی مگر امام کے پیچھے) اس میں رکعت کی صراحت سے ظاہر ہے کہ قرأۃ ہر رکعت میں ہے۔ آپ کو اپنے حلقوں میں اس پر نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ امام شافعی کا حکم نصوص پر مبنی ہے۔ واقعی کوئی رکعت قرأۃ سے خالی نہیں ہونی چاہیئے۔

زبان سے نیت

جہاں تک خیال ہے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ نیت دل کا فعل ہے۔ اس کا زبان سے کوئی تعلق نہیں۔ آئمہ اربعہ رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں۔ جس التزام سے یہ فعل کیا جاتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ عوام کو اس غلطی پر متنبہ کیا جائے۔ یہ عجیب ہے کہ جناب جہلاء کے فعل اور عمل کی خواہ مخواہ ذمہ داری اٹھاتے بلکہ وکالت فرماتے ہیں۔ رہا انسانی دھندوں کا معاملہ سو زبانی نیت اور جہر بالقرأۃ وغیرہ میں بھی اس سے مخلصی نہیں ہوتی۔ اس کے لیے آپ ایک بدعت کی اجازت دے رہے ہیں۔ اس سے پرہیز فرمائیے اور عوام کو ترغیب دیجیے وہ سنت پر عمل کریں۔ زبان کے لحاظ سے نیت کا تعلق جوارح سے نہیں۔ خصت النیۃ فی غالب الاستعمال بعزم القلب علی امر من الامور (مصباح المنیر ص۳۰۰ ج ۲) نیت کا لفظ عموماً دل کے عزم پر بولا جاتا ہے۔ نویت نیۃ۔ نواۃ عزمت (تہذیب الصحاح ج ۳ ص۱۰۸۲)

اوپر کے علمی حلقوں سے عوام کی وکالت پر تعجب ہو رہا ہے۔ اس قسم کی وکالت عموماً بریلوی حضرات

فرمایا کرتے تھے۔ آپ حضرات اسی سطح پر آ گئے حافظوا علی نیاتکم میں انما الاعمال بالنیات سے کوئی خاص زیادت نہیں۔ نیت بہر حال عمل کے لیے ضروری ہے۔ اس وقت بھی عوام اسے نماز کے واجبات سے سمجھتے ہیں۔ ابن قیم کی نیابت آج بھی ضروری ہے۔

○

قربانی نماز سے پہلے

حضرت العلام نے یہ مسئلہ اس انداز سے لکھا ہے گویا حضرت مولانا معترضین کے موقف سے قطعی بے خبر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل حدیث گاؤں اور شہر دونوں میں عید واجب سمجھتے ہیں۔ انہیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مقام پر بھی اختلاف ہے۔ بلکہ قربانی کا اختلاف اس کی فرع ہے۔ حدیث من ضحیٰ قبل الصلوٰۃ فانما ذبح لنفسہ ومن ذبح بعد الصلوٰۃ فقد تم نسکہ (مسلم) یعنی جس نے نماز عید کے پہلے قربانی کی اس نے اپنی ذات کے لیے قربانی کی جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی درست ہے۔

اس حدیث کے مخاطب اہل حدیث کے نزدیک شہری اور دیہاتی سب لوگ ہیں۔ اس میں احناف کے ہاں حضرت علیؓ کے اثر سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ وھو کما تریٰ لا تقوم بہ حجۃ والتفصیل فی سر من رای فی بحث الجمعۃ فی القرای۔ للعلامۃ بقا غازی پوری۔

مفقود الخبر کی بیوی

مفقود الخبر کے مسئلہ میں قدماء احناف کو قدماء حنابلہ اور ابن حزم ایسے ظاہری حضرات کی حمایت بھی حاصل ہے۔ یہ حضرات بھی تقریباً وہی فرماتے ہیں جو قدماء احناف نے فرمایا۔ اس میں قابل غور مسئلہ عورت کے حقوق اور جذبات ہیں۔ قرآن کا ارشاد ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا۔ نیز ایلاء میں چار ماہ سے زیادہ مرد کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن عزیز نے عورت کے حقوق اور جذبات کا پورا خیال رکھا ہے۔ محض علماء کی فقہی موشگافیوں کے پیش نظر اس بیچاری کو صبر کی تلقین

کر کے اسے امتحان میں ڈالا گیا ہے۔ اگر تقلید میں جمود نہ ہوتا تو یقیناً یہ بے انصافی کبھی گوارا نہ کی جاتی جناب نے جو آثار اپنے مذہب کی حمایت میں پیش فرمائے ہیں وہ اس اصول کے خلاف ہیں جس کی رہنمائی قرآن عزیز نے فرمائی۔

پھر اس نوّے سال کی تحدید کے لیے کوئی مرفوع صحیح روایت بھی سنت کے دفتروں میں موجود نہیں صرف اکابر کی آراء ہیں۔

الحیلۃ الناجزہ میں مولانا تھانویؒ اور ان کے رفقاء نے بڑا کرم فرمایا کہ پرانے جمود کو توڑ کر شوافع، موالک اور حنابلہ کی فقہیات سے بعض جزئیات کو قبول فرمالیا۔ حالانکہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ سخت قسم کے جامد تھے۔ اللہ نے ان سے یہ کام لیا جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اتباع سنت اور ترکِ تقلید کی دعوت کا اس سے زیادہ کوئی مطلب نہیں کہ یہ جمود ترک کردیا جائے اور انسانی مصالح کو تقلیدی مصالح پر مقدم رکھا جائے۔ الحیلۃ الناجزہ میں ان فتووں کے حاصل کرنے میں جو طریق اختیار فرمایا گیا۔ یعنی قرآن اور سنت کی نصوص کے مفہوم کو جسے مولانا تھانویؒ اور ان کے رفقاء کار خود بھی صحیح سمجھتے تھے اسے شوافع اور موالک کی تصدیق سے قبول کیا گیا۔ یہ جمود کی ناپسندیدہ مثال ہے۔

ہم نے بھی درس نظامی مشہور اساتذہ سے پڑھا ہے۔ قرآن و حدیث اتنا مشکل نہیں جس قدر آپ، حضرات اسے سمجھ رہے ہیں۔ اس لیے مسایل کے اظہار میں حیل کو چھوڑ یئے اور ایمۂ اربعہ کے ساتھ مساوی محبت رکھیے۔ متاخرین فقہاء نے مفقود کے مسئلہ میں اپنی رائے بدل لی۔ متقدمین احناف نے قرآن، حدیث، فقہ کی تعلیم پر اجرت کے متعلق بھی اجازت مرحمت فرمائی۔ ہر زمانہ میں ضرورۃً ایسی تبدیلیاں ہوتی رہیں آج معلوم نہیں یہ جمود کیوں ضروری سمجھا جا رہا ہے۔

الحیلۃ الناجزہ میں دوسرے مذاہب سے استفادہ فرمایا گیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر مقلد بننے کے لیے کتنے مسایل میں تحقیق اور دوسرے مذاہب سے استفادہ ضروری ہے۔ اگر مولانا کا یہ ارشاد درست ہے کہ فقہاء نے فقہی مسایل اور نئے اجتہادیات کا پوری دیانتداری سے جائزہ لیا تو یقیناً ایمۂ حدیث اور فقہاء محدثین نے بھی فقہ الحدیث کا استنباط پوری دیانتداری سے کیا ہے۔ لہٰذا ان کے متعلق بھی زبان درازی

میعوب ہے۔حضرت امام بخاریؒ نے مفقود الخبر کے باب میں حدیث لقطہ کا ذکر فرمایا۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضرورت داعی اور حالات کا تقاضا ہو تو ایک سال کے بعد بھی اسے عدت موت کی اجازت دی جا سکتی ہے اگر ایسا عمل میں آجائے تو اُمید ہے محترم مولانا اور مدیر فاران اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

مضمون کے آغاز اور آخر میں مولانا نے جس صلح پسندانہ اور مخلصانہ جذبات کا اظہار فرمایا ہم اس کے لیے ان کے شکر گذار ہیں۔اسی طرح مدیر فاران کی اصلاح کوشی کو بھی ہم عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

لیکن گذارش ہے کہ ان خیالات کا تذکرہ دروس، مجالسِ وعظ، جمعہ کے خطبات اور عمومی خطابات میں ہونا چاہیے۔ تاکہ عوامی ذہن صاف ہو اور ان اختلافات کو محض دلایل کی روشنی میں دیکھا جائے۔اگر کوئی آدمی دیانتہً دوسرے کے خیالات سے متاثر ہو کر انہیں قبول کرلے تو اسے نہ مستحق تعزیر سمجھا جائے نہ اس سے نفرت کی جائے۔جہاں تک واقعات کا تعلق ہے۔ابتک عصبیت آپ حضرات ہی کی طرف سے آئی ہے ایک مثال ملاحظہ فرمایئے۔

وقف علی اصحاب الحدیث لا یدخل فیہ الشافعی اذ لم یکن فی طلب الحدیث ویدخل الحنفی کان فی طلبہ اولا اھ (الدرالمختار ج ۴ صفحہ ۲۷۵ طبع مصر) یعنی اگر کسی شخص نے اصحابِ الحدیث کے لیے کوئی چیز وقف کی ہو تو شافعی اگر حدیث کا طالب علم نہ ہو تو اس وقف میں شامل ہو جائے گا۔اس کی دلیل یہ بتاتی ہے۔لکونہ یعمل بالمرسل ویقدم خبر الواحد علی القیاس (حوالہ مذکور) اس لیے کہ مرسل پر عمل کرتے ہیں اور خبر واحد کو قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں۔"

اس دلیل کی قدر و قیمت اہلِ علم سمجھ سکتے ہیں کہ مرسل کی قیمت بلحاظ حدیث کیا ہے اور خبر واحد کے ساتھ علماء اصول فقہ نے جو سلوک کیا ہے معلوم ہے۔حالانکہ مسلک اہل حدیث، احناف اور شوافع دونوں سے مختلف ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں:۔

ذکر فی فتح القدیر ان الخوارج الذین یستحلون دماء المسلمین واموالھم ویکفرون الصحابۃ حکمھم عند جمھور الفقھاء واھل الحدیث حکم البغاۃ وذھب بعض اھل الحدیث الی انھم مرتدون قال ابن المنذر لا اعلم احدا وافق اھل الحدیث علی تکفیرھم اھ (شامی صہ ۴۵۲ ج ۴) یعنی

ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ خوارج جو مسلمانوں کا قتل جائز سمجھیں اور صحابہ کو گالی دیں جمہور فقہاء اور اہل حدیث کے نزدیک وہ باغی ہیں بعض اہل حدیث نے انہیں مرتد کہا ہے ابن منذر کہتے ہیں۔ باقی فقہاء اہل حدیث سے متفق نہیں ہیں۔

شامی کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیث ایک مستقل مکتبِ فکر ہے۔ کیا یہ تعصب نہیں کہ شوافع کو وقف سے الگ کر دیا گیا۔ حالانکہ شوافع کا شغف سنت کے ساتھ احناف سے زیادہ ہے۔

تعصب کی ایک اور بدبودار مثال ملاحظہ فرمائیے۔

شرح العقاید النسفیہ کے حاشیہ نظم الفرائد میں محشی مولانا احمد حسن صاحب سنبھلی نے ائمہ سنت کے عقیدہ تفویض کا تذکرہ بواسطہ امام شوکانی فرمایا۔ پھر شدتِ غضب کی وجہ سے بدزبانی پر اتر آئے اور ائمہ تفویض کے متعلق بے حد غلیظ لہجہ اختیار فرمایا۔ آخر میں فرماتے ہیں۔ وخلفاء هذه الملة اربعة ابن تيميه ابن القيم والشوكانى فيقولون ثلثة رابعهم كلبهم واذا انضم اليهم ابن حزم وداود الظاهرى صاروا ستة ويقولون خمسة سادسهم كلبهم رجما بالغيب وخاتم المكلبين مثله كمثل الكلب ان تحمل عليه يلهث وان تتركه يلهث بشنع على اهل الحق فى التنزيه الخ (ص۱۰۲)

یہاں ابن تیمیہ، ابن قیم، شوکانی، ابن حزم، داؤد ظاہری، نواب صدیق حسن خاں کے متعلق جس طرح بدزبانی کی ہے مجھے اس کے ترجمہ کا بھی حوصلہ نہیں۔ یہ کوثر کی زبان آپ حضرات کی طرف سے آئی ہے۔ اس سے آگے صفحہ ۱۰۴ کے حاشیہ میں اس سے بھی زیادہ بدزبانی کی گئی ہے۔ میرا تو تجربہ ہے جب تک دنیا میں تقلید شخصی موجود ہے۔ اہل علم کی آبرو محفوظ نہیں رہ سکتی۔ آپ حافظ ابن العربی کی احکام القرآن ملاحظہ فرمایئے۔ خود مالکی ہیں لیکن امام شافعی کا تذکرہ کس حقارت سے فرماتے ہیں۔ کتب اصول میں امام شافعی اور داؤد ظاہری کو جہل کی طرف منسوب کرنے میں تامل نہیں کیا گیا (نور الانوار ص۲۹۸) تقلید میں عجمت کا افراط اور غلو ضروری ہے اور اس کا اثر مخالف پر جو ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

حضرات غرباء اہل حدیث کا تشدد اور غلو اور مصنف تلاشِ حق کے بعض غیر متوازن اور مبالغہ آمیز فقرات کی تلخی ناخوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کا پس منظر بھی اکثریت کا تشدد آمیز رویہ ہے۔ ورنہ

کون نہیں جانتا حضرت شیخ مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ مدت العمر جمعہ احناف کی اقتداء میں ادا فرماتے رہے۔ اس وقت علماء احناف سے ان کے مراسم بڑے اچھے تھے لیکن جب سید صاحب محترم حج کے لیے تشریف لے گئے تو حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم مولانا رحمۃ اللہ مرحوم اور مولانا خیرالدین مرحوم نے حرم بیت اللہ میں ان سے کیا معاملہ کیا۔ جامع الشواہد السی کتاب کے اتہامات مرحوم پر تھوپ کر گرفتار کرایا۔ پھر تحقیق کے بعد مرحوم جب بری ثابت ہوئے۔ تو معافی کا نشاخسانہ کھڑا کر دیا۔ لدھیانہ کا ایک ذہین خاندان اس بزم کشی میں شریک رہا۔ مولانا عبدالعزیز، مولانا عبدالقادر، مولانا محمد، یہ سب حضرات اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے ان مظالم میں شریک تھے۔ آج بھی بریلوی حضرات کی غلط کاریوں سے اتنا شکوہ نہیں جس قدر ابنائے دیوبند سے ہے۔ پاکستان میں دیوبندی علماء سے ایک نوجوان اور نوآموز گروہ اور خود دیوبند سے جو لٹریچر شائع کیا جا رہا ہے نہ اکابر دیوبند کی عزت میں اس سے اضافہ ہوتا ہے نہ ہی اسے علم و دیانت کے معیار پر پرکھا جا سکتا ہے۔ اہل حدیث کے ساتھ انتہائی تعصب کی بو اس لٹریچر سے آتی ہے۔ اہل حدیث اور فقہاء مذاہب کا اختلاف فہم کا اختلاف ہے۔ اس کو نفرت کا رنگ دینا پھر اسے عوامی مجالس میں اس طرح رکھنا پھر اسے عوامی مجالس میں اس طرح رکھنا کہ اس کا فیصلہ عوام کریں نہ ہی یہ فعل مستحسن ہے نہ ہی اس کوشش سے کوئی مفید نتیجہ برآمد ہوگا۔

مدیر فاران کا یہ خیال درست ہے حنفی ہو یا اہل حدیث کوئی ان میں اسلام سے خارج نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ جو راہ میں نے اختیار کی ہے اقرب الی السنۃ ہے۔ ان مباحث میں زیادہ سے زیادہ یہی سکونِ قلب حاصل ہو سکتا ہے ۔

اہلحدیث کی اقتدا

ابوالخیرات جناب محمود احمد صاحب رضوی

(بریلوی رضاخانی) مدیر رضوان کے جواب میں

اہل حدیث کی اقتدا۔

رضوان لاہور مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء کے نماز نمبر میں بعض اختلافی مسایل کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں گل و خار کے عنوان سے کیا گیا۔ سنجیدہ مزاح بُری چیز نہیں لیکن دینی مسایل میں مزاح اچھی چیز نہیں ہے بلکہ قرآن نے اسے جہالت قرار دیا ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ۔ معلوم نہیں ادارہ رضوان نے دینی مسایل میں یہ طریق کیوں اختیار کیا ہے۔ "رضوان" رضاخانی احناف کا ترجمان ہے یہ حضرات فہم مسایل میں فقہ حنفیہ سے کہیں زیادہ اعتماد مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے طریق فکر پر رکھتے ہیں۔ فقہ حنفیہ کے ساتھ ان کا تعلق محض عوام کے ساتھ رابطہ کی بنا پر ہے۔ ورنہ حضرت امام والامقام کے علم و تفقہ سے انہیں چنداں دلچسپی نہیں۔ جہاں اجتہاد کی طغیانی کا یہ عالم ہو کہ عقاید کے اثبات میں قیاس سے کام لیا جاتا ہو بلکہ نصوص قطعیہ کو نظر انداز کرنے میں بھی پرہیز نہ ہو وہاں حضرت امام کے طریق فکر کی کیا وقعت ہے اور جہاں اثبات عقاید میں ظنیات سے پرہیز اور اخبار احاد ایسی واجب التعمیل نصوص میں بھی احتیاط کا دامن چھوٹنے نہ پایا ہو رحمہ اللہ ورضی اللہ عنہ وعن سایر الائمۃ المجتہدین والفقہاء والمحدثین الذین ھم زفادنا الدین وہاں تقابیں اور اوہام کی اس بے اعتدالی اور طغیانی کا پیوند کیونکر لگ سکتا ہے۔

اکل حلال میں جہاں اس قدر پابندی ہو کہ مقروض کی دیوار کے سایہ سے استفادہ کرنے میں

احتیاط پیش نظر رہی ہو وہاں اس خفیت کا جوڑ کیونکر لگے گا جس سے جمعرات کی صبح ہی سے مسجد کے در و دیوار پر ٹکٹکی بندھ جائے کہ حلال و حرام سے پیٹ کا دوزخ بھر لیا جائے۔ جہاں کھینس اور اس کی گیٹیا کی بیماری پر عرس و میلاد کی نذریں ماننے کی تلقین ہوتی ہو۔ پیٹ پہنائی شب ہجر سے میلوں دراز ہو امام ابو حنیفہ ایسے بے طمع آدمی سے ان کا تعلق کہاں تک قائم رہ سکتا ہے۔ کہاں جیل کی صبر آزما موت کہاں قوالیوں کے طواف۔ لیکن چونکہ اہل حق پر طعن کے لیے فقہ حنفی کی آڑ لی گئی ہے اور فقہی فروع کو بہانہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس لیے ارباب توجید ہمیں اس طریق گفتگو میں معذور تصور فرمائیں۔ مقصود اسی طریق فکر کی وضاحت ہے جسے اہلحدیث اور دوسرے ائمہ سلف نے ترجیح دی ہے لیکن ادارہ رضوان نے اسے مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی ہے کسی پر طعن مقصود ہے نہ تنقیص سے

گفتگوئے عاشقاں در باب رب
جذبہ عشق است نے ترک ادب

وہابی

مدیر رضوان نے اہل حدیث کے لیے وہابی کا لقب اہل حق کے لیے اختیار کیا ہے اللہ کا شکر ہے کہ اس سب و شتم کا پورا دھارا خود بخود ہی کسی اور طرف پھر گیا ہے اور اہل حق اس بے ہودہ گوئی سے محفوظ ہو گئے۔ کما قال علیہ السلام والصلوٰۃ کیف یصرف اللہ عنی شتم قریش یسبون مذمما وانا محمد سے

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ یود ولبس است

یہاں بحمد اللہ نہ کوئی وہابی ہے نہ نجدی نہ حنفی ہے نہ سہروردی۔ ان وقتی اور اختراعی نسبتوں سے نہ محبت ہے نہ نفرت نہ کسی سے عشق ہے نہ بغض۔ حقیقت اسی قدر ہے کہ کتاب اللہ اور سنت سے وابستگی ہے وہ بھی اس انداز سے کہ اس کے رد و قبول میں کسی غیر نبی کو کوئی معیاری اہلیت حاصل نہیں ہے کوئی طریق فکر ذہن پر محیط نہیں جس کی پابندی کتاب و سنت کے فہم میں حائل ہو۔ آنحضرت صلے اللہ

علیہ وسلم اور ان کے ارشادات گرامی سے تعلق کی نوعیت ایسی ہے کہ اس میں کسی ایسے واسطہ کی گنجائش نہیں جسے فسق و تقویٰ یا کفر و اسلام کا معیار قرار دیا جائے۔ فکر و نظر، استنباط و استدلال کے لحاظ سے تمام ائمہ ھدیٰ اور اسلافِ امت سے استفادہ خدا تعالیٰ کی نعمت ہے جس کا کبھی انکار نہیں ہوا۔ آج جس قدر علوم و معارف موجود ہیں تمام ائمہ فقہ و حدیث کا فیضان ہے جس کا شکریہ ہم پر فرض ہے اور ہر وقت دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن پاکباز اور مقدس بزرگوں کی قبروں کو رحمت سے بھر دے۔ مدیر رضوان نے بڑا کرم فرمایا کہ جس قدر کفر کا ذخیرہ ان کے دل میں موجود تھا اسے ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اہل سنت والحدیث کی اقتداء سے روکنے پر کفایت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کتمانِ کفر کی جزا عنایت فرمائے لیکن یہاں ان کے کفر سے گھبراہٹ نہیں بلکہ ان کے مصنوعی ایمان سے ہے۔ کیونکہ بریلوی اور رضائی ایمان سے کفر شاید حقیقت ایمان ہے۔ مدیر رضوان کی حنفیت کا آغاز قریباً مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے ہوا اور ہمارے ایمان کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی سے ہوا۔ اگر ایسے حضرات ہماری مساجد میں تشریف نہ لائیں تو ہمیں کوئی شکایت نہ ہوگی اور ہم سے حلف مؤکد لیجئے کہ ہم آپ کو اپنی اقتداء کے لیے کبھی دعوت نہیں دیں گے۔ اور شاید گذشتہ سالوں میں بھی کبھی نہ دی ہوگی۔ ہماری مساجد بحمد اللہ اس گئے گذرے دور میں بھی آپ کی اکثر مساجد سے زیادہ آباد ہیں یہاں اہل توحید کی بحمد اللہ اتنی کثرت ہے کہ حضرات اہل بدعت اور عباد القبور کی ضرورت ہی نہیں۔ یوں بھی اہل سنت جس طمانیت سے نماز ادا فرماتے ہیں آپ کو اُن کی اقتداء ویسے ہی گراں پڑے گی۔ اس لیے ہماری یہ رائے ہی نہیں بلکہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ کسی اہل سنت کی اقتدار نہ فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صرفاً ولا عدلاً یعنی بدعتی کے فرض اور نفل دونوں اللہ تعالیٰ منظور نہیں فرماتا۔ آپ ہی فرمایئے ایک غیر مقبول نماز کی امامت سے ہمیں کیا حاصل ہے۔ اس لیے آپ اگر اہل توحید کی اقتدا نہیں فرماتے تو اطمینان رکھیے یہاں سے بھی کوئی پیغام بھیجنے کی کوشش نہیں کی جائے گی ع

پیش اہل کس بروکہ حسنہ یدار نست

○

دلایل

البتہ ان دلایل کے متعلق گذارش کرنا جن سے عوام کو مغالطہ ہوسکتا ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ محترم رضوانی صاحب نے اہل حدیث کی اقتداء کے ناجائز ہونے میں پانچ مسایل کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت مجدد الوقت مجتہد العصر مولانا الشیخ سید نواب صدیق حسن خاں صاحب کی کتاب "الروضۃ الندیہ" کے کسی اردو ترجمہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"پانی کتنا ہی کم ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ یا مزہ یا بو نہ بدلے"۔

فتویٰ سنیے: سوچیے، یہ لوگ ایک لوٹے پانی میں ایک قطرہ پیشاب گر جائے تو اس کو پاک کہتے ہیں اور اس سے وضو کر کے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ بتائیے ہماری نماز ایسے پانی سے وضو کے ساتھ کیسے ہوسکتی ہے۔

اب ہماری گذارشات سنیے:

(۱) دررہیہ کے نام سے نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ کی کوئی کتاب نہیں۔ البتہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس نام کی ایک کتاب ہے جس پر نواب صاحب مرحوم نے شرح لکھی ہے۔

(۲) ائمہ متفق ہیں کہ رنگ، بو، مزا اگر نجاست کی وجہ سے بدلے تو پانی پلید ہو جائے گا۔ پانی کم ہو یا زیادہ بہرحال ایسا پانی پلید ہو جائے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں اگر پانی قلتین ہو یا اس سے زیادہ اس میں اگر نجاست گرے تو جب تک اوصاف ثلاثہ (رنگ، بو، مزہ) نہ بدلے پانی پاک ہوگا۔ کیونکہ یہ کثیر پانی ہے نجاست کے اثر کو قبول نہیں کرتا۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر عشر در عشر ہو یعنی دہ در دہ۔ وہ ما رجاری ہے یا ما رکثیر کے حکم میں ہے اس میں نجاست کا اثر نہیں ہوگا پانی پاک رہے گا جب تک نجاست، رنگ، بو، مزہ کو نہ بدل دے۔

امام مالک فرماتے ہیں، تھوڑے یا زیادہ پانی کی کوئی قید نہیں۔ اصل چیز اوصاف کا تغیر ہے جب

تک رنگ، بو اور مزہ نہ بدلے پانی کم ہو یا زیادہ اس پر نجاست کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

قال محی السنۃ التقدیر بعشر فی العشر لا یرجع الی اصل شرعی یعتمد علیہ (شرح الوقایۃ جلد ا صفحہ ۸۷)

محی السنت فرماتے ہیں دہ دردہ کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

والتقدیر الذی ذکرہ الحنفیۃ فی عدم سرایۃ النجاسۃ الی العشر فی العشر لیس لہ اصل شرعی بخلاف تقدیر الشافعیۃ بالقلتین فانہ ثابت بالحدیث الصحیح وکذا تقدیر المالکیۃ بالتغییر (عمدۃ الرعایۃ صفحہ ۸۷)

حنفیہ نے جو دہ دردہ کا اندازہ ماء کثیر کے لیے فرمایا ہے۔ اس کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں، لیکن شافعیہ نے جو قلتین کا اندازہ فرمایا ہے وہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح موالک کا اندازہ "تغیر" اوصاف ثلاثہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

مولانا رضوی "وہابیوں" پر اس لیے ناراض ہیں کہ وہ پیشاب کے ایک قطرہ سے پیالہ کو پلید نہیں سمجھتے، ایسے پانی سے اگر وضو کیا جائے تو رضا تی حنفیوں کی نماز کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

اولاً یہ گذارش ہے کہ اگر دو مٹکوں میں ایک پیالہ پیشاب گر جائے تو جناب کی نماز کو تکلیف نہ ہوگی۔ اور اقتدار گوارا فرمالی جائے گی۔ یعنی قلتین کی تحدید جناب کو منظور ہے تو پھر "وہابیوں" سے مصالحت کے لیے ایک مجلس بلالی جائے۔

(۲) اگر کوئی مالکی اپنے مذہب کے موافق پاک پانی سے وضو کرے تو رضائی نماز ہوگی یا نہیں۔ اگر آپ ان کی نماز نہ ہونے پر بضد ہوں تو چاروں اماموں کی حقانیت کا کیا مطلب ہوگا۔

(۳) جواز اقتدار میں کوئی عقیدہ تو حائل نہیں صرف پانی ہی کی دقت ہے، تو اس کا ایک اور بھی حل ہو سکتا ہے۔ آپ کی مسجد کے حوض یا سبیل سے وضو کر کے اگر وہابی امام بنے تو اس پر تو کوئی اعتراض نہیں۔ جناب کے اس ارشاد کا مطلب میں تو یہی سمجھتا ہوں۔

(۵) جناب نے سنا ہوگا کہ حضرت امام ابویوسفؒ نے ایک حمام سے وضو فرمایا جس میں چوہا مرچکا تھا۔ آپ نے نماز پڑھ لی اور فرمایا کہ ہم اپنے حجازی بھائیوں کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ کیا امام ابویوسف وہابی تو نہیں تھے؟

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے حدیث قلتین کو صحیح فرمایا ہے حالانکہ اس کے اسناد میں جو بحث ہے وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ احناف نے اس حدیث کے متعلق جو معنوی الجھن پیدا کی ہے وہ بھی معلوم ہے۔ پھر بھی مولانا عبدالحی مرحوم اسے صحیح فرماتے ہیں۔ اس لیے میں انتظار کروں گا کہ اس اضطراب کو آپ ہی دور کریں۔

امام شوکانی اور سید صدیق حسن خاں رحمہما اللہ تعالیٰ کا رجحان واقعی حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی طرف ہے وہ پانی کی مقدار کو نجاست اور طہارت میں کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ بلکہ وہ اس کا انحصار کیفیت پر ہی فرماتے ہیں۔ پانی کم ہو یا زیادہ رنگ، بو، مزہ بدل جائے تو اسے پلید سمجھتے ہیں، ورنہ ان کی نظر میں وہ پانی پاک ہے اور ان کی دلیل نص حدیث ہے۔

• الماء طھور لا ینجسہ شئ الا ما غلب علی طعمہ او ریحہ او لونہ۔ اِلّا کے بعد جو زیادہ ہے باتفاقِ محدثین ضعیف ہے لیکن اس کی تاکید اجماعِ ائمہ سے ہے۔ اس لیے امام مالکؒ، امام شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خاں کی تائید میں نص صریح صحیح بھی اور اجماع بھی ہے۔ پانی کی طہارت صریح اور صحیح نص سے ثابت ہے اور زیادۃ کی تائید اجماع سے۔ رضانی حضرات شاید نہ جانتے ہوں۔

○

(۶) معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ حدیث الماء طھور لا ینجسہ شئ بروایت ابوسعید خدری، ابوداؤد، احمد، ترمذی میں موجود ہے۔ امام ترمذی اسے حسن فرماتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے امام احمد کی روایت میں ہے انہ یستقی لك من بیر بضاعۃ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بیر بضاعہ کا پانی استعمال فرماتے تھے۔ شافعی، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے اسے

صحیح فرمایا۔ یحییٰ بن معین، ابن حزم اور حاکم نے بھی اس کی تصحیح فرمائی۔ ابن قطان نے اس کے بعض طرق پر کلام کرنے کے بعد فرمایا وله طريق احسن من هذا یہ حدیث احسن طرق سے بھی مروی ہے۔ ابن مندہ فرماتے ہیں۔ اس کی سند مشہور ہے۔ ابو سعید خدری کے علاوہ یہ حدیث حضرت جابر، ابن عباس، سہل بن سعد، حضرت عائشہ اور حضرت ثوبان سے بھی مروی ہے۔ اگر نواب صدیق حسن خاں نے صحیح حدیث اور اجماع کی بنا پر یہ مسلک اختیار فرمایا ہے۔ تو آپ نے اقتدا ہی کی نفی فرما دی۔ اب اگر بریلوی حضرات نے نواب صاحب کی اقتدا چھوڑ دی، تو بے چارے نواب صاحب کیا کریں گے۔

(۷) اور یہ قصہ صرف نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور وہابیوں پر ہی ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ ائمہ سلف کی ایک مقتدر جماعت کا یہی مسلک ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

والحديث يدل على ان الماء لا ينتجس بوقوع شئ فيه سواء كان قليلا او كثيرا ولو تغيرت اوصافه او بعضها لكنه قام الاجماع على ان الماء اذا تغير احد اوصافه بالنجاسة خرج من الطهورية فكان الاحتجاج به لا بالزيادة كما سلف فلا ينجس الماء بما لاقاه ولو كان قليلا الا اذا تغير وقد ذهب الى ذالك ابن عباس وابو هريرة والحسن البصري وابن المسيب وعكرمه وابن ابي ليلى والثوري وداؤد الظاهري والنخعي وجابر بن زيد ومالك والغزالي (نيل الاوطار ج ۱ ص ۱۰۴)

حدیث سے ظاہر ہے کہ پانی کم ہو یا زیادہ کسی چیز کے گرنے سے پلید نہیں ہوتا۔ گو اس کے اوصاف بھی بدل جائیں لیکن اجماع سے ثابت ہے کہ تمام یا بعض صفات کے بدلنے سے پانی پلید ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی پلید چیز گرے۔ پس یہ استدلال اجماع سے ہے حدیث کی زیادت سے نہیں پس پانی پلید نہیں ہو گا جب تک اس کی یہ تین اوصاف نہ بدل جائیں۔ حضرت ابو ہریرہ، حسن بصری، ابن مسیب، عکرمہ، عبد الرحمٰن ابن ابی لیلے، امام سفیان ثوری، داؤد ظاہری، امام نخعی، جابر بن زید، امام مالک اور امام غزالی کا بھی یہی مذہب ہے۔

محترم رضوی صاحب کو اگر فاتحہ، میلاد شریف یا عرس اور دیگر اسباب شکم پروری سے کبھی فرصت ملے تو غور فرمائیں۔ حدیث صحیح، اجماع امت اور ائمہ سنت کی ایک بڑی تعداد نواب صدیق حسن خاں صاحب

اور وہابیوں کے ساتھ ہے فرمائیے ان بزرگوں کی اقتدا بھی درست ہے یا نہیں ۔

(۸) محترم رضوی صاحب! اجتہادی مسائل میں کسی کے مسلک کا اختیار کرنا یا ترجیح دوسری چیز ہے اور مخالف مسلک کی تکفیر یا اقتداء کا عدم جواز بالکل دوسری چیز ہے۔ یقیناً تھوڑے پانی کی نجاست کے بھی بہت سے ائمہ قائل ہیں۔ پھر ماء قلیل کی تحدید میں بھی بہت زیادہ اختلاف ہے جس میں فیصلہ کرنا تقلید کی پناہ پر تو شاید ممکن ہو جائے مگر دلیل کی بنا پر سخت مشکل ہے وللناس فی تحدید القلیل والکثیر اقوال لیس علیہا اثارۃ من العلم (نیل ص۲۷ ج۱) قلیل اور کثیر پانی کی مقدار میں لوگوں کے بہت اقوال ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں۔

جب ان تحدیدات کی تائید کتاب وسنت کی کسی نص صریح سے نہیں ہوتی۔ تو پھر اتنا نعرہ کیوں دیا جاتا ہے آپ سوچیں نجس پانی کا استعمال حرام ہو گا۔ کسی پانی کو پلید ثابت کرنے کے لیے آپ کو ایسے دلائل کی ضرورت ہو گی جو حرمت و حلت کے اثبات میں کامیاب ثابت ہو سکیں۔ ایسے ادلہ جو ائمہ اجتہاد میں محل اختلاف ہیں ان کے مفہوم میں اختلاف۔ طریق ثبوت میں اختلاف۔ تعیین مقاصد میں اختلاف، ان مظنون قرفہ دارانہ دلائل کی بنا پر آپ حرمتِ اقتداء کا فتویٰ کس جرات سے دے رہے ہیں۔ یہ نہ علم کی شان ہے نہ دیانت کا تقاضا۔ اس کی غایت صرف اسی قدر ہو سکتی ہے کہ جس پانی کو آپ پلید سمجھتے ہیں اسے مت استعمال فرمائیے۔ پوری احتیاط سے اپنے مسلک کی پابندی فرمائیے لیکن نہ آپ کسی دوسرے کو مجبور فرما سکتے ہیں نہ اس پر کوئی فتویٰ لگا سکتے ہیں۔ شوافع، موالک اور حنابلہ کا مقام اپنے ائمہ کے ساتھ احناف سے کم نہیں۔ عقیدہ، طریقِ فکر، صحتِ مسلک کے متعلق یقین بالکل مساوی ہے اگر وہ بھی یہی روش اختیار کریں جو آپ نے اختیار فرمائی ہے تو ملت میں تفریق کی ایسی راہ کھلے گی کہ غیر مقلد آپ کا مضحکہ اڑائیں گے عقل و دانش کی محفلوں میں آپ کے لیے کوئی مقام نہ ہو گا۔ پہلے ہی سے آپ کا فرقہ تنگیٔ نظر اور فقدان فکر میں ضرب المثل ہے۔ پابندی رسوم، حلوے اور جلیبی کی تلاش میں کافی بدنام ہے۔ مزید تفریق بین المومنین کی ذمہ داری لینے سے پرہیز فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فہم صحیح کی توفیق دے۔

(۹) مناسب ہو گا کہ آپ کے مسلک کی بھی چھان پھٹک کر لی جائے۔ دوسرے پر حملہ کرنے سے پہلے

آپ کے شیش محل کا امتحان ہو جائے کہ وہ کہاں تک مضبوط ہے جس کے سہارے پر دوسروں کی اقتدار حرام فرمائی جارہی ہے۔ وہ سہارا سہارا ہے بھی یا نہیں حقیقت یہ ہے کہ احناف کا مسلک پانی کے متعلق نہ روایتہً درست ہے نہ درایتہً۔ نہ نصوص اس کی مؤید ہیں نہ عقل۔ یہ مسلک محض عوام کی عقیدت مندانہ حمایت سے چل رہا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ آپ حضرات کو اپنے مخالفین پر فتویٰ دینے کی جرأت کیسے ہوتی ہے؟

ماء کثیر کی تعیین عشر فی العشر یعنی دہ در دہ کا انداز بالکل بے ثبوت ہے۔ متاخرین حنفیہ نے یہ اندازہ گھڑ لیا ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ شارح وقایہ نے اسے ثابت کرنے میں جس قدر زور صرف کیا ہے۔ اس کا اصل مطلب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگر جناب نے اسے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی۔ تو تفصیلاً عرض کیا جائے گا۔ محی السنۃ کا قول پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ صاحب درمختار صـ۱۲۶ بھی امام محی السنۃ سے اس باب میں متفق ہیں کہ یہ تحدید ثابت نہیں۔ بلکہ امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ سے بھی یہ بات ثابت نہیں۔ ماء کثیر، ماء جاری، غدیر وغیرہ کے متعلق ائمہ احناف میں کسی قدر اختلاف ہے بعض نے فرمایا۔ جاری پانی وہ ہے جو تنکوں کو بہا کرلے جائے۔ بعض نے فرمایا جس میں تکرار نہ ہو۔ اسی طرح غدیر (تالاب) کے متعلق ارشاد ہے۔ جس کو ایک طرف سے اگر حرکت دی جائے تو دوسری طرف سے نہ ہلے۔ لیکن حرکت غسل سے ہو یا ہاتھ سے یا وضو سے۔ اس میں حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابویوسف سے مختلف روایات ہیں جس سے ظاہر ہے کہ مسئلہ منصوص نہیں بلکہ اجتہاد و تفقہ کی پیداوار ہے۔ اسی طرح دہ در دہ کا مسئلہ بھی متاخرین نے پیدا کر دیا۔ مولانا رضوی خود ہی سوچیں کہ اس قسم کے فقہی اختلافات کی بنا پر اقتدا سے روکنے کا فتویٰ دانشمندی نہیں۔ بلکہ جس طرح ائمہ نے ان مسایل میں اختلاف کا حق دیا ہے اور شریعت میں اپنے اجتہادات کو ٹھونسنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ اب بھی تنگی نہ فرمائی جائے بلکہ اپنے مسلک اور تحقیق کی پابندی کے بعد دوسرے فقہی اختلافات میں رواداری برتی جائے۔ بریلوی حضرات تو سارے ہی تقریباً کم ظرف ہیں۔ دیوبندی حضرات میں اس قسم کی کم ظرفی مولانا تھانوی اور مولانا

انور شاہ رحمہما اللہ کے حصہ میں آئی تھی، مولانا عبدالحی لکھنوی کا مسلک اس باب میں زیادہ صاف اور واضح ہے رحمہ اللہ ورضی عنہ۔

غالباً آپ حضرات اس کی تو اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ کہ اگر کوئی شخص امام ابویوسف یا امام محمد کے مسلک کی پابندی کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی اور اقتدا بھی درست ہی ہو گی، اسی طرح امام شافعی، امام مالک یا امام احمد بھی طہارت میں اپنے مسلک کے مطابق نماز ادا کریں یا امامت فرمائیں تو ان کی نمازوں کو بھی آپ آسمان تک پہنچانے کی فرشتوں کو اجازت دیں گے۔ اگر آپ اتنی لچک پیدا کریں۔ تو وہابیوں کی فکر مت کریں۔ وہ آپ کے ان وسایل سے بے نیاز ہیں۔ ان کا معاملہ براہ راست خدا تعالے کی رحمت سے ہو گا۔ اور ان کا امام شفاعت کے وقت ان کو انشاء اللہ نہیں بھولے گا۔ اللھم صل علی محمد وبارك وسلم۔

(۱۰) طہارت کے مسئلہ میں کوئیں اور تالاب کا فرق بھی عجیب ہے۔ گویا یہاں پہنچ کر پانی کی مقدار سے ظرف کی ہیئت کو پاکیزگی اور نجاست میں زیادہ دخل ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک کوئیں میں اتنا پانی ہے جس سے کئی تالاب دہ در دہ بھر سکتے ہیں لیکن جب یہ پانی تالاب میں ہو تو کوئی پلیدی اس میں اثر نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ تمام اور اس سے کئی گنا زیادہ پانی کسی گہرے اور وسیع کوئیں میں آجائے تو وہ چند تولے نجاست کا بھی متحمل نہ ہو گا۔ گویا گول برتن، مربع یا مستطیل برتن سے جلدی پلید ہو سکتا ہے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ومسایل البیر مبنیۃ علی اتباع الاثار دون القیاس (ھدایہ اولین صفحہ ۲) کوئیں کی نجاست میں قیاس کو دخل نہیں، یہ مسایل سماعی ہیں۔

پاک اور پلید کا مسئلہ حلال و حرام کے قریب قریب آیا اس میں محض آثار صحابہ کفایت کر سکتے ہیں اور ان کی بنا پر حرمت اقتدار کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ آیا یہ ممکن ہے کہ ان اہم مسایل کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی مروی نہ ہو، سارا معاملہ صحابہ پر چھوڑ دیا جائے جو حسب عقیدہ اہل سنت معصوم نہیں ہیں اور پھر آپ ہیں کہ بے سوچے سمجھے فتویٰ دینا شروع کر دیتے ہیں ع

ما ھکذا یا سعد تورد الابل

پھر ان آثار کی اسانید پر بھی کبھی آپ نے غور فرمایا شاید ہی ان میں کوئی سند صحیح طور پر صاحب روایت تک پہنچ سکے۔ بشرط صحت ان آثار کا مفاد زیادہ سے زیادہ تنزیہہ ہو سکتا ہے۔ ان کی بنا پر کوئی تشریعی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن آپ کے ہاں اکفار و تکفیر اور افتدار پر پابندیاں ایک دل لگی ہے اور دل خوش کن مشغلہ ہے

والکفر عند کم رخیص سعرہ حصوا بلا کیل ولا میزان

میری گذارش اس قدر ہے کہ یہ فتوی بازی ان دلایل کی بنا پر دیانتہ بھی مناسب نہیں اور آپ کی پارٹی علمی طور پر بھی اس کی اہل نہیں کہ ایسے اہم اور ذمہ دارانہ مسایل میں جسارت کر سکے۔ آپ حضرات کے لیے اعراس، موالید، اسقاط، ختم، ساتواں، چالیسواں، جمعرات ایسے مفید مشاغل کیا کم ہیں۔ آپ خواہ مخواہ ایک علمی ذمہ داری کے لیے میدان میں تشریف لے آتے ہیں۔

(۱۱) کوئیں کی پاکیزگی، ڈولوں کی مقدار اور تعداد میں جو تفاوت رکھا گیا ہے وہ بھی محض آثار ہی ہیں۔ کتاب اللہ یا سنت صحیحہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ ایک کوئیں میں چڑیا یا چوہا یا مولا وغیرہ گر جائیں تو آپ کے ہاں بیس ڈول نکالنے سے کنواں پاک ہو گا۔ خاموشی سے تقلیداً مان لینا تو اور بات ہے۔ ذرا سوچیے انیس[19] ڈول نکلنے تک تو کنواں بالکل ناپاک ہو گا۔ بیسواں ڈول ساری پلیدی لے کر باہر آجائے گا اور آپ یقین کریں گے اور مطمئن ہوں گے کہ اب کنواں بالکل پاک ہے۔ لیکن اس بیسویں ڈول سے جو پلیدی کا بقیہ لے کر آرہا ہے جس قدر قطرے کوئیں میں گریں گے کنواں پھر سے پلید نہ ہو گا۔

در اصل ان تمام آثار کی بنیاد تنزاھت اور طبعی کراھت پر ہے۔ آپ نے اسے تشریعی حکم قرار دے کر پانی کے چند قطروں سے پاک اور پلید کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی، چہ عجب!

اتنی کمزور عمارت اور بودے دلایل کے ہوتے ہوئے آپ اہل حدیث اور موالک پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کا مسلک استدلال کے لحاظ سے کافی مضبوط ہے۔ یہ مسئلہ کس قدر صاف اور معقول ہے کہ پانی کم ہو یا زیادہ۔ کنوئیں میں ہو یا تالاب میں۔ تالاب دہ در دہ ہو یا چھوٹا اس میں نجاست گرے اور اس کے بعض یا کل اوصاف یعنی رنگ، بو اور مزہ کو بدل دے تو پانی پلید ہو جائے گا۔ اور اس میں اگر

مزید اتنا پانی داخل کیا جائے جس سے یہ اوصاف درست ہو جائیں گے یعنی رنگ، بو اور مزہ درست ہو جائے یا اس نجاست کی مقدار کو اتنا کم کیا جائے کہ اس کا بظاہر کوئی اثر نہ رہے تو پانی پاک ہوگا۔ اتنے صاف مسئلہ پر آپ ان اوچھے ہتھیاروں سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ع

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

یوں ہمدردانہ طور پر صلح صفائی سے مساجد کی امامت کا محکمہ آپ کے سپرد کر دیا جائے۔ مردہ خوری، فاتحہ خوانی، اسقاط، چالیسواں وغیرہ کا ٹھیکہ آپ لے لیں تو یہ دوسری بات ہے مگر آپ اپنے دل کی تقدیس کے متعلق یقین دلا دیں کہ اس میں شرک و بدعت کی نجاست نہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہم لوگ انشاءاللہ امامت آپ کے سپرد کر دیں گے لیکن آپ یقین فرمائیں کہ ان حالات میں یہ امامت پیٹ پوجا کا ذریعہ نہیں بن سکے گی۔

پانی کے مسئلہ میں میں نے مختصراً چند گذارشات کر دی ہیں ومن استزاد فلدینا مزید ؏

○

شراب کی طہارت:

مولانا رضوی، مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم پر اس لیے ناراض ہیں کہ نواب صاحب مغفور شراب کی نجاست کے قائل نہیں۔ یہ دوسری دلیل ہے جسے اہل حدیث کی اقتدار کے ناجائز ہونے کے متعلق پیش کیا گیا ہے۔ میرا ذاتی رجحان بھی اسی طرف ہے کہ شراب نجس ہے اور حنابلہ اور احناف کا مسلک اس میں صحیح ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ مسئلہ قیاسی نہیں اس کے لیے نص کی ضرورت ہے، نواب صاحب مرحوم کو اس پر اصرار نہیں وہ بھی بیّن دلیل چاہتے ہیں جو بوقت تعارض ترجیح کا موجب بن سکے فرماتے ہیں:

وبالجملة فالواجب علی المنصف ان یقوم مقام المنع ولا یتزحزح عن ھذا المقام الا بحجة شرعیة (الروضہ صفحہ ۱۲) منصف مزاج آدمی کے لیے ضروری ہے کہ ایسے مسائل میں حجت

شرعی کے سوا اپنے موقف سے نہ ہٹے۔

اس لیے بہتر ہو گا کہ رضوی صاحب شراب کی نجاست پر کوئی نص لائیں جیسے کہ شراب کی حرمت پر نص موجود ہے مناسب ہو گا کہ فتووں پر زور ڈالنے سے زیادہ زور دلایل پر زور دیا جائے ہمارے بریلوی دوستوں میں یہ بنیادی کمزوری ہے کہ یہ حضرات ہمیشہ جذبات سے خطاب فرماتے ہیں اور فتووں پر زیادہ زور ڈالتے ہیں اور معقول آدمی کے لیے یہ دونوں حربے بے کار ہیں۔

نواب صاحب مرحوم شراب کو پاک نہیں سمجھتے بلکہ وہ آپ کے ساتھ متفق ہیں کہ شراب نجس ہے قرآن مجید میں ہے انما الخمر والمیسر والانصاب رجس من عمل الشیطان شراب، جوا اور بت سب پلید ہیں اور شیطانی عمل، آلات قمار اور انصاب پلید ہونے کے باوجود ان کے چھونے سے نہ جسم پلید ہوتا ہے نہ کپڑے بلکہ ان کی نجاست حکمی ہے حسی نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام مشرک نجس ہیں۔ اس لیے وہ بلا اجازت مسجد حرام میں نہ آئیں، قرآن مجید کا یہ حکم تمام مشرکین کے لیے عام ہے کہ وہ نجس اور پلید ہیں، ہندوستان کے مشرک ہوں یا پاکستان کے، عرب کے ہوں یا عجم کے۔ لیکن معلوم ہے کہ ان کے چھونے سے نہ کپڑے پلید ہوتے ہیں نہ جسم۔ نواب صاحب مرحوم فرماتے ہیں:

وھذا یدل علی ان تلک النجاسۃ حکمیۃ لا حسیۃ والتعبد انما ھو بالنجاسۃ الحکمیۃ (الروضہ ص ۱۲) یہ حکمی نجاست ہے حسی نہیں اور عبادت میں پرہیز حسی نجاست سے ہے۔

وفد ثقیف مسجد نبوی میں آیا۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد دھونے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بیت اللہ میں مشرک آتے جاتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاوٹ نہیں فرمائی۔ کیونکہ یہ نجاست حکمی تھی حسی نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کا پانی استعمال فرمایا۔ قرآن حکیم میں محرمات النکاح کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ لیکن ان رشتوں میں کوئی بھی پلید نہیں۔ حرمت دوسری چیز ہے اور نجاست دوسری چیز۔ میں نے عرض کیا ہے کہ میری وجدانی کیفیت یہ ہے کہ میں اس مسئلہ میں احناف کے مسلک کو صحیح سمجھوں۔ لیکن نواب صاحب مرحوم اور امام شوکانیؒ کی گرفت بھی

معمولی نہیں فتفکروا ولا تکن من الغافلین ان کا مطالبہ ہے کہ ان چیزوں کو حسی نجس ثابت کرنے کے لیے دلیل لائیے۔

سونا، چاندی، ریشم مردوں پر حرام ہیں لیکن ان کے چھونے سے جسم پلید نہیں ہوتا نہ نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔ تمام زہر کچلہ، سم الفار وغیرہ حرام ہیں نجس نہیں۔ اسی طرح مخدرات حرام ہیں پلید نہیں۔ نواب صاحب شراب کو حرام بھی سمجھتے ہیں اور پلید بھی۔ لیکن اس کی نجاست کو حسی نہیں سمجھتے۔ یہ ایسا جرم نہیں جس پر آپ حضرات خفگی فرمائیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی فرما سکتے ہیں کہ مرحوم نے ٹھیک نہیں سمجھا۔ اور یہ بھی اس وقت جب بیّن دلیل مل جائے۔

مولانا! نواب صاحب کا یہ حال ہے کہ نہ وہ شراب کے ساتھ علاج جائز سمجھتے ہیں نہ اسے سرکہ بنانا جائز سمجھتے ہیں اور نہ شراب میں گوشت پکانا ان کے ہاں درست ہے۔ لیکن حنفیہ رحمہم اللہ کے ہاں چار قسم کی شراب حرام ہے اور چار قسم کی حلال۔

والحلال منها اربعة انواع ۱، نبیذ التمر والزبیب ان طبخ ادنی طبخة یحل شربه وان اشتد وهذا اذا شرب منه بلا لهو وطرب ما لم یسکر والثانی الخلیطان والثالثة نبیذ العسل والتین والبر والشعیرة طبخ اولا والرابع المثلث (الدر المختار ص۳۸۴ نول کشور) چار قسم کی شراب حلال ہے۔ کھجور اور منقیٰ کا نبیذ جب اسے تھوڑا سا پکایا جائے۔ دوسرا مخلوط نبیذ۔ تیسرا شہد اور انجیر وغیرہ کا نبیذ اور چوتھا مثلث انگور کا شیرہ جس کا دو تہائی جل چکا ہو۔ یہ سب قسمیں حلال ہیں بشرطیکہ قوت کی نیت سے استعمال کی جائیں لہو ولعب کا ارادہ نہ ہو۔

جب حنفی مذہب میں اتنی وسعت ہے کہ نیک نیتی سے بقدر ضرورت پی بھی جائے تو حرج نہ ہو اور وہابیوں پر صرف طہارت مع الحرمت کی بنا پر اتنا سنگین فتویٰ دینا کچھ بھلا معلوم نہیں ہوتا فر من المطر وقر تحت المیزاب کا معاملہ ہوگا ؎

اے رحمت تمام میری ہر خطا معاف
تیرے عفو کی امید پہ تھرا کے پی گیا

میرا مقصد ان گذارشات سے نہ الزام ہے نہ عیب چینی۔ مقصد یہ ہے کہ فقہیات میں ایسی جزئیات آسکتی ہے جن کی وجوہات بھی اہل علم کے پاس ہوتی ہیں غلط ہوں یا صحیح۔ فریقِ مخالف اسے قبول کرے یا نہ کرے لیکن ان جزئیات سے جذباتی طور پر عوام کو انگیز کرنا علم کی نشان نہیں ہے۔

کون نہیں جانتا کہ شراب کے استعمال میں جس قدر وسعت احناف کے مسلک میں ہے، دوسرے ائمہ کے مسلک میں نہیں۔ سنن نسائی کے آخری ابواب پڑھیے اور سوچیے کہ اہل علم نے اس ام الخبائث کے استعمال میں کس قدر کمزوریاں دکھائی ہیں جس کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور سب سے زیادہ محتاط مسلک اس میں اہل سنت والحدیث کا ہے۔ پھر صرف طہارت پر طعن بازی کیوں کی جائے۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ نواب صاحب اور امام شوکانی کی تحقیق تمام اہل حدیث کے نزدیک مسلم ہو۔ آپ کے ہاں جو مقام حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی فقہیات کو حاصل ہے، ہمارے ہاں نواب صاحب اور ان کی تصانیف کو وہ مقام حاصل نہیں، ہم نواب صاحب اور امام شوکانی سے کئی مسایل میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اس لیے ادبًا گذارش ہے کہ اسے جامعنی سوال نہ بنایا جائے۔

شراب کے مسئلہ میں غالبًا لفظ نبیذ کی وضاحت میں وقت ضایع نہیں فرمایا جائے گا۔ غلیان اور اشتداد کے بعد خمار وثقل تو ضرور ہو گا۔ آپ اسے نبیذ مخمر فرمائیے مجھے خمر النبیذ کہنے کی اجازت دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یسمونہ بغیر اسمہ (نسائی) تو درست اور حق ہے۔ الفاظ کی ہیرا پھیری کا حقیقت پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ علماء نے اسے شراب ہی سے تعبیر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو طبقات الحنابلہ لابی یعلی ص۱۱۳۔ امام خلف بن ہشام بن ثعلب ۲۲۹ھ اعدت صلوۃ اربعین سنۃ کنت اتناول فیھا الشراب علی مذھب الکوفیین اھ میں نے چالیس سال کی نماز کا اعادہ کیا، کیونکہ میں اصحاب کوفہ کے مسلک کے مطابق شراب پیتا رہا۔

جمہور صحابہ اور تابعین کا مسلک یہ ہے کہ ہر مست کرنے والی چیز تھوڑی ہو یا زیادہ حرام ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحہ سے ایک روایت اس کی موید ہے۔ امام محمد اور مشائخ سے ایک گروہ نے یہی مسلک پسند فرمایا ہے۔ امام شعبی، نخعی اور امام ابوحنیفہ سے ایک دوسرا مسلک بھی منقول ہے کہ انگور

اور کھجور کے سوا از گیہوں وغیرہ شراب درست ہے بشرطیکہ حد سکر کو نہ پہنچے ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل مسکر خمر جو مست کرے وہ خمر ہے ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام مسکر چیز کم ہو یا زیادہ حرام ہے اس لیے پہلا مسلک صحیح ہے اور دوسرا مسلک اجتہادی غلطی پر مبنی ہے۔

جب احناف میں شراب کے متعلق اتنا نرم رویہ اختیار فرمایا گیا ہے۔ تو نواب صاحب اور بیچارے اہل حدیثوں پر صرف پاک اور حرام کہنے پر کیوں خفگی فرمائی جا رہی ہے۔

قصہ پارینہ نوک قلم پر آگیا ہے اجازت دیجئے کہ مبحث اور نکھر جائے تاکہ جناب سنجیدگی سے غور فرما سکیں۔ اور نواب صاحب اور اہل حدیث کی قرار داد جرم بھی منظر عام پر آجائے تاکہ ارباب دانش سوچ سکیں کہ معاملہ کہاں تک سنگین ہے کچھ حقیقت بھی ہے یا صرف "شیر آیا" تک ہی ساری داستان ختم ہو جاتی ہے۔

قاضی خاں فرماتے ہیں صفحہ ۱۱ ج ۱۔ ذکرالناطفی عن محمد اذا صلی علی جلد کلب او ذئب قد ذبح جازت صلوتہ - الخ امام محمد فرماتے ہیں اگر کتا یا بھیڑیا ذبح کیا جائے تو اس کے چمڑے پر نماز جائز ہے۔

اما اذا ذبح بالتسمیۃ وصلی مع لحمہ او جلدہ قبل الدباغۃ یجوز۔ جب کتا وغیرہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے اس کے گوشت سمیت اس کے چمڑے پر نماز پڑھی جائے رنگنے سے پہلے تو یہ جائز ہے (منیۃ المصلی)

معلوم ہے درندے حرام ہیں۔ حرمت کے باوجود جب یہ بسم اللہ کے ساتھ ذبح کیے جائیں تو ان کا گوشت اپنے پاس رکھ کر ان کے چمڑے پر نماز ہو جائے گی۔

مولانا یہ بالکل وہی چیز ہے جو نواب صاحب فرما رہے ہیں۔ شراب حرام ہے لیکن پاک۔ یہاں

گوشت اور چمڑا دونوں حرام ہیں۔ مگر ذبح سے پاک ہو گئے ہیں۔ فرمایئے آپ میں اور نواب صاحب میں کیا فرق ہے۔ نواب صاحب بیچارے صرف پاک کہہ رہے ہیں۔ لیکن جناب کے ہاں نبیذ مسکر پی کر کتے کا گوشت جیب میں رکھ کر اور اس کے چمڑے کا مصلّٰے (دباغت سے پہلے) پاؤں کے نیچے بچھا کر نماز پڑھنی جائز ہے۔ مگر پھر بھی کافر وہابی ہی ہیں انا للہ!

جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ عادت کے خلاف ہے۔ میں ان اجتہادی لغزشوں کی نمائش کا عادی نہیں مگر آپ کا فتویٰ بے حد لخراش تھا۔ اس لیے بادل نخواستہ حقیقت حال سے پردہ اٹھانا پڑا ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

آپ غور فرمائیں۔ اصولاً آپ میں اور نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں کوئی فرق نہیں۔ صرف کتے اور شراب کا فرق ہے۔ اصولی اتحاد کے بعد جزوی اختلاف کی بنا پر اس قدر تیزی اہل علم کے لیے مناسب نہیں۔

پھر جو کچھ نواب صاحب نے فرمایا یہ پوری جماعت اہل حدیث کا مسلک نہیں۔ جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو شراب کو احناف اور حنابلہ کی طرح نجاست مغلظہ سمجھتے ہیں۔ صریح دلائل کے فقدان کے باوجود میرا ذاتی رجحان اسی طرف ہے۔ اس لیے مناسب ہو گا کہ آپ بوقت ضرورت وہابی امام سے دریافت فرمالیں کہ وہ ام الخبائث کو پاک تو نہیں سمجھتے۔ اور وہ بھی اگر آپ کی طرح متعصب ہو تو دریافت کرے کہ جناب نے کچھ زیادہ تو نہیں پی اور جیب مبارک میں لحم الکلب کے کچھ ٹکڑے تو نہیں اور مصلّٰی بھی ذبیحہ محرمہ سے نہیں تیار کیا گیا۔

ہمارا مسلک آپ سے بالکل الگ ہے ہم ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں حنفی ہو یا اہل حدیث۔ لیکن غیر مسلم اہل حدیث اور غیر مسلم حنفی کی اقتدار کے لیے تیار نہیں۔ یہ دونوں قسمیں آج کل عام ہیں۔ اہل حدیث اور حنفی کے لیے تو بحث کرتے ہیں لیکن عملاً بلکہ عقیدۃً وہ غیر مسلم ہوتے ہیں جھوٹ، بددیانتی سب کچھ کرتے ہیں لیکن حنفیت اور وہابیت کے لیے خوب لڑتے ہیں۔ ایسے لوگ کوئی نام رکھیں۔

ان کی نماز؛ اقتدار سب مشتبہ ہے اور افسوس ہے کہ غیر مسلم خفیوں کی آج کل بہت کثرت ہے۔

پگڑی پر مسح

سر پہ مسح کرنا فرض ہے۔ احناف اس سے چوتھائی سر مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں مسح علی ناصیتہ صراحۃً آیا ہے اور ناصیہ سے مراد ان کے ہاں ربع سر ہے۔ شوافع کا خیال ہے کہ سر کی طرف سے کم از کم چند بالوں کا مسح ہو جائے۔ موالک پورے سر کا مسح ضروری سمجھتے ہیں۔ حدیث شریف میں مسح کی تین صورتیں مروی ہیں (۱) پورے سر کا مسح (۲) سر کے بعض حصے پر اور کچھ پگڑی پہ اور (۳) پوری پگڑی پر۔ احناف کا معمول احادیث میں بصراحت موجود نہیں۔ صرف مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو مختصر ہے۔ اور صحیح مسلم میں دونوں روایتیں موجود ہیں۔ قرآن کے اطلاق پر صرف موالک کا عمل ہے۔ ایک توضیح احناف نے کی اور پورے سر کو چوتھائی کرایا اور شوافع نے چند بال سے اس کی تفسیر کی۔ یہ چیزیں تو گوارا ہیں۔ آپ بھی حق پہ شوافع بھی حق پر اور موالک بھی حق پر۔ اور اہل حدیث اگر سنت صریح کے مطابق پگڑی پر مسح کریں تو معتوب۔ اب حدیث سنیے۔ عن عمرو بن امیۃ الضمری قال رایت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم یمسح علی عمامتہ وخفیہ (صحیح بخاری مع کرمانی پ۳ ص۵۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے موزوں اور پگڑی پر مسح فرمایا۔ امام نووی فرماتے ہیں وذھب احمد بن حنبل الی جواز الاقتصار علی العمامۃ ووافقہ علیہ جماعۃ من السلف (مسلم مع نووی ص ۱۳۴ ج ۱) امام احمد بن حنبل صرف پگڑی پر مسح جائز سمجھتے ہیں اور سلف سے ایک جماعت ان کے ساتھ متفق ہے۔

حدیث مسح علی العمامہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ حضرت سلمان اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اب آپ سوچ لیں کہ وہابیوں کے ساتھ کون کون بزرگ محروم الاقتدا ہو رہے ہیں ؎

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

مولانا! معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت فداہ ابی و امی سخت قسم کے وہابی تھے۔ بریلی اور لاہور کے ارباب فکر سوچ لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں بھی نماز کا بیڑا غرق کا فتویٰ صادر فرما سکیں تو اپنے بزرگوں کی وراثت میں دار الندوہ کی چابیاں آپ حضرات کے حوالہ کر دی جائیں گی اور حقدار

کو حق مل جانے پر ہمیں بھی مسرت ہوگی۔

وجوبِ غسل

زن و شوی کے تعلقات میں اگر کسی فتور کی وجہ سے مادہ منویہ کے نکلنے کی نوبت نہ آئے۔ تو جمہور کا مذہب ہے کہ غسل واجب ہے احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بخاری اور بعض دیگر ائمہ سلف کا مذہب ہے کہ اس صورت میں غسل واجب نہیں احتیاط اسی میں ہے کہ غسل کرے (بخاری)

دونوں مسلک کی تائید احادیث سے ہوتی ہے۔ چونکہ تاریخ معلوم نہیں، اس لیے نسخ کا دعویٰ تو صحیح نہیں جو مسلک راجح ہو اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ اقتدار کے جواز یا عدم پر اس کا کوئی اثر نہیں۔ صحیح بخاری۔ فتح الباری۔ نیل الاوطار۔ فتاویٰ ابن تیمیہ میں تفصیل ملے گی۔

پاؤں پر مسح

یہ مولانا رضوی کی آخری دلیل ہے کہ اہل حدیث پاؤں پر مسح جائز سمجھتے ہیں۔ فتاویٰ ابراہیمیہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ معلوم نہیں یہ مولوی ابراہیم کون سے بزرگ ہیں اور فتاویٰ ابراہیمیہ کیا بلا ہے ہم صراحتہً یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ اہل حدیث کا یہ مسلک نہیں اور غالباً شیعوں کے سوا ائمہ سنت سے کسی کا بھی یہ مسلک نہیں۔

آخری گذارش

ہم رضوان اور اس کے ادارہ کے محترم ارکان کو نظر انداز کر رہے تھے۔ خیال نہ تھا کہ ان بزرگوں کو خواہ مخواہ تکلیف دی جائے۔ یہ پہلی دفعہ جوابی گذارشات کی گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ آئندہ بھی اسی غلطی کا اعادہ ہو۔ اس لیے مولانا رضوی اور ان کے رفقاء ایک بات سمجھ لیں۔ کہ اہل حدیث علماء اور بزرگوں کے فقہی اقوال ہمارے ہاں اساس مذہب نہیں۔ نہ ہی ہم انہیں ائمہ اجتہاد کی طرح امام مانتے ہیں نہ ان کی تقلید ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لیے یہ چیزیں بطور الزام نہ لکھی جائیں واجب التعمیل ہمارے لیے صرف کتاب و سنت اور آثار سلف کے سوا کچھ نہیں۔ آثار سلف میں اجماعی مسائل کی پابندی ہوگی۔ باقی مسائل میں جہاں سلف مختلف ہوں ہم کسی کے پابند نہیں۔ مناسب ہوگا کہ لکھتے وقت یہ اصل پیش نظر رہے۔ اس سے بحث میں طول نہیں ہوگا اور شاید ہم ایک دوسرے کے کچھ قریب بھی ہو سکیں:

ایک مقدس تحریک
جو
مظالم کا تختۂ مشق بنی رہی!

اہلِ بدعت کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہلِ حدیث کو بُرا بھلا کہتے ہیں

(امام اہلِ سنّت حضرت امام احمد بن حنبلؒ)

مادی حکومتوں میں جس طرح توڑ پھوڑ ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح دینی تحریکات اور فروعی اور اصولی نظریات میں بھی کسر اور انکسار کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ مقدمہ ابن خلدون اور مقریزی کی المواعظ میں ان حوادثات کا تسلسل نظر آتا ہے۔ مسائل میں اختلاف اہل علم کی باہم رقابتیں اور شکر رنجیاں تاریخ مذاہب میں مدوجزر کی کیفیت پیدا کر رہی ہیں۔ اس کے مادی ذرائع پر بحث تاریخ کا ایک خاص موضوع ہے۔ تاریخ اور طبقات ملل و نحل کی کتابوں میں اس کی خاصی تفصیل ملتی ہے۔

فارس کے علاقوں میں ایران اور ماوراء النہر میں جس طرح مذہبی انقلابات آئے ایک گروہ نے دوسرے پر یورش کی۔ اسے ختم کیا۔ اس قسم کا مواد تاریخ عالم میں کافی ملتا ہے۔ ائمہ حدیث اور علمائے سنت کی کثرت، پھر ائمہ شوافع کا زور اس کے بعد علمائے احناف کی یورش پھر تشیع کا غلبہ، یہ سب حوادث تھوڑی سی مدت میں رونما ہو گئے۔

آج بھی ایران اور عراق میں سنی بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں لیکن شیعی حکومت کے استبداد نے سب کی زبانیں بند کر رکھی ہیں۔

روسی ترکستان، ازبکستان تاشقند فرقہ پرستی کی تنگ نظری اور فقہی استبداد نے لادینی اور کمیونزم کے لیے راہ ہموار کر دی۔ یہاں عملاً اسلام ہی کو خارج البلد کر دیا گیا ہے۔ نکلنے ورنہ

دور اندیش طبائع کے لیے اسی میں درس عبرت ہے ؎

ان فی ذالک لذکری لمن کان له

قلب او القی السمع وھو شھید

مصر اور سوڈان کے علاقوں میں اہل علم اور ائمہ سنت کا طوطی بولتا تھا قرآن و سنت اور سلف کا طریق عام تھا حضرت امام شافعی ۱۹۸ھ میں مصر تشریف لائے اور اپنے علمی فیوض سے سرزمین مصر کو سیراب فرمایا۔ ربیع بن سلیمان، امام اسمٰعیل بن یحییٰ مزنی، حافظ یوسف بن یحییٰ بویطی وغیرھم کی وجہ سے شافعیت مصر میں عام ہو گئی۔

(الخطط صفحہ ۱۴۵ ج ۴)

اس کے بعد فاطمیوں کے عروج نے ساری صورت حال کو بدل کر رکھ دیا۔ ۳۵۸ھ میں مصر پر تشیع اور رفض چھا گیا۔ فاطمی اور دوسرے روافض جو دھاندلیاں کر سکتے تھے کرتے رہے۔ مصر کے در و دیوار پر صحابہ اور ائمہ سلف پر تبرا کے بورڈ آویزاں تھے۔ ۵۶۴ھ کے پس و پیش سلطان نور الدین محمود بن زنگی کی فوجوں نے اس دور کا خاتمہ کیا۔ فقہائے موالک اور شوافع کے دور کا پھر آغاز ہوا اور رفض و تشیع کا اس سرزمین سے خاتمہ ہو گیا۔ مقریزی نے خطط جلد ۴ میں اس مد و جزر اور عروج و زوال کا مفصل تذکرہ فرمایا ہے۔ مقریزی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ مذاہب اربعہ میں مناقشات جاری رہے۔ عہدۂ قضا کی وجہ سے اکھاڑ پچھاڑ کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ اہل علم کی کمزوری تھی کہ مسلمان اور سنی سمجھنے کے باوجود وہ مدارات اور باہم خوشدلی سے گذر نہ کر سکے۔ افتار اور قضار نے کاروباری انداز اختیار کر لیا۔ وقت کی حکومت بھی ان حضرات کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتی اور اپنے سیاسی مفاد حاصل کرتی رہی۔

ابتداءً ائمہ اسلام ان درباروں کی حاضری سے پرہیز کرتے رہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو عباسی اور اموی دونوں درباروں نے عہدۂ قضا کی پیش کش کی۔ امام موصوف مدت العمر اس سے انکار فرماتے رہے اور قریباً دونوں درباروں کے معتوب رہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے

یہ عہدے قبول کر لیے۔ مصالح بدلتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے اس سے کوئی نقصان بھی ہوا ہو۔ مگر بظاہر تو امام ابو یوسفؒ کو دینی اور دنیوی دونوں قسم کے فوائد حاصل ہوئے۔ فقہ حنفیہ کی اشاعت میں ان کے اس تعلق سے بہت مدد ملی۔ اور مذاہب اربعہ کا جہاں بھی نفوذ ہے وہاں دلایل سے زیادہ اسی قسم کے موثرات کا نتیجہ ہے۔ الخطط للمقریزی، مقدمہ ابن خلدون، البدایہ والنہایہ وغیرہ کتب تاریخ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ اگر حضرت امام ابو یوسفؒ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روش کی پابندی فرماتے تو قرین قیاس ہے کہ حنفی مسلک کی اس قدر کثرت نہ ہوتی۔ لوگوں نے حضرت امام ابو یوسفؒ کی اس موقف پر تنقید بھی کی ہے۔ کچھ جھوٹی سچی کہانیاں بھی "تاریخ الخلفا" سیوطی اور بعض دوسری کتب میں مرقوم ہیں۔ صورت حال کوئی بھی ہو مگر مسلک کی اشاعت میں یقیناً اس سے بڑی مدد ملی۔ اسی طرح افریقہ، حجاز، مصر اور نجد میں حکومتوں نے جس مسالک کی اعانت حکومت کی سطح پر کی ان علاقوں میں ان مسالک کو بڑی ترقی ہوئی اور خوب پھیلے۔

مسلک اہل حدیث کو یہ مواقع کم ملے۔ یہ بیچارے یوں ہی درباروں کی زندگی سے بھاگتے رہے۔ اس لیے تاریخ نے انہیں نسیان و خمول کی دبیز تہوں میں دبا دیا۔ اچھے پڑھے لکھے حلقوں میں اب بھی یہ علی الاعلان کہا جا رہا ہے یہ کوئی مکتب فکر ہی نہیں تھا۔ یہ محض حفاظ حدیث کی جماعت تھی جس میں تفقہ اور درایت ناپید تھی۔ وہ اجتہاد اور استنباط کی راہوں سے ناآشنا تھے۔ حالانکہ تمام مسالک جن کا تعلق سنت سے ہے یا بدعت سے وہ اپنی اور مسلک کی صحت اور درستگی کے لیے اسی مسلک کو معیار اور کسوٹی سمجھتے تھے اور یہ حضرات بھی علم کلام اور فلسفہ سے لے کر فقہ، اصول فقہ، تجوید، نحو، معانی، بیان، ادب اور تاریخ میں مجتہدانہ افکار رکھتے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں (نقض المنطق ص ۱۱۶) حدیث اور سنت کی عظمت تمام فرقوں کا اجماع ہے۔ اور ان کی متفقہ شہادت ہے کہ حق ائمہ سنت میں ہے اسی لیے جو لوگ ائمہ حدیث کے زیادہ موافق ہوں وہ ان فرقوں میں دوسروں کی نسبت زیادہ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ خود امام ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اشعری چونکہ امام احمد اور دوسرے ائمہ سنت سے زیادہ قریب تھے اس لیے وہ اپنے اتباع میں عزت

کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ قاضی ابوبکر باقلانی کا بھی یہی حال ہے۔ ان کی عزت ائمہ حدیث کی موافقت کی وجہ سے ہے امام الحرمین ابوالمعالی جوینی ۴۷۸ھ اور امام غزالی ۵۰۵ھ اشعری کے بعض اصولوں کی مخالفت کے باوجود ان کی عزت حدیث اور سنت کی موافقت ہی کی وجہ سے ہے۔ فقہی فروع میں امام شافعی کے اتباع کی وجہ سے ان کو حدیث سے تعلق ہوا اور علم کلام میں بھی سنت کی موافقت یا مخالفت کے تناسب ہی سے ان کا احترام کیا گیا۔ معیار حق حدیث اور ائمہ حدیث ہی قرار پائے ہیں۔ یہ عجیب ہے کہ وہ فقہ درایت سے خالی لیکن حق و باطل کا معیار بھی ٹھہریں:

تقلید اور جمود کے اثرات

مروجہ تقلید اور جمود نے صرف ائمہ حدیث ہی کو ایذا نہیں دی بلکہ اپنے مسلک پر جمود کی وجہ سے دوسرے ائمہ کو حق پر سمجھنے کے باوجود وہ ان کے اتباع سے انصاف نہیں فرما سکے۔ آپ اس سلسلہ میں اقتداء بالمخالف ہی کو لے لیجیے۔ یہ مسلمہ ہے کہ ائمہ اربعہ حق پر ہیں یہ چاروں نہریں ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ یہ پانی ایک ہی منبع سے منقسم ہوا ہے اور منبع کی طہارت پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ میزان شعرانی ملاحظہ فرمایئے۔ وہاں حوض کوثر کی تقسیم اور میزان اعمال کے وقت حضرات ائمہ کرام بڑی توجہ سے میزان کے کام کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ پل صراط کے پاس بھی اپنے اتباع کی رفتار کا بڑا غائر مطالعہ فرما رہے ہیں۔ قیامت کے محاسبہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعرانی رحمہ اللہ کی نگاہ میں ان حضرات کا موقف بھی انبیاء علیہم السلام کے قریب قریب ہے اس احترام اور حق کے ساتھ اس وابستگی کے باوجود جب اقتداء بالمخالف کا سوال سامنے آیا تو متاخرین فقہاء بڑی احتیاط سے ایک دوسرے کا عمیق محاسبہ فرمانے لگے اور ایک دوسرے کا اس طرح محاسبہ شروع فرمایا جیسے ایک مسلم غیر مسلم کا محاسبہ کرتا ہے۔ حالانکہ ان فروعی اختلافات کے باوجود معاملہ میں کوئی دقت نہیں تھی۔ شرح صدر سے کہا جاتا کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی بلا تامل ایک دوسرے کی اقتدار کر سکتے ہیں۔ چاروں کو حق پر کہنے کے بعد نہ

مقتدی کے خیالات پیش نظر ہونے چاہئیں نہ امام کے۔ ان اختلافات کی موجودگی میں ہم نے ان سب کو حق پر تسلیم کیا ہے لیکن اس میں احتیاط کا پہلو ملاحظہ فرمائیے: قاضی خاں ۵۹۲ھ، علامہ حسن بن منصور اور برجندی جو اصحاب ترجیح تسلیم کیے گئے ہیں فرماتے ہیں صد ۶۱ ج ۱

اما الاقتداء بشفعوی المذهب قالوا لا باس به اذا لم یکن متعصبا ولا شاکا فی ایمانه ولا منحرفا تحریفا فاحشا عن القبلة ولا شك انه اذا جاوز المغارب کان فاحشا وان یکون متوضئا من الخارج النجس من غیر سبیلین ولا یتوضاء بالماء القلیل الذی وقعت فیه النجاسة۔ اھ

شافعی امام کی اقتدار ان شروط کے ساتھ درست ہے (۱) متعصب نہ ہو (۲) اپنے ایمان کے متعلق انشاء اللہ نہ کہتا ہو (۳) قبلہ سے انحراف نہ کرے (۴) اگر سبیلین کے سوا اس کے بدن پر نجاست کا اثر ہو تو اس سے وضو کرے (۵) تھوڑے پانی میں اگر نجاست گری ہو تو اس سے وضو نہ کرے۔ ان شرائط کی عدم پابندی کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شافعی رہ کر احناف کا امام نہیں بن سکتا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ رد المختار صہ ۵۸۸ ج ۱ شرح حنفیہ سے نقل فرماتے ہیں:

اما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز ما یعلم منه ما یفسد الصلوٰة علی اعتقاد المقتدی (شارح منیہ) شافعی وغیرہ مخالفین کی اقتدار اس وقت درست سمجھتے ہیں جب امام مقتدی کے خیال اور مذہب کے مطابق کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کی نماز فاسد ہو جائے اھ (سے ۱۰۱۴ھ)

پھر اسی صفحہ پر ملا علی قاری رحمہ اللہ کے رسالہ الاھتداء فی الاقتداء سے نقل فرماتے ہیں صفحہ ۵۸۸ ج ۱

ذهب عامة مشائخنا الی الجواز اذا کان یحتاط فی مواضع الخلاف والا فلا والمعنی انه یجوز فی المراعی بلا کراهة وفی غیرہ معها ثم المواضع المهمة للمراعاة ان یتوضاء من الفصد والحجامة والقئ والرعاف ونحو ذلك۔

عام مشائخ حنفیہ شافعی امام کی اقتدار جائز سمجھتے ہیں جب وہ اختلاف کے مقامات میں احتیاط کرے ورنہ نہیں۔ احتیاط سے یہ مراد ہے کہ فصد، سنگی اور قے اور نکسیر وغیرہ کے بعد وضو کرے۔ اھ (شامی)

علامہ خیر الدین آملی فرماتے ہیں :-

الذی یمیل الیہ خاطری القول بعدم الکراھۃ اذا لم یتحقق منہ مفسد تہ اھ۔ میرا دلی رجحان یہ ہے کہ اگر شافعی امام سے کوئی مفسدہ ظاہر نہ ہو تو اس کی اقتدار درست ہے۔

علامہ بیری اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ شافعی امام کی اقتدار سے اکیلے پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ وہ نماز میں ایسے کام کرے گا جن سے نماز لوٹانا یا ضروری ہوگا یا مستحب ہوگا۔ اھ

خیر الدین آملی شافعی سے منقول ہے کہ اگر اپنا ہم مذہب مل جائے تو پھر دوسرے کی اقتدار مکروہ ہے۔ البتہ اکیلے پڑھنے سے اقتدار کرنا افضل ہے۔ یہی فتویٰ رملی کبیر اسنوی اور سبکی سے بھی منقول ہے۔

شیخ خیر الدین فرماتے ہیں :-

والحاصل ان عند ھم فی ذالک اختلافا وکل ما کان لنا لھم علۃ فی الاقتداء بنا صحۃ وفسادا افضلیۃ کان لنا مثلہ علیھم اھ (شامی ص ۵۸۸ ج ۱) حاصل یہ ہے کہ شافعی ہماری اقتدار کے متعلق صحت فساد یا افضلیۃ کے متعلق جو راہ اختیار کریں ہم بھی وہی کہیں گے۔

مندرجہ ارشادات سے ظاہر ہے کہ دین کی بجائے حضرات فقہائے کرام کی باہمی رقابت کار فرما ہے۔

اس کے بعد علامہ شامی نے ایسے مقامات کا ذکر فرمایا ہے جہاں مخالف اور موافق حضرات کی متعدد جماعتیں ہوتی ہوں۔ بعض نے فرمایا اگر پہلی نماز شوافع کی ہو تو اس میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ یہی افضل ہے لیکن علامہ ابراہیم بیری فرماتے ہیں اگر اپنے مذہب کی جماعت نہ ملے تو اکیلے پڑھنا افضل ہے۔ شافعی کی اقتدار نہ کرے۔ علامہ سندھی رحمہ اللہ امام ابن الہمام کے شاگرد ہیں کہ شافعی اگر رعایت بھی کرے تو بھی بہتر یہ ہے کہ اکیلا پڑھے اور اقتدار نہ کرے۔ اس کے بعد علامہ علی قاری کی رائے

کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر اپنی جماعت مل سکے پہلے ہو یا پیچھے ۔ پھر مخالف کی اقتدار نہیں کرنی چاہیئے ۔ غرض علامہ شامی نے اقتدار کے متعلق فقہار و مذاہب کی آرار کا تذکرہ بڑی تفصیل سے فرمایا ہے اور حرمین کے تعامل کے پیش نظر اجازت دی ہے کہ اگر اپنے مذہب کا امام مل سکے تو شوافع کی نماز میں شامل نہیں ہونا چاہیئے ۔

اس کے بالمقابل بدعتی اور فاسق کی امامت کو کروہ تنزیہی فرمایا ہے ۔ درالمختار ص ۵۸۴ جلد ا میں ہے ویکرہ تنزیھا الخ اور قاضی خاں میں فرماتے ہیں :۔

ویصح الاقتداء باھل الھواء الا الجھمیة والقدریة والرافضی الغالی ومن یقول بخلق القرآن (شامی ص ۷۰ ج ا مطبوعہ مصر) جہمیہ، قدریہ، غالی روافض اور قائلین خلق کے علاوہ باقی اہل ہوا فرقوں کی اقتدا صحیح ہے ۔ صفحہ ۷۰ جلد ا میں فرماتے ہیں :۔

اذا صلی الرجل خلف فاسق او مبتدع یکون محرزا ثواب الجماعة ۔ اھ ۔ اگر فاسق اور بدعتی کی اقتدار کرے تو اسے جماعت کا ثواب مل جائے گا ۔ شامی صفحہ ۵۸۸ جلد ا اور طحطاوی صفحہ ۲۴۴ جلد ا میں بعینہٖ یہی تفصیل مرقوم ہے جو اوپر مذکور ہوئی صرف بدعت کے متعلق اس قدر اضافہ فرمایا ہے کہ بدعت مکفرہ نہ ہو تو اقتدار درست ہو گی ورنہ نہیں ۔ علامہ کاسانی نے البدائع والصنائع میں بدعت کے متعلق زیادہ وضاحت سے لکھا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف بدعتی کے پیچھے علی الاطلاق نماز ناپسند فرماتے ہیں لیکن کاسانی اس کی بھی یہی توجیہ فرماتے ہیں ۔ ص ۱۵۷ ج ا

والصحیح انہ ان کان ھوی یکفرہ لا تجوز وان کان لا یکفرہ تجوز ۔ صحیح یہی ہے کہ اگر بدعت مکفرہ نہ ہو تو اقتدار درست ہے ۔

فقہار کرام کے ان گرامی قدر ارشادات سے بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے ۔ اہل بدعت اور ہوا کے متعلق وہ پیش بندی اور احتیاط نہیں برتی گئی جو سنی مخالفین خصوص ولا شاکا فی ایمانہ کہہ کر ائمہ شوافع پر اور اہل حدیث پر جو تعریض کی گئی ہے ۔ بڑی نامناسب اور بے انصافی پر مبنی ہے ۔ اگر واقعی امام شافعی اور ان کے اتباع کا ایمان مشکوک ہے ان کو اپنے ایمان میں شبہ ہے تو کسی طرح بھی ان کی اقتدار

درست نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام ائمہ حدیث اور ائمہ سنت ایمان میں استثنار کے قائل ہیں شاکاتی ایمانہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شوافع کا قیام

حالانکہ امام شافعیؒ اور ان کے اتباع سچے سنی ہیں۔ ان کے مسلک کی حقانیت کا اعتراف علمائے احناف نے بھی فرمایا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

فهذه المذاهب المختلفة للائمة ومجتهدی الامة کلها تتصل بانهار الصحابة وهی متصلة بمنبعها وهو حضرة الرسالة فکلهم علی هدی من اقتدی بایها اهتدی ومن توهم ان واحدا منها علی هدی وسائرها فی ضلالة فقد وقع فی حضرة الضلالة (الفوائد البهیة صفہ) ائمہ مجتہدین کے مذاہب کا تعلق صحابہ سے ہے اور وہ نبوت کے منبع سے بہرہ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک کو حق پر کہنا اور باقی کو گمراہ سمجھنا خود گمراہی ہے اھ

اس توثیق کے بعد شوافع کے متعلق یہ احتیاط اور اقتدار تو یہ شرائط بالکل بے محل ہیں اور انصاف سے بمراحل دور، حالانکہ معلوم ہے کہ اعتزال و تجہم سے نہ احناف بچ سکے نہ موالک اور شوافع! بلکہ ان حضرات نے عقاید میں ان ائمہ اجتہاد کی راہ ہی ترک فرما دی وہاں کے امام اور مجتہد اشعری یا ماتریدی قرار پائے۔

طحطاوی فرماتے ہیں ولا خصوصية لمذاهب الشافعی بل اذا صلی حنفی خلف ای مخالف لمذهبه كذلك (ص ۲۸۱ ج ۱) اس تفصیل میں شافعی کی کوئی تخصیص نہیں کسی مخالف کے پیچھے بھی کوئی حنفی نماز ادا کرنا چاہے اس کی تفصیل اسی طرح ہے۔

ہدایہ اور اس کی شرح کفایہ مطبوعہ بمبئی میں سابقہ تفصیل کسی قدر اختصار سے مرقوم ہے مگر مقصد میں کوئی فرق نہیں۔

گفتگو کے لیے دوسرا محاذ

شوافع اور دوسرے ائمہ سنت کے ساتھ اقتدار میں یہ احتیاط اور تنگ نظری طبعاً اچھی معلوم

نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے گفتگو کے لیے ایک اور محاذ بنا لیا گیا کہ اس صورت میں جب امام اور مقتدی میں فرعی اختلاف ہو۔ تو اقتدار میں اعتبار امام کو کرنا چاہیئے یا مقتدی کو اور رعایت کی ذمہ داری امام پر ہے یا مقتدی از رہ شفقت درگذر کرے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

ھذا بناء علی ان العبرۃ لرای المقتدی وھو الاصح وقیل لرای الامام وعلیہ جماعۃ

(رد المختار صہ ۵۸ ج ۱) یہ احتیاط کا حکم اس بنیاد پر ہے کہ اقتدار میں مقتدی کی رائے کا اعتبار یا امام کی رائے کا۔ صحیح یہ ہے کہ مقتدی کی رائے ہی معتبر ہوگی۔ ایک جماعت کا خیال ہے امام کی رائے پر اعتماد ہوگا۔

علامہ بدر الدین عینی اور صاحب ھدایہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن ابن عابدین فرماتے ہیں کہ صحیح پہلی بات ہے یعنی امام کو مقتدی کی رعایت کرنا چاہیئے۔ گفتگو کا محاذ ضرور بدل گیا۔ آمین کی بجائے موضوع بحث امام اور مقتدی ہو گئے لیکن شناعت اور بڑھ گئی یعنی امام کو مقتدی کے تابع فرما دیا گیا یعنی تانگہ گھوڑے کے آگے باندھ دیا گیا۔ یہ تعصب کی کارفرمائیاں ہیں۔

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ فتاوی جلد ثالث میں دونوں مسالک کا ذکر کر کے خاموش ہو گئے صہ ۵۳ اندازہ ہوتا ہے۔ ان کا رجحان یہ ہے کہ امام کو مقتدی کے تابع نہیں ہونا چاہیئے۔ ھدایہ کے حاشیہ میں مولانا نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ قاضی خان وغیرہ فقہار کی شرائط اور ان کی مراعات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

قلت ھذا یرجع الی ان یصیر حنفیا (ھدایہ صہ ۱۲۹) اس رعایت کا مطلب تو یہ ہوگا کہ امام حنفی ہو جائے۔

اس کے بعد ان ساری مراعات شرائط کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے آخر میں فرمایا ہے:

واما اشتراط مراعات مواضع الخلاف کما اختارہ اکثر اصحابنا فغیر موجہ اذ مراعات ذالک مستحب لیس بواجب عند احد فلو لم یراع وفعل ما فعل علی طبق مذھبہ لم یقدح فی ذالک قادح فای مانع فی جواز الاقتداء بہ فافھم ھذا بنظر الانصاف

(ھدایہ اولین صہ ۱۱۹ ج ۱)

مواقع خلاف میں رعایت کی شرط ہمارے اکثر مشائخ نے لگائی ہے۔ یہ نامناسب ہے کیونکہ یہ رعایت کسی کے نزدیک بھی ضروری نہیں۔ اگر وہ تمام کام اپنے مذہب کے مطابق کرے تو اس میں کونسی برائی ہے زیادہ سے زیادہ ایک مستحب کا ترک ہوگا۔ اس سے اقتدار کے عدم جواز کی کونسی وجہ ہوگی اسے سمجھو اور انصاف سے غور کرو۔ اھ

بات بالکل صاف ہے لیکن شامی کے عند اکثر المشائخ اور علی الاصح کا کیا کیا جائے بہرکیف یہ محاذ بھی معقول معلوم نہیں ہوتا۔

ایک اور محاذ

اقتداء بالمخالف کے متعلق متقدمین فقہاء کے چھ قسم کے خیالات منقول ہیں۔ جن کا تذکرہ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے حواشی ہدایہ میں فرمایا ہے (ص۱۲۶ ج ۱) اور مطلقاً جواز کو راجح فرمایا ہے ہمارے ملک میں شوافع کی جگہ اہل حدیث کو ملی ہے۔ گو ہمارے ہاں احناف اور شوافع کا احترام یساں ہے اس لیے یہاں بھی اقتدار بالمخالف کا اثر اہل حدیث پر پڑتا ہے بلکہ ہمارے بزرگ کچھ زیادہ ہی تیز ہوجاتے ہیں۔ بریلوی حضرات "نورا مسا س" کے قایل ہیں وہ کسی موحد کی اقتدا نہیں فرماتے اہل حدیث ہو یا حنفی۔ ان کے ہاں مذہب چند رسوم اور نعروں کا نام ہے اور بس۔ پھر ان کا انداز گفتگو علم و استدلال پر مبنی نہیں بلکہ محض جذباتی ہے۔ ہمارے دیوبندی حضرات بعض ان مسائل کی آڑ لیتے ہیں جن کی رعایت کی امید شوافع سے کی گئی ہے لیکن وہ اختلافات اب کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتے۔ اس لیے ایک نیا محاذ کھولا گیا۔ ہمارے یہ دوست فرماتے ہیں کہ اہل حدیث کی اقتداء اس لیے درست نہیں کہ یہ استنجا میں ڈھیلا استعمال نہیں کرتے ان کی طہارت درست نہیں۔ یہ عذر بے حد کمزور بھی ہے اور غلط بھی۔ یہ تو معلوم ہے کہ طہارت کے بغیر نماز کو کوئی بھی درست نہیں سمجھتا۔ طہارت اہل حدیث کے نزدیک بھی اتنی ہی ضروری ہے جس قدر احناف کے نزدیک فرق صرف طہارت کے طریقہ میں ہے۔ صرف پانی سے ہوگی یا صرف مٹی سے۔ یا پانی اور مٹی دونوں سے۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ طہارت تینوں طرح ہوجاتی ہے۔ اگر کوئی مٹی اور پانی دونوں استعمال کرے تو بہتر ہے مطلق طہارت کے سوا ان طریقوں

سے کوئی طریقہ امامت اور اقتدا کے لیے شرط نہیں۔ اب مٹی کے استعمال کو ضروری قرار دینا تعجب ہے۔ یہ ذہنی تعصب اور عصبیت کی ترجمانی تو کر سکتا ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں یہ ہمارے ملک کی پیداوار ہے۔

فن طہارت یا وہم

۱۹۵۳ء تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں علمائے کرام کی طہارت اور اس کی مختلف اقسام اور اس پر اصرار کا تجربہ ہوا۔ بعض حضرات پیشاب سے فارغ ہو کر ازار بند منہ میں تھام لیتے اور کافی دیر ٹہلتے رہتے اور بائیں ہاتھ سے ڈھیلا استعمال کرتے اور اس میں خاص قسم کی حرکات فرماتے۔ بیس منٹ آدھ گھنٹہ تک یہ کھیل جاری رہتا پھر یقین ہوتا کہ اب طہارت ہوئی۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک یہ پورا ڈرامہ نہ کیا جائے طہارت مکمل نہیں ہوتی بعض حضرات مٹی کے ساتھ دونوں رانوں سے بھی طہارت میں کافی مدد لیتے وہ بائیں ہاتھ سے مسلنا کافی نہیں سمجھتے تھے بعض حضرات اس اثنا میں کئی کئی دفعہ ازار بند کے اندر جھانکتے مٹی کو ملاحظہ فرماتے وہ اسی مشق میں مٹی کا خشک ہونا بھی ضروری خیال فرماتے بعض حضرات بڑے اہتمام سے ڈھیلے بناتے اور خاص ترکیب سے بناتے کئی کئی دن خشک ہونے کے لیے دھوپ میں رکھے رہتے اور تحفہ کے طور پر یہ ڈھیلے اس قسم کے وہمی اتقیا میں تقسیم فرماتے اور وہ بھی اسے لے کر بہت ممنون ہوتے ظاہر ہے کہ یہ سب وہم پرستی ہے اس میں کوئی چیز نہ حنفی مذہب میں ضروری ہے نہ باقی ائمہ میں یہ وہم کا مرض ہے جو اس میں مبتلا ہو وہ تسکین قلب کے لیے مجبور ہے جو چاہے کرے۔ لیکن دوسرے کو اس وہم پرستی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ عموماً یہ مرض کیمبل پور، ہزارہ، راولپنڈی کے لوگوں میں ہوتا تھا یا پھر یو۔ پی۔ سی۔ پی کے حضرات میں خصوصاً وہ لوگ جو تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اہل حدیث کی اقتدا ان حضرات کے نزدیک اس وقت درست ہو سکتی ہے جب وہ طہارت کے ان فنون میں مہارت پیدا کریں۔ پھر شاید اس کی سند حاصل کریں اور اس وہم میں بھی مبتلا ہوں۔ ہمارے اہل حدیث حضرات میں بھی بعض حضرات پانچ پانچ چھ چھ لوٹے

استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان حضرات کو حافظ ابن القیمؒ اغاثۃ اللہفان کے ابتدائی ابواب اور نقد العلم والعلماء ابن جوزی اور شوکانی کے رسالہ ذم الموسوسین کا مطالعہ فرمانا چاہیئے۔ شاید ان کو فایدہ ہو اہل حدیث تو نہ امامت کے شائق ہیں نہ اس مشق کے لیے تیار۔ دراصل یہ سب امراض اس دور کے ہیں جب ملک میں پانی کی قلت تھی۔ ورنہ یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ وہم اور قلت علم کی پیداوار ہے۔ اور عوام کے ذہنوں میں عصبیت اور نفرت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ جہاں اتباع ایمہ میں تقلید کے باوجود اس قدر سختی برتی گئی ہو اور جمہور علماء ایک دوسرے کے خلاف اس قدر غلو فرماتے ہوں وہاں بچارے اہل حدیث ان حضرات سے کس وسعت ظرف کی امید کر سکتے ہیں اور یہ بزرگ کب اجازت دے سکتے ہیں کہ ان کے علاوہ کوئی اور مسلک بھی دنیا میں زندہ رہے۔ اسی عصبیت کا نتیجہ ہے کہ اچھے پڑھے لکھے حضرات فرماتے ہیں کہ اہل حدیث کوئی مکتب فکر ہی نہیں یہ محض حفاظ کی جماعت تھی فقہ و درایت سے خالی تھی یہ عصبیت قرون وسطےٰ میں اہل تقلید کے تغلب اور حکومت اور ارباب اقتدار کی سیاسی مصالح کی پیداوار ہے۔ اور درباری حضرات کی چیرہ دستیوں نے اس مسلک کو تاریخ کے اندھیروں اور عصبیت کی دلدلوں میں دبا کر رکھ دیا۔

اہل حدیث تاریخ کے مختلف اوراق میں

ایمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ولادت اور وفات کے سنین پر غور کیا جائے تو ۸۰ھ سے شروع ہو کر امام احمد کی وفات ۲۴۱ھ تک ختم ہوتا ہے۔ ان ایام کے بعد برسوں اس جمود اور تقلید کا پتہ نہیں چلتا جسے آج کل واجب کہا جارہا ہے اور اس سے انحراف کو بے دینی وغیرہ القاب سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس پر فخر یا اس کی طرف دعوت کسی صورت میں بھی چوتھی صدی سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ فتح ہند سے پہلے پہلا لشکر جو ساحل ہند پر اترا۔ اس وقت ان مروجہ مذاہب

کا نام ونشان، نہ عرب میں تھا نہ عجم میں۔ تقلید ائمہ کے موجودہ انداز سے ذہن بالکل خالی تھے۔

معلوم ہے ہند پر پہلا حملہ ۹۲ھ میں ولید بن عبد الملک کی حکومت میں ہوا۔ عرب میں تو اس وقت علماء تابعین کی کثرت تھی۔ ائمہ اربعہ کا خیال بھی اس وقت ذہن میں نہیں آسکتا تھا۔ خراسان، ایران اور فارس میں اس وقت ائمہ حدیث کی کثرت تھی۔ احادیث کا حفظ وضبط، نقل و روایت ان حضرات کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ حدیث کی جمع وتدوین کے اس دور میں ائمہ کی فقہوں کا احساس بھی موجود نہ تھا۔ صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ بلاتخصیص تعیین اہل علم کی نظر میں تھے۔ وہ مدار استناد تو تھے لیکن تقلید کا اس وقت شائبہ تک نہ تھا۔ اس وقت کی شافعیت اور حنفیت محض اساتذہ کے جزوی تاثرات تھے اہل حدیث کا مقصد بھی یہی تھا۔ اس لیے اسلامی قلمرو کے تمام گوشوں میں بھی یہی مسلک پایا جاتا تھا جسے آج ہم اہل حدیث کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قدماء احناف کی کتابوں میں اسی مکتب فکر کا تذکرہ عام ملتا ہے۔ شیخ عبد العزیز بن احمد بخاری مولف کشف الاسرار (۷۸۱ھ) شرح اصول بزدوی میں صحابی کی تعریف کے ذکر میں فرماتے ہیں:

اختلفوا فی تفسیر الصحابی فذهب عامة اصحاب الحدیث وبعض اصحاب الشافعی الی ان من صحب النبی صلعم لحظة فهو صحابی (کشف الاسرار ص ۴۰۷ ج ۲) ایک لحظہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ صحابی ہے یہاں اصحاب الحدیث کا ذکر ائمہ اصول کے تذکرہ میں آیا ہے۔

اصول بزدوی اور کشف الاسرار ص۲۹۱ میں مرقوم ہے ذهب اکثر اصحاب الحدیث الی ان اخبار التی حکم اهل الصنعة بصحتها توجب علم الیقین اه۔ جن احادیث کو ائمہ فن نے صحیح کہا ہے وہ اہل حدیث کے نزدیک یقین کا فائدہ دیتی ہیں۔

اس کے باوجود ایسے بزرگ دنیا میں موجود رہے جو مروجہ مذاہب سے تعلق اور ائمہ کے احترام کے ساتھ اس عصبیت کو ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ۹۶۱ھ میں مولانا احمد بن مصطفےٰ تاشکبری زادہ نے مفتاح السعادۃ والسیادۃ میں فقہاء اور فقہاء کے متعلق بڑا معنی خیز اور پُر از معلومات مقالہ لکھا ہے اس

کے آخر میں فقہاء، مذاہب اور ان کی فرقہ دارانہ عصبیت کے متعلق بڑا دردمندانہ شکوہ فرمایا ہے۔
آج کل دیوبند کی نوآموز پود اسی ڈگر پر جا رہی ہے جس کی شکایت علامہ نے فرمائی ہے۔ خود دیوبند اور اس کی پاک و ہند برانچوں میں تعلیم و تربیت کا انداز اس قدر غلط ہو رہا ہے کہ ان مدارس میں علم اور للہیت کی جگہ تعصب اور فرقہ پرستی پرورش پا رہی ہے۔ مختلف فیہ مسائل پر لکھنے کا انداز اتنا غلط ہو رہا ہے کہ اس پر بددیانتی اور خیانت کا شبہ ہوتا ہے۔ تقاریر میں تقویٰ اور عبادت کی بجائے باہم منافسات بڑھائے جا رہے ہیں۔ مجالس درس میں طلبہ کی ذہنی تربیت بھی عصبیت کے جراثیم ہی سے کی جا رہی ہے اور نوآموز حضرات کا یہ غلط رویہ اکابر کو بھی متاثر کر رہا ہے۔ اہل حدیث مدارس میں بھی یہ زہرآلود جراثیم اثر انداز ہو رہے ہیں۔

بریلوی حضرات سے یہ شکایت ہی بے سود ہے۔ ان کے ہاں بظاہر کوئی اصلاحی پروگرام ہی نہیں۔ مذہب کے متعلق چند بدعی تصورات اور عوام کی خوشنودی کے سوا ان کے ہاں مذہب کا کچھ مقصد نہیں۔ علامہ تاشکبری زادہ کا یہ اصلاحی تذکرہ دیوبندی اور اہل حدیث مکاتب فکر کے لیے مستقبل کی اصلاح میں بے حد مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ عصبیت دراصل علم دریافت کی موت کے مرادف ہے۔ جو شخص حدیث اختلاف امتی رحمۃ کے مفہوم پر غور کرے اور اسے معلوم ہو کہ فرعی مسائل میں اختلاف کی بنیاد ظن پر ہے۔ وہ کسی ایک مجتہد کے حق میں تحکم اور تعصب نہیں رکھ سکتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے مذہب کی صحت اور مخالف کی غلطی کا ظن کر سکتا ہے لیکن اپنے مخالف کو مطلقاً خطاکار نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ کئی مسائل میں ائمہ اربعہ متفق ہیں۔ جب فرعی مسائل ظن ہی کے مقام پر ہیں۔ اس لیے دونوں مخالف فریق صحت اور خطا کا احتمال رکھ سکتے ہیں۔ صحت اور خطا کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ مقلد اور مجتہد زیادہ سے زیادہ صحت اور خطا کا ظن ہی کر سکتے ہیں اس لیے اس میں تعصب کا کوئی مقام نہیں۔

ہمارے زمانہ میں بعض مقلد ارباب مذاہب کو تعصب کا دورہ ہوتا ہے اور وہ الٹی سیدھی باتیں بنانا شروع کر دیتے ہیں اور یہ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے ان سے بعض

حضرات میں اتنا شدید تعصب ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کی اقتداء کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کے علاوہ بھی کئی قبیح اور نامناسب باتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر افسوس ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ اگر امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ زندہ ہوتے تو ان کی ان حرکات کے خلاف سخت ناپسندیدگی اور ان سے بیزاری کا اظہار فرماتے۔ میں نے لاتعداد آدمیوں کو دیکھا ہے وہ آستینیں چڑھا کر امام شافعی کی مخالفت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ بلا تسمیہ ذبیحہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ احناف پر یہ الزام لگایا جاتا ہے وہ شرم گاہ کو مس کرتے ہیں اور بے وضو نماز پڑھتے ہیں۔ اور مالکی بسم اللہ کے بغیر نماز پڑھتے ہیں۔ حنبلی زوال سے پہلے جمعہ پڑھتے ہیں۔ اپنا حال یہ ہے کہ وہ ترک نماز کو گوارا کرتے ہیں۔ گھر کے لوگوں کو نماز کے ترک پر سرزنش نہیں کرتے۔ حالانکہ شوافع، موالک، حنابلہ بے نماز کے متعلق قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔ افسوس ہے کیا یہ لوگ فقیہ ہیں ایسے فقیہوں کو خدا تعالیٰ تباہ کرے تمہیں کیا ہو گیا۔ ان فرعی مسائل پر تو اتنا زور دیتے ہو اور ہزاروں اجماعی محرمات اور ناجائز ٹیکسوں کی پرواہ تک نہیں کرتے اور نہ ہی تمہیں اس پر غیرت محسوس ہوتی ہے۔ تمہاری غیرت کا سارا زور ابوحنیفہ اور شافعی کے اختلافات پر پڑتا ہے جس سے افتراق ہوتا ہے اور جاہل تم پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ عوام میں تمہاری کرکری ہوتی ہے۔ بے وقوف تمہارے متعلق ایسی باتیں کرتے ہیں جو تمہارے احترام کے سراسر منافی ہیں اور ہلاک ہوتے ہیں۔ تمہارا گوشت زہریلا ہے۔ بہرکیف تم اہل علم ہو ان امور کی وجہ سے تباہی کی طرف جا رہے ہو۔ اللہ تمہیں علم اور علماء کے احترام سے نیکی کی توفیق دے اور ہمیں تعصب سے بچائے۔"

علامہ تاشکبری زادہ نے اپنے وقت کے متعصب علماء کو کس قدر دردانگیز لہجہ میں تنبیہ فرمائی اور ترک اقتداء اور اس میں شرائط کو ناپسند فرمایا ہے۔ اب ایک اور یگانہ کا ارشاد سنئے جسے اللہ تعالیٰ نے صاف ذہن مرحمت فرمایا ہے۔ ائمہ کے احترام کے ساتھ شریعت کے مصالح بھی اس کے پیش نظر ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے اسم گرامی کے نام سے علمی حلقوں میں کون واقف نہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ ایک حنفی وتر کی نماز میں یا جمع بین الصلوٰتین میں شافعی کی اقتداء کر سکتا ہے اور اسے اجازت ہے کہ ایسے مسائل میں وہ شافعی امام کی تقلید کرے۔ ایسا کرتا حنفی

کے لیے درست نہیں۔

جواب: ہاں بارش میں حنفی مقتدی شافعی امام کی تقلید بلا اقتدار کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ جمع بین الصلوٰتین جمہور علمار کا مذہب ہے۔ شافعیؒ۔ مالکؒ۔ احمدؒ اسے جائز سمجھتے ہیں۔ ابن عمر امرار مدینہ کے ساتھ بارش میں نماز جمع فرماتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی خاص آدمی کی تمام مسائل میں تقلید درست نہیں۔ مسلمان ہمیشہ علمار سے مسائل دریافت فرماتے رہے۔ کبھی ایک سے کبھی دوسرے سے۔ کبھی ایک کی بات مانتے کبھی دوسرے کی۔ کسی معین کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ جب مقلد کسی مسئلہ کو راجح اور اصلح سمجھے۔ اس میں ایک کی تقلید کرے اور دوسرے میں دوسرے کی۔ جمہور علمائے اسلام کے نزدیک یہ درست ہے اسے ائمہ اربعہ میں سے کسی نے ناجائز نہیں کہا۔

وتر میں بھی یہی حال ہے مقتدی کے لیے مناسب ہے کہ قنوت میں اور دونوں کے وصل اور انقطاع میں امام کی پوری پوری اقتدار کرے۔ بعض علمار کا خیال ہے کہ امام اگر دو رکعت فصل کرے مقتدی جوڑ لے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ صہ ۳۸۷ ج ۲)

ناظرین غور فرمائیں۔ اتحاد بین المسلمین کا سامان ابن عابدین اور طحطاوی کی رائے ہے یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور تاشکبری زادہ کے ارشاد گرامی ہیں۔

معتزلہ کا خیال ہے کہ پیغمبر کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں۔ اشاعرہ اور بعض متکلمین نے بھی ان سے اتفاق کیا۔ عام ائمہ اصول کا خیال ہے کہ پیغمبر بوقت ضرورت اجتہاد کر سکتا ہے اور اسے وحی اور اجتہاد دونوں پر عمل کی اجازت ہے وھو منقول عن ابی یوسف من اصحابنا وھو مذھب مالک والشافعی وعامۃ اھل الحدیث (کشف الاسرار ص ۹۲۵ ج ۳)

احناف سے امام ابو یوسف، امام شافعی، امام مالک اور عام اہل حدیث کا بھی یہی خیال ہے کہ پیغمبر اپنے اجتہاد پر عمل کر سکتا ہے اور یہاں اہل حدیث کا ذکر مذاہب اربعہ کے ساتھ علماء اصول میں آیا ہے۔

۴۔ مرسل حدیث کی حجیت کے تذکرہ میں اہل حدیث پر تشنیع کرتے ہیں کہ وہ مرسل کو حجت

نہیں سمجھتے۔

وفی رد المرسل تعطیل کثیر من السنن فان المراسیل جمعت فبلغت قریبا من خمسین جزأ وھذا التشنیع علیھم فانھم سموا انفسھم اصحاب الحدیث وانتصبوا انفسھم لحیاطۃ الاحادیث اھ (کشف ص ۲۵، ج ۳) مرسل کی حجیت کے انکار سے حدیث کا بڑا ذخیرہ ضائع ہوجائے گا۔ یہ لوگ اہل حدیث کہلا کر حفاظت حدیث کی بجائے حدیث کو ضائع کر رہے ہیں اھ۔

اہل حدیث کی یہاں بھی مستقل حیثیت ظاہر ہوتی ہے۔ مرسل کی حجت کی بحث بالکل الگ مسئلہ ہے۔ جس مرسل کو یہ حضرات حجت فرماتے ہیں وہ دراصل حدیث ہی نہیں اس کے انکار سے حدیث کا انکار لازم نہیں آتا۔

علامہ ابن عابدین رد المختار میں لفظ حنفی میں یائے نسبت کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:۔

ان النسبۃ الی مذھب ابی حنیفۃ والی القبیلۃ وھم بنو حنیفۃ بلفظ واحد و ان جماعۃ من اھل الحدیث منھم ابو الفضل محمد بن طاھر المقدسی یفرقون بینھما بزیادۃ یاء فی النسبۃ الی المذھب اھ ص۱ ج ۱۔ عراقی فرماتے ہیں قبیلہ "بنو حنیفہ" اور مذہب "ابو حنیفہ" کی طرف نسبت میں حنفی درست ہے۔ لیکن بعض اہل حدیث کا خیال ہے کہ مذہب کی طرف نسبت میں حنیفی کہنا چاہیئے۔ محمد بن طاہر مقدسی علماء اہل حدیث سے بھی یہی فرماتے ہیں۔ اور اس میں ان کی رائے لغت اور زبان کے ماہر کی حیثیت سے ہے۔ اذان اور اقامت میں لفظ اکبر کے اعراب کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں (وثانیھا مخالفۃ لما فسرہ اھل الحدیث والفقہ۔ اھ (شامی ص۲۰۱ ج ۱) دوسرا اعراب اہل حدیث اور فقہاء کی تفسیر کے خلاف ہے۔ اھ

وقف علی اصحاب الحدیث لاید خل فیہ الشافعی اذا لم یکن فی طلب الحدیث ویدخل فیہ الحنفی کان فی طلبہ اولا اھ۔ شامی ص۶۶۵ ج ۳) کسی نے اہل حدیث کے لیے کوئی چیز وقف کی تو شافعی اگر حدیث کا طالب علم ہو تو اسی میں شامل ہوگا۔ اور حنفی بہرحال شامل ہوگا حدیث پڑھے یا نہ پڑھے

ع "سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی"

خوارج کے متعلق علماء کا اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ذکر فی فتح القدیر ان الخوارج الذین یستحلون دماء المسلمین واموالھم ویکفرون الصحابۃ حکمھم عند جمھور الفقھاء واھل الحدیث حکم البغاۃ وذھب بعض اھل الحدیث الی انھم مرتدون قال ابن المنذر ولا اعلم احدا وافق اھل الحدیث علی تکفیرھم اھ (شامی ص ۳۵۳ ج ۱) جمہور فقہا اور اہل حدیث کے نزدیک خوارج باغی ہیں بعض اہل حدیث انہیں مرتد کہتے ہیں۔ ابن منذر فرماتے ہیں تکفیر میں ان کی کسی نے تائید نہیں کی۔ اھ

جمہور فقہاء کے ساتھ ان فقراء کا تذکرہ مکتب فکر کی حیثیت سے ہوا ہے۔ اسی صفحہ میں اہل ہوا کے متعلق محدثین کا تذکرہ اپنی تائید میں فرماتے ہیں:

وکذا نص المحدثون علی قبول روایۃ اھل الھواء۔ اھ (ص ۳۵۳ ج ۳) ایسے اہل حدیث نے اہل ہوا کی روایت کے قبول کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

حکی ان رجلا من اصحاب ابی حنیفۃ خطب الی رجل من اصحاب الحدیث ابنتہ عھد ابی بکر الجوزجانی فابی الا ان یترک مذھبہ فیقرء خلف الامام ویرفع یدیہ۔ ایک حنفی نے شیخ ابوبکر جوزجانی کے وقت کسی اہل حدیث سے رشتہ طلب کیا۔ اس نے شرط لگائی کہ اپنا مذہب چھوڑ کر فاتحہ خلف الامام اور رفع الیدین شروع کر دو اس نے ایسا کر لیا۔

شیخ جوزجانی فرماتے ہیں نکاح تو ہو گیا۔ لیکن خیال ہے نزع کے وقت اس کا ایمان جاتا رہے۔ اگر دلایل کی بنا پر سابق مذہب کو ترک کر کے اہل حدیث ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ اھ۔ اس سے اہل حدیث مکتب فکر کا تعین بھی ہو گیا۔ اور اگر دلایل کی بنا پر کوئی اسی مسلک کو پسند کرے تو ابوبکر جوزجانی فرماتے ہیں۔ یہ بہتر ہے کہ آج کل حضرات دیوبند کی الحدیث پر ناراضگی کچھ برمحل معلوم نہیں ہوتی۔

بحر العلوم مسلم الثبوت کی شرح میں جرح تعدیل کے تعارض کی بحث میں مشاجرات

صحابہ کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت عثمانؓ کی شہادت اور مظلومیت کا ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کی شہادت میں صحابہ سے کوئی شریک نہ تھا:

ولم یکن فیھم واحد من الصحابۃ کما صرح بہ غیر واحد من اھل الحدیث (ص۳۲ طبع ھند)

حضرت عثمان کی شہادت میں صحابہ سے کوئی شریک نہ تھا۔ اہل حدیث نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اھ

یہاں اہل حدیث کے تاریخی موقف کی وضاحت فرمائی ہے۔ ان کی نقل ارجال تاریخ مشاجرات صحابہ میں قطعیت کی حد تک پہنچ چکی ہے۔

علامہ عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری (۷۳۰ھ) مولف کتاب التحقیق شرح حسامی نے عبادلہ کی تعیین میں عبداللہ ابن مسعود کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں وعند المحدثین عبداللہ بن الزبیر مقام عبداللہ بن مسعود (ص۱۶۳ طبع ھند)

یہاں فقہاء کے بالمقابل محدثین کا ذکر فرمایا ہے جس کا مطلب واضح ہے کہ رجال کی تعیین میں ان کا ایک مقام ہے اور اپنی مستقل رائے ہے۔

○

پیغمبر کے لیے اجتہاد کی اجازت کا ذکر فرماتے ہوئے شارح بزدوی کی طرح کتاب التحقیق کے مولف بھی فرماتے ہیں۔

ھو منقول عن ابی یوسف من اصحابنا وھو مذھب مالک والشافعی وعامۃ اھل الحدیث (کتاب التحقیق ص۲۰۰) امام ابویوسف، مالک، شافعی اور عام اہل حدیث کا یہی خیال ہے کہ پیغمبر اپنے اجتہاد پر اگر ضرورت ہو تو عمل کر سکتا ہے۔ اھ

مورخین اور متکلمین کی رائے

ابن خلدون اپنے وقت کے نقاد مورخ ہیں جنہوں نے فن تاریخ کو قصص وحکایات کی دلدل سے نکال کر اسے ایک نئی زندگی بخشی۔ اور فن تنقید کے اسالیب کی طرف راہ نمائی فرمائی۔ ابن خلدون نے مقدمہ میں

فقہ فرائض کے تذکرے میں فرماتے ہیں:

والقسم الفقه فيهم الى طريقتين طريقة اهل الرای والقياس وهم اهل العراق وطريقة اهل الحديث وهم اهل الحجاز وكان الحديث فی اهل العراق لما قدمنا فاستكثروا من القياس و مهروا فيه فلذالك قيل اهل الرای ومقدم جماعتهم الذی استقر المذهب فيه وفی اصحابه ابوحنيفة (مقدمه ابن خلدون ص۳۸۹ طبع بهيه مصر) فقہ کے دو طریق ہو گئے۔ فقہ العراق اور فقہ الحدیث علمائے عراق میں حدیث کم تھی جس کی وجہ ذکر ہو چکی ہے۔ اس لیے انہوں نے رائے اور قیاس میں مہارت پیدا کی۔ اور اہل الرائے کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے پیش رو امام ابوحنیفہ ہیں۔ اور اہل حجاز کی فقہ کا نام فقہ الحدیث ٹھہرا۔ اھ

ملا کاتب چلپی (۱۰۶۷ھ) نے اصول فقہ کے تذکرہ میں امام علاؤ الدین حنفی کی کتاب میزان الاصول سے نقل فرمایا ہے۔

واكثر التصانيف فی اصول الفقه لاهل الاعتزال المخالفين لنا فی الاصول ولاهل الحديث المخالفين لنا فی الفروع ولا اعتماد علی تصانيفهم (كشف الظنون ص۸۹ دار الطباعه مصر) اھ۔ اصول فقہ میں معتزلہ اور اہل حدیث کی تصانیف زیادہ ہیں۔ معتزلہ اصول میں ہمارے مخالف ہیں اور اہل حدیث فروع میں۔ اس لیے ان کی تصانیف پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نے ابجد العلوم ص۵۷۵ج۲ میں کشف الظنون کی عبارت نقل فرمائی اور فقہ العراق اور فقہ الحدیث کا تذکرہ فرمایا۔ پھر تقلید اور عمل بالحدیث پر مختصر تبصرہ فرمایا اور مذاہب اربعہ کی اشاعت اور کتب طبقات کی عصبیت کا تذکرہ فرمایا وہ خواہ مخواہ ہر آدمی کو ادنیٰ ممارست اور توافق سے اپنے مذہب میں شمار کر لیتے ہیں۔ اور ان اقطار اور بلاد کا ذکر فرمایا جہاں یہ مذاہب عام اور شائع ہوں اور اہل حق کی کتابوں کو کس طرح طاق نسیاں کی نذر کیا گیا فرماتے ہیں:

فلم يبق الا مذهب اهل الرای من العراق واهل الحديث من الحجاز (ص۵۹۶ج۲) اسی تعصب کی دستبرد کے باوجود اہل الرائے عراق میں اور اہل حدیث حجاز میں باقی رہ گئے۔ اھ

تقی الدین احمد بن علی مقریزی (۸۴۵ھ) نے فرمایا جب ملک ظاہر بیبرس بندقداری نے ۶۶۲ھ میں مدرسہ ظاہریہ کی بنیاد رکھی اور اس کے مصارف کے لیے بہت بڑا وقف کیا۔ اس میں مختلف مکاتب فکر کی تدریس کے لیے مختلف ایوان بنائے جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

وجلس اھل الدروس کل طائفة فی ایوان منھا الشافعیة بالایوان القبلی ومدرسھم تقی الدین محمد بن حسن بن رزین الحموی والحنفیة بالایوان البحری مدرسھم الصدر مجد الدین عبدالرحمان بن الصاحب کمال الدین عمر بن العدیم الحلبی واھل الحدیث بالایوان الشرقی ومدرسھم الشیخ شرف الدین عبدالمومن بن خلف الدمیاطی اھ (الخطط للمقریزی ص ۲۱۷ جلد ۲) تمام علماء اپنے اپنے ایوان میں درس دینے لگے۔ شافعی سامنے کے ایوان میں تھے۔ ان کے صدر مدرس تقی الدین محمد بن حسن حموی تھے اور حنفی سمندری ایوان میں ان کے صدر مدرس عبدالرحمن بن العدیم حلبی تھے اور اہل حدیث مشرقی ایوان میں درس دینے لگے ان کے صدر مدرس شیخ شرف الدین عبدالمومن بن خلف دمیاطی تھے اھ۔

یہ ساتویں صدی ہے اس میں بھی شاہی مدرسہ میں دوسرے مکاتب کے مقابل اہل حدیث کے لیے مستقل ایوان ہے اھ۔

مقریزی فرماتے ہیں یہ مدرسہ اب بھی موجود ہے کسی قدر فرسودہ ہو چکا ہے۔ حنفی اور شافعی اس کی نظارت کے متعلق دست و گریباں ہوتے رہتے ہیں۔ مقریزی اہل مصر کے مذاہب اور اسباب مذاہب کی تبدیلیوں اور اس کے اسباب کا ذکر فرماتے ہیں:۔

وکانت افریقة الغالب علیھا السنن والآثار الی ان قدم عبداللہ بن فروخ ابومحمد الفارسی بمذھب ابی حنیفة۔ اھ (الخطط ص ۱۴۴ ج ۱) افریقہ میں ابتداء میں سب لوگ سنن و آثار (مسلک اہل حدیث) کے پابند تھے۔ یہاں تک شیخ عبداللہ بن فروخ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک لے کر آگئے۔ اھ

مقریزی افریقہ میں مالکی مذہب کی اشاعت کے متعلق فرماتے ہیں:

دصار القضاء فی اصحاب سحنون ذو لا یتصاولون علی الدنیا تصاول الفحول علی الشول ص۱۴۲

ج ۱۔ سحنوی کے لافقاء محکمہ قضاء پر اس طرح حملہ آور ہوتے تھے جس طرح نر اونٹ مادہ پر۔ اس کے بعد آگے حنفی مذہب کی اشاعت کے متعلق لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف کا مرہون منت ہے۔ اہل حدیث بچارے اس جنگ میں کہاں کامیاب ہوتے جب انہوں نے کسی حکومت کی سرپرستی ہی قبول نہیں فرمائی شعرانی تمام ائمہ سنت کا احترام کرتے ہیں۔ انہیں سب سے عقیدت ہے اس کے اظہار میں وہ بڑے ہی وسیع الظرف ہیں۔ میزان خضری میں امام شافعی سے نقل فرماتے ہیں:

کان رضی اللہ عنہ یقول اهل الحدیث فی کل زمان کالصحابة فی زمانهم و اذا رایت صاحب حدیث فکانی رایت احدا من اصحاب رسول اللہ صلعم وکان یقول ایاکم والاخذ بالحدیث الذی جاءکم من العراق الا بعد التفتیش ص۸۔ امام شافعی فرماتے تھے۔ اہل حدیث ہر دور میں صحابہ کی طرح ہیں۔ جب میں کسی اہل حدیث کو دیکھتا ہوں میں سمجھتا ہوں میں نے صحابی کو دیکھا اور فرماتے اہل عراق کی حدیث تفتیش کے بغیر مت قبول کرو۔

ابوبکر بن عباس نے فرمایا اهل الحدیث فی اهل الاسلام کالاسلام فی سائر الادیان (ص۵ خضری) اہل حدیث اسلامی فرقوں میں اس طرح ہیں جیسے اسلام باقی دینوں میں۔

ابو العباس بن شریح فرماتے تھے اهل الحدیث اعظم درجة من الفقهاء ص۵۔ اہل حدیث کا درجہ فقہاء سے اونچا ہے۔

امام ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بغدادی کی مختلف مذاہب اور فرقوں کے متعلق بڑی جامع کتاب ہے اہل سنت کے مختلف مسالک کا ذکر فرماتے ہیں:۔

والصنف الثانی منهم ائمة الفقه من فریقی الرای والحدیث من الذین اعتقدوا فی اصول الدین مذاهب الصفاتیة فی اللہ وصفاته الازلیة۔ اھ (الفرق بین الفرق ص ۳۰۰) دوسری قسم فقہا کی ہے جن میں اہل الرای اور اہل حدیث دونوں شامل ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ کو بلا تاویل مانتے ہیں اور تشبیہ اور تعطیل کے قائل نہیں۔ اھ

○

اسی کتاب میں آگے چل کر اہل تصوف کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

کلامھم فی طریقی العبارۃ والاشارۃ علی سمت اھل الحدیث دون من یشتری لھو الحدیث۔ ان کا انداز گفتگو اور ارشادات اہل حدیث کی طرح ہیں اہل لہو ولعب کی طرح نہیں۔

اسی طرح ان دونوں فریق کا ذکر صلہ ۳۱۴ صلہ ۳۰۲ صلہ ۱۱۴ صلہ ۱۱۷ صلہ ۱۳۱۳ میں مرقوم ہے اس کتاب میں اہلحدیث کا ذکر اکثر مقامات پر آیا کہیں بطور رواۃ حدیث اور کہیں بطور کتب فکرسہ

خذ البطن ھرشا او قفا ھا فانہ

کلا جانبی ھرشا لھن طریق

یہ لوگ دین کا ہر کام کرتے رہے لیکن نہ کسی فرقہ کی تاسیس کی نہ کسی دھڑے کے لیے دعوت دی نہ ہی اشخاص کی محبت ان پر اس قدر غالب ہوئی جس سے دوسرے کی تنقیص لازم آتی ان کی نظر اشخاص سے زیادہ دلائل پر رہی شخصی تنقید سے زیادہ انہوں نے مسائل کی تحقیق فرمائی۔

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری (۳۳۰ھ) مقالات الاسلامیین میں فرماتے ہیں:

جملۃ ما علیہ اھل الحدیث والسنۃ الاقرار باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ وما جاء من عند اللہ وما رواہ الثقات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یردون من ذالک شیئًا وان اللہ سبحانہ واحد صمد لا الہ غیرہ صلہ ۲۹۰۔ اہل حدیث اور ائمہ سنت کا عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اقرار ملائکہ اور فرشتوں اور رسولوں کا اقرار اور کتابوں کا اقرار جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں اور جو ثقہ راویوں نے روایت کیا۔ اس میں وہ کسی چیز کو رد نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اکیلا اور بے نیاز ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ الخ

اس کے بعد آگے اہل حدیث کے عقاید کا تذکرہ کئی اوراق میں فرمایا۔ یہ تذکرہ معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے بالمقابل فرمایا جس کا مطلب ظاہر ہے کہ اہل حدیث ائمہ اعتزال اور متکلمین کے مدمقابل ہیں۔

ابن ندیم نے علماء عراق، ائمہ شوافع، موالک، امام داؤد ظاہری فقہائے شیعہ کے مبسوط تذکرہ کے بعد فقہاء المحدثین واصحاب الحدیث کا تذکرہ فرمایا۔ فن سادس سے قریباً ۱۴ فقہائے حدیث کا تذکرہ فرمایا ان میں امام بخاری، سفیان ثوری، ابن ابی ذئب، سفیان بن عیینہ، ابن ابی عروبہ، اسماعیل بن علیہ، عبداللہ بن مبارک، امام احمد، عثمان بن ابی شیبہ ترمذی، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، ابوداؤد، مسلم وغیرہ علماء کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ظاہر ہے فقہائے حدیث اگر مکتب فکر نہیں پھر انہیں ائمہ عراق وغیرہ سے الگ عنوان کے ماتحت کیوں ذکر فرمایا حالانکہ امام ابوجعفر طحاوی وغیرہ حفاظ حدیث موجود ہیں لیکن ہر حافظ حدیث اہل حدیث نہیں ہو سکتا۔

امام محی الدین یحییٰ بن شرف النواوی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

ان الواجب ضربة للوجه والكفين وهو مذهب عطاء ومكحول والاوزاعي واحمد واسحاق وابن المنذر وعامة اصحاب الحديث اه (صحيح مسلم مع شرح ص۱۶۱ ج۱) تیمم میں چہرے اور ہاتھوں کے لیے ایک ضرب ضروری ہے۔ عطاء، مکحول، اوزاعی، احمد، اسحاق اور ابن منذر اور ائمہ اہل حدیث کا یہی مذہب ہے۔

طلاق الحائض کے متعلق فرماتے ہیں کہ مطلق کو رجوع کے لیے کہنا چاہیے۔ هذا مذهبنا وبه قال الاوزاعي وابو حنيفة وسائر الكوفيين واحمد وفقهاء المحدثين وآخرون۔ ہمارا اور اوزاعی ابوحنیفہ اور تمام ارباب کوفہ احمد اور فقہاء محدثین اور بعض دوسرے علماء کا بھی یہی خیال ہے اھ صحیح مسلم مع شرح ص ۴۷۵ ج ۱

ذہبی نے طبقات الحفاظ ابو محمد الفضل بن محمد کے تذکرہ میں فرمایا

ولقد كان في هذا العصر وما قاربه من ائمة الحديث النبوي خلق كثير وما ذكرنا عشرهم واكثرهم مذكورون في تاريخي وكذالك كان في هذا الوقت خلق من ائمة اهل الراي والفروع وعدد من اساطين المعتزلة والشيعة واصحاب الكلام الذين مشوا وراء العقول واعرضوا عما عليه السلف من التمسك بالآثار النبوية وظهر في الفقهاء التقليد وتناقص الاجتهاد اه (تذكرة الحفاظ

للذہبی ص۱۳۴ ج ۲) اس زمانہ (۲۸۲ھ) میں ائمہ حدیث کی بڑی تعداد موجود تھی۔ یہاں میں نے ان کا عشر عشیر بھی نہیں لکھا میں نے ان کا مفصل تذکرہ تاریخ اسلام میں کیا ہے۔ اسی طرح ائمہ رای اور فقہاء فروع اور شیعہ اور معتزلہ سے بھی اہل علم کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ انہوں نے ان لوگوں کے آثار نبویہ اور سلف کی راہ سے اعراض کیا اور فقہا میں تقلید اور تناقض اجتہادات کی گرم بازاری ہوئی۔ اھ

ذہبی اس تذکرہ کے آخر میں فرماتے ہیں۔ "میرا خیال ہے کہ جب کہیں وقت محسوس ہوئی تم ہوا کے گھوڑوں پر سوار ہو کر کہنے لگو گے۔ احمد کون ہے علی بن مدینی کیا ہے۔ ابوزرعہ اور ابوداؤد کی کیا حیثیت ہے یہ لوگ صرف محدث ہیں، یہ فقہ نہیں جانتے۔ اصول فقہ سے ناواقف ہیں۔ رائے کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ معانی، بیان، منطق اور علم البرہان سے ناآشنا ہیں۔ خدا کو دلایل سے نہیں مانتے۔ ذہبی فرماتے ہیں یا تو چپ رہو یا علم کی گفتگو کرو علم وہی ہے جو ان لوگوں کی معرفت آئے۔"

اس مقام پر ائمہ حدیث کا تذکرہ فقہاء مجتہدین کے بالمقابل ذکر فرمایا ہے۔ ان کے تفقہ اور ان کے علم کی حقانیت کا بھی ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ مستقبل میں تقلید اور تناقض اجتہادات کا دنیا میں فروغ ہو رہا ہے اور علوم حقہ اور اہل فن پر طعن کی راہیں کھل رہی ہیں۔

بقی بن مخلد کے تذکرہ میں مرقوم ہے۔

وقد تعصبوا على بقي لاظهاره مذهب اهل الاثر فدفع عنه امير الاندلس محمد بن عبد الرحمن المروانی واستنسخ كتبه وقال لبقي انشر علمك (ص۲۳۰ ج ۲ تذکرة الحفاظ) بقی بن مخلد نے اہل حدیث اور آثار کے مسلک کا اظہار کیا لوگ ان پر تعصب کرنے لگے۔ اندلس کے امیر محمد بن عبد الرحمن مروانی نے ان کو ہٹایا اور ان کی کتابیں نقل کرائیں اور فرمایا تم اپنے علم یعنی آثار اور احادیث کی اشاعت کرو۔

ابو عبد اللہ محمد بن ابی نصر حمیدی کے تذکرہ میں فرمایا

كان ورعا ثقة اماما في الحديث وعلله ورواته متحققا في علم التحقيق والاصول على مذهب اصحاب الحديث للموافقة للكتاب والسنة۔ حمیدی پرہیزگار، متقی اور امام تھے۔ حدیث اور رواۃ کے علل کو جانتے تھے اہل حدیث کے مذہب کے مطابق اور کتاب وسنت کی روشنی میں انہوں نے اصول وضع فرمائے

امام نووی صحیح مسلم کے باب المساقات کی شرح میں فرماتے ہیں وبہ قال مالک والثوری واللیث والشافعی واحمد وجمیع فقہاء المحدثین ص۱۴ ج ۲

اس صفحہ میں مرقوم ہے وقال ابن ابی لیلی وابو یوسف ومحمد وسایر الکوفیین وفقہا والمحدثین واحمد وابن خزیمۃ ص۱۵ ج ۲۔ مساقات اور مزرعہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ مالک، ثوری، لیث، شافعی، احمد اور تمام فقہاء محدثین نے۔ اسی طرح مزارعہ کے جواز کا فتویٰ دیا ابن ابی لیلی، ابو یوسف، محمد اور تمام علماء کوفہ اور فقہاء محدثین نے اھ۔

ابواب شفعہ میں امام نووی نے فرمایا:

وقال الحکم والثوری وابو عبید وطائفۃ من اہل الحدیث لیس لہ الاخذ (مسلم ص۳۲ جلد ۲)

مندرجہ ذکر علماء اور اہل حدیث کا خیال ہے کہ ہمسایہ کو شفعہ کا حق حاصل نہیں اھ

پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھنے کے متعلق فرمایا:

والثانی الایجاب وبہ قال احمد وابو ثور واصحاب الحدیث (مسلم ص۳۲ ج ۱) احمد، ابو ثور اور اصحاب الحدیث کا خیال ہے کہ ہمسایہ کو دیوار پر لکڑی کی اجازت ضروری ہے۔ اھ

ان تمام مواقع میں اہل حدیث کا تذکرہ مکتب فکر کے طور پر فرمایا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے تیمم کے تذکرہ میں فرمایا وجہ اور کفین پر تیمم کے لیے ایک ضرب جواز کی طرف ذیل کے ائمہ گئے ہیں والیہ ذھب احمد واسحاق وابن جریر وابن المنذر وابن خزیمۃ ونقلہ ابو الجہم وغیرہ عن مالک ونقلہ الخطابی عن اصحاب الحدیث (فتح الباری ص۳۲ ج ۱) امام احمد، اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن خزیمہ اور امام مالک کا خیال ہے کہ تیمم منہ اور دونوں کف پر کیا جائے۔ خطابی فرماتے ہیں۔ اصحاب الحدیث کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام نووی نے الاسماء واللغات میں امام شافعی کا تذکرہ بڑے دل نشیں انداز میں کیا ہے یہ

تذکرہ کئی اوراق میں پھیلا ہوا ہے۔ اس مقام پر امام محمد بن الحسنؒ کا قول ذکر فرمایا قال محمد بن الحسن رحمہ اللہ ان تکلم اصحاب الحدیث یوماً فبلسان الشافعی صنہ جلد ۱۔ اصحاب الحدیث اگر گفتگو کریں تو وہ امام شافعی ہی کی زبان سے ہوگی یعنی امام شافعی کی کتابیں ان کی رہنمائی کریں گی۔

حسن بن محمد زعفرانی فرماتے ہیں:

کان اصحاب الحدیث رقوداً فایقظھم الشافعی (صنہ جلد ۱) اہل حدیث سو رہے تھے شافعیؒ نے ان کو جگا دیا۔ امام احمد کے ایک توصیفی ارشاد میں فرمایا:

فھذا قول امام اصحاب الحدیث واھلہ صنہ جلد ۱ یہ اہل حدیث کے امام کا قول ہے۔

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیث امام احمد امام شافعی اور امام محمد سے پہلے موجود تھے۔ یہ ائمہ بھی اہل حدیث تھے۔ ان کے علوم سے اہل حدیث کو فائدہ پہنچا۔ ایک مقام پر فرمایا۔ عام علماء اور فقہاء خراسان کی زبان میں امام شافعیؒ کے شاگردوں کا لقب اہل حدیث ہوا۔

تقلید اور جمود کا دور

تقلید اور جمود کی ان تیرہ صدیوں میں کیا کیفیت رہی۔ اس کے متعلق صحیح اور قطعی رائے اور اس کے مدوجزر کا جائزہ لینے کے لیے گہرے اور عمیق مطالعے کی ضرورت ہے۔ ائمہ کی تصریحات اور مذہبی فرقوں کے عروج و زوال کی تاریخ اور مختلف فرق اور ملل و نحل کی کتابوں کے سرسری جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ خیر میں تمام علماء مجتہد نہیں تھے۔ لیکن ائمہ اجتہاد کی کافی تعداد پائی جاتی تھی اور ایسے اہل علم جو درجہ اجتہاد کو تو نہیں پہنچے۔ لیکن مسائل اور دلائل پر بقدر ضرورت ان کی نظر تھی اور ان کی تعداد بھی کافی تھی۔ احادیث کے حفظ کے ساتھ انہیں اللہ تعالےٰ نے تفقہ بھی عطا فرمایا تھا۔ عوام جو دنیوی مشاغل کی وجہ سے علمی مشغلہ نہ رکھ سکے بڑی تعداد میں موجود تھے ان میں سب بوقت ضرورت اپنے بہتر علماء کی طرف توجہ فرماتے۔

ایک عامی آدمی کے لیے یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے پہلے مجتہد کی تلاش کرے وہ بیچارا اتنا عالم ہوتا تو اسے دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوتی۔

وہ جسے عالم سمجھتے اس سے دریافت کرتے، نہ اجتہاد کا امتحان لیتے نہ مجتہد کا تعین کرتے بلکہ تقلید کی اقسام شخصی اور غیر شخصی سے وہ لوگ ناآشنا تھے۔ جسے قرآن و سنت اور درس و تدریس میں مشغول دیکھتے اس سے دریافت فرماتے۔ وینی فطرت کی بنا پر اطمینان ہو جاتا تو عمل کرتے ورنہ دوسرے عالم کی طرف رجوع کرتے نہ مجتہد کے لیے بے قرار ہوتے نہ کسی ایک عالم کی تعیین فرماتے۔ یہ بالکل فطری اور طبعی سا طریقہ تھا جس کے وہ پابند تھے اس روش کی موجودگی میں فرقہ پروری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بنا پر فرمایا:

اعلم ان الناس کانوا قبل المائۃ الرابعۃ غیر مجمعین علی التقلید الخالص لمذهب واحد بعینه اھ (حجۃ اللہ ص۱۲۲) لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی خاص شخص کی تقلید پر جمع نہیں تھے۔ اس کے بعد ابو طالب مکی کی قوت القلوب ص۳۶ ج۲ سے ذکر فرمایا کہ شخصی تقلید اور فقہیات کے مجموعے سب محدث ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دوسری صدی کے بعد کسی قدر تخریج مسایل کا رواج ہوا چوتھی صدی تک بھی لوگ ایک امام کی تقلید کے پابند نہ تھے۔ اجماعی مسایل میں وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی پابندی فرماتے۔ نماز، روزہ، وضو وغیرہ کے تمام مسایل اپنے شہر کے علماء سے بلا تخصیص دریافت فرما لیتے۔

واذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها ای مفت وجدوا من غير تعيين مذهب وكان من خبر الخاصة انه كان اهل الحديث منهم يشتغلون بالحديث (ص۱۲۲ ج۱) اگر کوئی خاص واقعہ ہو جاتا تو بلا تعیین کسی مفتی سے دریافت فرما لیتے اور خواص کا یہ حال تھا کہ اہل حدیث، حدیث میں مشغول ہوتے۔ احادیث اور آثار صحابہ سے انہیں اتنا ذخیرہ میسر آ جاتا جس سے انہیں کسی اور چیز کی ضرورت نہ رہتی نہ ہی وہ اقوال رجال کی طرف رجوع فرماتے۔ اھ

دوسری صدی تک ائمہ حدیث کا اثر غالب تھا۔ عوام اسی مسلک کے پابند تھے تیسری اور چوتھی صدی میں اس کے ساتھ تقلید کی آمیزش ہونے لگی۔ یہ تقلید از قسم جمود نہ تھی اس کا انداز تلمذ اور درس و تدریس کے انتسابات سے زیادہ نہ تھا۔ عقیدت تھی مکمل عصبیت نہ تھی۔ علم کم ہو رہا تھا۔ سنت کے حفظ و ضبط سے

عوام گھبراتے تھے اور مشہور آیمہ کی آراء اور اجتہادات پر عمل روز بروز بڑھ رہا تھا۔ چوتھی صدی کے اواخر میں تقلید کی رسم عام ہوگئی۔ جمود اور عصبیت کے آثار پیدا ہوگئے۔ ابن حزمؒ، ابن قیمؒ، ابو طالب مکی صاحب قوت القلوب، ابو شامہ مولف المومل اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات بھی قریباً اسی طرح ہیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا۔

امام ابوجعفر الطحاوی ۳۲۱ھ کی مختصر اور معانی الآثار ملاحظہ فرمائیں۔ امام ابن تیمیہ کو ان کی روش پر اعتراض ہے۔ کہ وہ حنفیت کی نامناسب حمایت فرماتے ہیں۔ ایمہ حدیث کی نظر میں وہ متعصب شمار ہوتے ہیں بیہقی نے سنن کبریٰ، معلوم ہوتا ہے انہی کے جواب میں لکھی۔ لیکن آپ ان دونوں کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امام طحاوی کی روش آج کے دیوبند سے بالکل مختلف ہے۔ وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف فرماتے ہیں۔ کبھی صاحبین کا قول اختیار فرماتے ہیں کبھی ان سے کسی ایک کے ساتھ اتفاق فرماتے ہیں بعض مقامات پر امام شافعی کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ چنانچہ امام صاحب۔ اور صاحبین ضب کو حرام سمجھتے ہیں۔ امام طحاوی، فرماتے ہیں

ونحن لانری باکلہ باساً (مختصر الطحاوی ص۲۸۴) ہم گوہ کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اھ

امام طحاوی اونٹ کے پیشاب اور گھوڑے کو حلال سمجھتے ہیں ص۲۴۲ مختصر الطحاوی۔ یہ چوتھی صدی کے اس امام کا عمل ہے جسے متعصب سمجھا جاتا تھا۔ آج کے حضرات دیوبند غور فرمائیں کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔

غرض پانچویں اور چھٹی صدی میں عصبیت اور جمود کے بادل اور بھی گہرے ہوگئے۔ اور محققین کی شدید قلت محسوس ہونے لگی۔ نمایشی القاب اور فقہی موشگافیاں مدار علم قرار پائیں۔ اور قریباً آٹھویں صدی تک یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ بحوالہ سخاوی اور شیخ الاسلام کے لفظ کے استعمال کے متعلق فرماتے ہیں۔

ثم اشتھر بھا جماعۃ من علماء السلف حتی ابتذلت علی راس المائۃ الثامنۃ فوصف بھا من لا یحصی وصار لقبا لمن ولی القضاء الاکبر ولو عری عن العلم والسن فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایمہ سلف کے بعد شیخ الاسلام کا لقب آٹھویں صدی ہجری میں ذلیل ہوگیا اور بے شمار نوجوان لوگوں پر بولا

جانے لگا جو علم سے بالکل خالی تھے۔ اھ

یہ امام سخاوی کی رائے تھی۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں۔ ثم صارت الان لقباً لمن تولی منصب الفتوی وان عری عن لباس العلم والتقوی اھ (الفوائد البہیہ صـ۱۰۱) اب یہ ان لوگوں کا لقب بن گیا جنہیں اتفاقاً فتویٰ نویسی کا موقع مل گیا۔ گو وہ علم و تقویٰ سے کلی طور پر خالی ہوں۔

غرض آٹھویں صدی تک جمود کا مرض چھا گیا اہل حق ضرور موجود تھے لیکن اُن کی آواز کو غیر موقع کر دیا گیا۔ ان کی کاوشیں تہہ خانوں کی نذر ہو گئیں۔ اگر کہیں موقع ملا تو بعض کتابیں نذر آتش کر دی گئیں۔ لوگوں کو ان کے مطالعہ سے روکا گیا اور ایسے لوگوں کو شدید سزائیں دی گئیں، قید کیا گیا، کوڑے لگائے گئے۔ آٹھویں صدی کے پس وپیش کچھ تیز اور تند آوازیں اس جمود کے خلاف اُٹھیں بعض مجددین نے ارباب جمود کے ساتھ وقت کی حکومت کو بھی جھنجوڑ کر رکھ دیا جو اپنی سیاسی مصالح کی بنا پر اُن غلط نواز حضرات کی ہاں میں ہاں ملا دیتے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم، علامہ ابن دقیق العید ان بزرگوں نے اس جامد فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا اور اصلاح کے ہمہ گیر پروگرام کی طرف متوجہ کر دیا۔ ان حضرات نے پھر سے مسلک اہل حدیث سے پردہ اٹھایا۔ ائمہ حدیث اور فقہاء محدثین کی روش سے عوام کو آگاہ کیا ان کی کتابوں میں مسلک اہل حدیث کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنہ میں فرماتے ہیں:۔

ومن اهل السنة مذهب معروف قبل ان يخلق الله ابا حنيفة ومالكا والشافعي واحمد فانه مذهب الصحابة تلقوه عن نبيهم ومن خالف ذالك كان مبتدعا عند اهل السنة والجماعة (صـ۲۵۶ جـ۲) اہل سنت کا ایک مسلک ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی پیدائش سے بھی پہلے دنیا میں موجود تھا وہ صحابہ کا مذہب تھا جو انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھا جو اس کے خلاف ہو وہ بدعتی ہے۔ اھ

افعال باری کے ذکر میں فرمایا:۔

وهذا جواب كثير من الحنفية والحنبلية والصوفية واهل الحديث صـ۱۶۹ یہی جواب ہے

اکثر احناف، حنابلہ اور صوفیہ اور اہل حدیث کا۔ اھ

چند سطر کے بعد فرمایا:۔

فان اھل الحدیث من اعظم الناس بحثا عن اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وطلبا لعلمھا و ارغب الناس فی اتباعھا (ص۱۴۹ ج ۲) اہل حدیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی سب سے زیادہ تلاش کرتے ہیں اور اس کے اتباع کے لیے ان کو بے حد رغبت ہے۔ اھ

فھم (اھل الحدیث) فی اھل الاسلام کاھل الاسلام فی الملل یومنون بکل رسول وبکل کتاب لایفرقون بین احد من رسل اللہ ولم یکونوا من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا (ص۹۹ ج نقض المنطق ص۳۳) اہل حدیث اسلامی ممالک میں ایسے ہیں جیسے اسلام تمام مذاہب میں ہر رسول اور ہر کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور قطعی تفریق نہیں کرتے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

واما اھل الحدیث والسنۃ والجماعۃ فقد اختصموا باتباع الکتاب والسنۃ الثابتۃ عن نبیھم صلی اللہ علیہ وسلم فی الاصول والفروع (ص۲۲ ج ۲) اہل حدیث اور اہل سنت والجماعت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اصول اور فروع میں کتاب وسنت کا اتباع کرتے ہیں۔

اس کے بعد مختلف گروہوں کے اختلافات کا ذکر فرما کر فرمایا:

ثم بعد ذالک اختلاف اھل الحدیث وھم اقول الطوائف اختلافا فی اصولھم (ص۲۱) اہل حدیث کا اصول وعقائد میں بہت کم اختلاف ہے۔ یہاں اہل حدیث کا تذکرہ علماء عقائد کے ضمن میں آیا ہے کہ ان لوگوں میں اختلاف بہت ہی کم ہے۔

اس موضوع کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے شیخ الاسلام نے لکھا ہے:

فلیس الضلال والبغی فی طائفۃ من طوائف الامۃ اکثر منہ فی الرافضۃ کما ان الھدی والرشاد والرحمۃ لیس فی طائفۃ من طوائف الامۃ اکثر منہ فی اھل الحدیث (ص۲۲ ج ۲) سب سے زیادہ بے راہ روی روافض میں ہے اور سب سے زیادہ نیکی اہل حدیث میں پائی جاتی ہے۔ اھ

منہاج السنہ میں سرسری نظر سے اہل حدیث کا تذکرہ جابجا ملتا ہے۔ استیعاب سے دیکھا جائے تو پوری کتاب اہل حدیث کے ذکر خیر سے بھرپور ہے۔ شیخ الاسلام نے اپنی کتاب نقض المنطق کا آغاز اس سوال سے کیا ہے پوری کتاب اس سوال کے جواب میں ہے۔

سوال

اعتقادات میں متاخرین اور سلف کے مذہب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے اور ان دو قول سے آپ اپنی نسبت کس کی طرف کرتے ہیں، اور مسلک اہل حدیث کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ وہ حق پر ہیں یا ان کے مخالف؟ فرقہ ناجیہ سے کیا مراد ہے؟ ائمہ اہل حدیث کے بعد کوئی ایسے علوم ہوئے ہیں جسے وہ نہ جانتے ہوں۔ جو لوگ منطق کو فرض کفایہ کہتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

پوری کتاب ۲۱۱ صفحات پہ پھیلی ہوئی ہے یہ اسی سوال کا جواب ہے۔ ابتداء میں شیخ الاسلام نے صفات باری میں تفویض کا ذکر فرمایا۔ تشبیہ، تجسیم اور تعطیل کی نفی فرمائی اور فرمایا اس باب میں ائمہ اربعہ اور اہل سنت کا وہی مذہب ہے جو اہل حدیث کی طرف منسوب ہے۔ اعتزال، تجہم، تعطیل، تشبیہ اور تجسیم کی راہیں بدعت کی ہیں۔ فلاسفہ اور متکلمین کے مدمقابل عقل و نقل ہیں جس جماعت نے ان بدعات کا صدیوں مقابلہ کیا وہ اہل حدیث ہی تھے۔ امام اسماعیل بن عبدالرحمٰن صابونی ۴۴۹ھ کا قول ذکر فرمایا:

ان اصحاب الحدیث المتمسکین بالکتاب والسنۃ یعرفون ربھم تبارک وتعالی بصفاتہ التی نطق بھا کتابہ وتنزیلہ وشھد لہ بھا رسولہ علی ما وردت بہ الاخبار الصحاح ونقلہ العدول الثقات ولا یعتقدون تشبیھا لصفاتہ بصفات خلقہ ولا یکیفونھا تکییف المشبہ ولا یحرفون الکلم عن مواضعہ تحریف المعتزلۃ والجھمیۃ الخ (ص۲ نقض المنطق) اہل حدیث کتاب و سنت سے تمسک کرتے ہیں۔ خدا کی وہی صفات بیان کرتے ہیں جو کتاب و سنت میں آئی ہیں یا صحیح احادیث میں ثقات سے منقول ہیں نہ اس میں تشبیہ ہے نہ کیفیت کا بیان نہ معتزلہ اور جہمیہ کی طرح تحریف اھ

○

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ " اہل حدیث اچھی باتوں میں تمام لوگوں کے

ساتھ متفق ہیں بعض چیزوں میں عام لوگوں سے ممتاز ہیں۔ ان کے مخالف معقول، منقول، قیاس، رائے، کلام، نظر و استدلال، حجت، مجادلہ، مکاشفہ، وجد و ذوق وغیرہ سے اہل حدیث کا مقابلہ کریں تو اہل حدیث ان تمام طریقوں میں ان سے بدرجہا بہتر اور اعلیٰ ہیں"۔ آخر میں فرمایا:

وھذا ھو للمسلمین بالنسبۃ الی سائر الامم ولاھل السنۃ والحدیث بالنسبۃ الی سائر الملل صہ

مسلمانوں میں یہ ذہانت اور یہ خوبیاں تمام امتوں سے زیادہ ہیں۔ اہل حدیث میں باقی تمام مذاہب سے زیادہ اھ، صدلا سے صدا تک فرمایا۔ ائمہ اربعہ اور باقی تمام فقہاء محدثین کو دنیا میں اس لیے برتری حاصل ہے کہ وہ ائمہ اہل حدیث اور سنت کے موافق تھے ـــــ اسی طرح بدعتی فرقوں کا حال ہے جہاں تک وہ اہل حدیث کے موافق ہیں ان کی تعریف کی گئی ہے اور جہاں تک وہ اہل حدیث کے مخالف ہیں علمی حلقوں میں مذمت کی گئی ہے (گویا حق و باطل کا معیار ہمیشہ اہل حدیث رہے ہیں)

شیخ الاسلام اسی لقب کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ونحن لا نعنی باھل الحدیث المقتصرین علی سماعہ اوکتابتہ اور وایتہ بل نعنی بھم کل من کان احق لحفظہ ومعرفتہ وفہمہ ظاھرا وباطنا واتباعہ باطنا وظاھرا وکذالک اھل القرآن رصلہ

نقض المنطق)

اہل حدیث اور اہل قرآن سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں جو صرف حدیث کے سماع یا روایت یا کتابت تک ہی محدود ہوں بلکہ مراد وہ لوگ ہیں جو حدیث کے حافظ، اس کے مفہوم کو ظاہری اور باطنی طور پر پوری طرح سمجھتے ہوں اور پوری طرح اس کا اتباع بھی کرتے ہوں۔ یعنی ان میں بصیرت اور تفقہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ صدلا پر لکھتے ہیں:۔

ان علامۃ الزنادقۃ تسمیتھم لاھل الحدیث حشویۃ بے دین لوگ اہل حدیث کو لفظ پرست اور حشوی کہتے ہیں۔ اھ

اس کے بعد فرمایا:۔ فقھاء الحدیث اخبر بالرسول من فقھاء غیرھم وصوفیتھم اتبع للرسول من صوفیۃ غیرھم وامراءھم بالسیاسۃ النبویۃ من غیرھم وعامتھم احق بموالات

الرسول من غیرھم ۔ صلہ نقض المنطق ۔ فقہاء اہل حدیث دوسرے فقہاء سے حدیث کو زیادہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے صوفیوں سے اہل حدیث صوفی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زیادہ اطاعت گزار ہیں۔ اہل سیاست نبوی، سیاست کو دوسرے امراء سے بہتر سمجھتے ہیں ان کے عوام دوسرے فرقوں کے عوام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اھ

ابن ابی قتیلہ نے اہل حدیث کے متعلق کہا قوم سوء۔ امام احمد ناراض ہوئے اور تین دفعہ فرمایا یہ زندیق ہے۔ ایک جگہ فرمایا علماء اہل حدیث کا مخالف منافق ہے یا جاہل صہ۸

پھر ارشاد فرمایا" انتباہ ضروری ہے کہ جو آدمی کسی طرح بھی سمجھے کہ کوئی گروہ امور غیبیہ کے حقائق کو اہل حدیث سے بہتر سمجھتا ہے۔ یا اللہ پر ایمان اور واجب الوجود اور نفس ناطقہ اور تزکیہ کو زیادہ جانتا ہے اس میں نفاق کی بو ہوگی" صہ۱۱۵

والثانی انا ذکرنا من نقل مذہب السلف من جمیع طوایف المسلمین من طوایف الفقہاء الاربعۃ ومن اھل الحدیث والتصوف واھل الکلام کالاشعری صہ۱۳۵ ہم نے سلف کے مسلک کی نقل مسلمانوں کے تمام گروہوں میں سے کی ہے فقہاء، مذاہب اربعہ، اہل حدیث، اہل تصوف اور متکلمین وغیرہ۔ اھ

پوری کتاب میں اسی انداز سے مسلک اہل حدیث کا ذکر فرمایا ہے۔ کتاب سے ظاہر ہوتا ہے یہ پرانا اور اہم مکتب فکر ہے جس کے تحقیقی کارنامے فقہ، تصوف، حدیث، اصول حدیث، اصول فقہ، کلام، تجوید غرض علوم کے تمام گوشوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

القواعد النورانیہ

شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) نے نقض المنطق میں منکلمانہ انداز سے مختلف فیہ مسائل کا ذکر فرمایا ہے۔ فقہی فروع میں ان کی کتاب القواعد النورانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں فقہی مکاتب فکر کے اختلافی مسائل اور فقہاء محدثین کے فقہیات پر محققانہ بحث فرمائی ہے۔ اس میں مسلک اہل حدیث کا تذکرہ بطور مکتب فکر بار بار فرمایا ہے۔ کتاب کے شروع ہی میں اہل کوفہ اور اہل حجاز کے

فقہی نظریات کے تذکرہ میں اہلحدیث کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ اہل مدینہ کے متعلق فرمایا وہ ہر مُسکر کو حرام سمجھتے ہیں لیکن کھانے کی چیزوں کے متعلق ان کی رائے مختلف ہے۔ وہ شکاری اور غیر شکاری سب پرندوں کو حلال سمجھتے ہیں حشرات الارض کے متعلق بھی ان کی قریباً یہی رائے ہے ایک روایت میں حلال اور ایک روایت میں وُہ انہیں مکروہ سمجھتے ہیں۔ فقہاء کوفہ کی رائے مشروبات کے متعلق اہل مدینہ سے مختلف ہے وہ خمر صرف انگور کی شراب کو سمجھتے ہیں اور باقی مسکرات کو تھوڑی مقدار میں استعمال کرنا جائز سمجھتے ہیں اور کھانے کے متعلق یہ حضرات متشدّد ہیں۔ گھوڑے اور ضب کو حرام سمجھتے ہیں۔ شیخ الاسلام اہل حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:۔

ومذھب اھل الحدیث فی ھذا الاصل العظیم الجامع وسط بین العراقیین والحجازیین ص۱ (القواعد النورانیہ) اسی نسق میں شیخ فرماتے ہیں:۔

فاخذ اھل الحدیث فی الاشربۃ بقول اھل المدینۃ وسائر اھل الامصار موافقۃ للسنۃ المستفیضۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فی التحریم ص۳

اہل حدیث نے اشربہ کے متعلق اہل مدینہ اور باقی مسلم ممالک کے عمل کو سنت مشہورہ کے موافق حرام سمجھا۔ اس کے بعد چند سطور میں اس کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد فرمایا:۔

واخذوا فی الاطعمۃ بقول اھل الکوفۃ لصحۃ السنن عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتحریم کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیور وتحریم لحوم الحمر ص۳ اور کھانے کے متعلق ائمہ اہل حدیث نے اہل کوفہ کے مذہب کو سنت کے مطابق پایا۔ اڑنے والے اور جنگلی درندوں اور اہلی گدھوں کو حرام تصوّر فرمایا اھ

ان کی نظر میں قرآن اور احادیث کی ایک ہی حیثیت ہے۔ آخر میں فرمایا اہل حدیث نے ان مسایل میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ سے کلّی اتفاق نہیں فرمایا بلکہ گھوڑے اور ضب وغیرہ کو حدیث کی بناء پر حلال فرمایا ہے اور اہل مدینہ کے ساتھ بعض اشربہ میں اختلاف کیا ہے۔ اس کے بعد شیخ نے ان مسائل میں مذہب اہل حدیث کا تفصیلی تجزیہ فرمایا ہے جسے طوالت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا گیا ہے مضمون پھیلتا جا رہا ہے اس کو مختصر

کرنے کے لیے "قواعد نورانیہ" کے صفحات لکھے جا رہے ہیں جہاں شیخ الاسلام نے اس مکتب فکر کا بطور مکتب ذکر فرمایا ہے۔ عبارات اور ترجمہ دونوں نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔

صفحات کے نمبر یہ ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۲۳

شیخ الاسلام نے کہیں اہل حدیث، کہیں فقہاء اہل حدیث کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تذکرہ دوسرے مکاتب فکر ہی کی طرح آیا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے مسلک اہل حدیث کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:۔

فهم حملة علمه ونقلة دينه وسفرته بينه وبين امته وامناءه في تبليغ الوحي منه فحري ان يكونوا اولى الناس به في حياته ووفاته وكل طائفة من الامم مرجعها اليهم في صحة حديثه وسقيمه ومعولها عليهم فيما يختلفون في امره ثم كل من اعتقد مذهبا فالى صاحب مقالة التي احدثها ينتسب والى رايه يستند الا اصحاب الحديث فان صاحب مقالتهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فهم اليه ينتسبون والى علمه يفزعون وبرايه يقتدون وبذلك يفتخرون الخ (صون المنطق والكلام ص ۱۱۰)

اہل حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے حامل ان کے دین کے ناقل ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے درمیان سفیر ہیں اور ان کی وحی کی تبلیغ میں اُن کے امین ہیں۔ وہ موت اور زندگی میں آپ کے قریب ہیں۔ تمام گروہ حدیث کی صحت اور سقم میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور اپنے اختلاف میں اُن کی رائے پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہر صاحب مذہب اپنی نسبت اپنے امام کی طرف کرتا ہے اور اس کے مقالات کو اپناتا ہے۔ لیکن اہل حدیث اپنا تعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بتاتے ہیں اور آپ ہی کے مقالات سے استناد کرتے ہیں۔ انہی سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے دل کی بے قراریاں آپ ہی کے لیے ہیں۔ آپ ہی کی اقتدار کرتے ہیں۔ آپ ہی کی ذات گرامی پر فخر کرتے ہیں۔ ان کی نسبت قرآن کی طرف ہے کیونکہ وہ احسن الحدیث ہے اور حدیث کی طرف بھی اس لیے کہ وہ اُس کے حافظ اور حامل ہیں آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

فهی الطائفۃ المنصورۃ والفرقۃ الناجیۃ والعصبۃ الھادیۃ والجماعۃ العادلۃ المتمسکۃ بالسنۃ التی لا تزید برسول اللہ بدیلا ولا قولہ تبدیلا ولا عن سنۃ تحویلا ص۱۱ طائفہ منصورہ، فرقہ ناجیہ، اہلحدیث کا گروہ، عادل جماعت جس نے سنت سے تمسک کیا کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدل نہیں سمجھتے نہ آپ کے قول اور سنت میں کوئی تبدیلی کرتے ہیں۔ اھ

سیوطی نے حافظ منۃ اللہ بن حسن ابو القاسم لا مکانی کی کتاب اصول السنۃ سے یہ تلخیص فرمائی ہے الانتصار لاھل الحدیث سمعانی ۴۸۹ھ کے حوالے سے نقل فرمایا:-

قد لھج بذمہ اصحاب الحدیث صنفان اھل الکلام واھل الرای فھم فی وقت یقصد ونھم بالثلب والعیب وینسبونھم الی الجھل وقلۃ العلم صون المنطق ص۱۴۷ متکلمین اور اہل الرائے کی زبانیں اہلحدیث کے خلاف چلتی رہتی ہیں وہ انہیں کم علم اور جاہل کہتے ہیں اور ان کی عیب جوئی کرتے رہتے ہیں۔ اھ

خبر واحد کے متعلق فرمایا کہ اس سے علم حاصل ہوتا ہے ھذا قول عامۃ اھل الحدیث والمتقنین من القائمین علی السنۃ وانما ھذا القول الذی یذکور ان خبر الواحد لا یفید العلم بحال ولا بد من نقلہ بطریق التواتر لوقوع العلم شئ اخترعتہ القدریۃ والمعتزلۃ وکان قصد ھم منہ رد الاخبار وتلقفتہ بعض الفقہاء الذین لم یکن لھم فی العلم قدم ثابت ص۱۶۵ صون المنطق خبر واحد کی حجیت اور مفید علم ہونا اہل حدیث اور ارباب سنت کا قول ہے اور خبر واحد کا غیر مفید ہونا اور خبر کے مفید علم ہونے کے لیے تواتر کی شرط، یہ معتزلہ اور قدریہ کا اختراع ہے جس سے ان کا مقصد احادیث کے رد کے سوا کچھ نہیں بعض کم علم فقہاء نے ان سے یہ مسئلہ سیکھ لیا۔ اھ

یہ کتاب کئی کتابوں کی تلخیص ہے۔ اس میں سیوطی نے بڑی کثرت سے اہل حدیث مکتب فکر کا ذکر فرمایا ہے صفحہ ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۱ یہ کتاب حافظ سیوطی نے منطق اور کلام کی اغلاط کے متعلق لکھی ہے ایمہ سنت کی کئی کتابوں کی تلخیص فرمائی اور جابجا مسلک اہل حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء حنفیہ سے اصول فقہ میں جہاں جہاں لغزش ہوئی ہے۔ وہ دراصل معتزلہ کا اثر ہے کیونکہ فقہاء عراق ابتداء میں معتزلہ سے متاثر ہوگئے تھے۔ ان حضرات ہی نے بعض کتابیں اصول فقہ پر لکھیں جن میں جابجا

اعتزال کا اثر پایا جاتا ہے الجواھر المضیہ اور الفوائد البہیہ میں ایسے بہت سے احناف کا ذکر فرمایا ہے جو اعتزال سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ متاخرین علماء اصول زیادہ تر انہی حضرات پر اعتماد فرماتے ہیں۔ آجکل کی درسیات اصول فقہ میں اعتزال ہی کا اثر ہے بچارے ملا جیون اور علامہ نظام الدین شاشی معتزلہ ہی کے خوشہ چین ہیں۔

حافظ ابن قتیبہ دینوری ۲۷۶ھ نے مسلک اہل حدیث کی حمایت میں مستقل کتاب لکھی ہے تاویل مختلف الحدیث فی الرد علی اعداء اھل الحدیث۔ اس میں حدیث اور اہل حدیث دونوں کا دفاع فرمایا ہے صد۸

ذکر اصحاب الحدیث قال ابو محمد فاما اصحاب الحدیث فانھم التمسوا الحق من وجھتہ و تتبعوہ من مظانہ وتقربوا من اللہ تعالی باتباعھم سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وطلبھم لآثارہ واخبارہ برا وبحرا شرقا وغربا (الی ان قال) وعرفوا من خالفھا من الفقھاء الی الرای فنبھوا علی ذالك حتی نجم بعد ان کان عافیا وبسق بعد ان کان دارسا واجتمع ان کان متفرقا وانقاد للسنن من کان عنھا معرضا وتنبہ علیھا من کان عنھا غافلا وحکم بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ان کان یحکم بقول فلان وفلان وان کان فیہ خلاف علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اھ اہل حدیث نے حق کی تلاش اس کے اصل مقام سے کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور سنن سے اللہ کا قرب تلاش کیا۔ اور احادیث کی تلاش میں خشکی اور سمندر مشرق اور مغرب کے سفر کیے۔ ایک ایک حدیث کی تلاش میں طویل سفر کیے تاکہ اصل راویوں سے حدیث سن سکیں اور بحث و تنقید سے صحیح، ضعیف اور منسوخ کا پتہ چلایا اور فقہاء اور اہل الرائے کی مخالفت پر بھی متنبہ کیا۔ یہاں تک کہ حق ظاہر ہو گیا۔ متفرق احادیث جمع ہو گئیں اور جو لوگ فلاں فلاں کی اطاعت کرتے تھے وہ حق کی اطاعت کرنے لگے۔ اھ

ایک مقام میں فرمایا کہ لوگوں نے اہل حدیث کے مختلف نام رکھے لیکن نام کے بے محل استعمال سے صحیح نہیں ہو سکے صیقل کرنے والا موچی نہیں کہلا سکتا نہ ہی بڑھئی کو لوہار کہا جا سکتا ہے یعنی اہل حدیث کو

حشوی یا ظاہری کہا جائے تو وہ حشوی یا ظاہری نہیں ہو گا۔ نام کی کچھ حقیقت ہوتی ہے جس پر وہ بولا جاتا ہے :

علامہ ابوبکر محمد بن حسن بن فورک (۴۰۶ھ) نے مشکل الحدیث میں ملحدین کے تذکرہ میں تعارف کے طور پر فرمایا :-

وخصوا بتقبیح ذالك الطائفة التی ھی الظاھرة بالحق لسانا وبیانا وقھرا وعلوا وامکانا الطاھرة عقائدھا من شوائب الاباطیل وشوائن البدع والاھواء الفاسدة وھی المعروفة بانھا اصحاب الحدیث (ص۳) ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس گروہ کی تنقیص کرتے ہیں جن کی زبان بیان پر ظاہراً باطناً حق غالب ہے۔ ان کے عقائد بدعات اور اباطیل سے پاک ہیں وہ اصحاب الحدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اھ۔

اس کے بعد ان کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک جن کا مشغلہ اسانید اور ان کے متون کا ضبط ہے۔ اور دوسرے وہ جو ابواب علل اور قیاس و نظر سے احادیث میں بحث کرتے ہیں۔ اھ۔

اسی طرح ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی (۵۴۸ھ) نے ملل والنحل میں اسی مکتب فکر کا ذکر فرمایا۔

حافظ ابن حزم اندلسی الظاہری (۴۵۶ھ) گو ظاہری ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو اہل حدیث شمار فرماتے ہیں تقلید و جمود پر سختی سے تنقید فرماتے ہیں۔ اپنے وقت کے مالکی علماء و صحابہ کے فروعی اختلافات کے متعلق فرمایا

فاما اجتمعوا علیه فنحن الذین اتبعوا اجماعھم ولله الحمد کثیرا وانما خالف اجماعھم من دعی الی التقلید انسان بعینه کما فعل ھولاء فی تقلید ھم مالکا دون غیرہ ولم یکن قط فی الصحابة ولا فی التابعین ولا فی القرن الثالث واحد مما فوقه فعل ھذا الفعل ولا اباحه لفاعل اھ التعنیف ص۸۹

اگر صحابہ کا کسی مسئلہ پہ اجماع ہو تو ہم الحمد للہ اسے قبول کرتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے تقلید شخصی کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے جس طرح مالکیوں نے صرف امام مالک کی تقلید کی۔ صحابہ، تابعین اور تیسری صدی تک کوئی آدمی نہیں جس نے یہ فعل کیا ہو یا اس کو جائز کہا ہو۔ اجماع کے مخالف در اصل وہی لوگ ہیں جو تقلید شخصی کی دعوت دیتے ہیں۔ حافظ ابن حزم کی الاحکام، محلّی، الفصل وغیرہ اسی مواد سے بھری پڑی ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کے تجدیدی کارناموں سے ساتویں اور آٹھویں صدی دونوں متاثر تھیں۔ شیخ کی آواز مدارس اور ایوان حکومت میں یکساں گونجتی تھی۔ شیخ کی تنقید سے حکومت کے دربار لرزتے تھے۔ صوفیوں کی خانقاہیں شیخ کے اصلاحی پروگراموں کے سامنے جھکتی تھیں۔ بغرض شیخ کے اصلاحی کارنامے زندگی کے ان تمام گوشوں پر اثر انداز تھے جن کا دین سے کچھ بھی تعلق تھا۔

شیخ کا حلقۂ درس بھی کافی وسیع تھا۔ دعوت و تبلیغ کی مساعی بھی ہمہ گیر تھیں۔ شیخ کے تلامذہ اور رفقاء کا حلقہ بھی اسی طرح وسیع تھا۔ حافظ ابن القیم الجوزی، حافظ جلال الدین المزی، حافظ ذہبی، حافظ عماد الدین ابن کثیر، محمد بن احمد عبدالہادی مقدسی وغیرہ کبار ائمہ، امام کے علوم سے مستفیض تھے۔ یقیناً شیخ الاسلام کا اثر شیخ کے بعد برسوں قائم رہا ہو گا۔

شیخ کے تلامذہ سے ابن القیم، ان کے تلامذہ سے شیخ محمد بن یعقوب فیروزآبادی (۸۱۷ھ) صاحب قاموس ان کے تلامذہ سے حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) احمد بن علی المقریزی (۸۴۵ھ) المورخ ایسے ائمہ کو ان سے استفادہ کا موقع ملا۔ پھر حافظ ابن حجر کے تلامذہ میں یہ اثر قائم رہا اور تحقیق کی یہ شمع جلتی رہی۔ اور جمود کا اثر غالب نہ ہو سکا۔ گو دونوں نظریات میں تصادم کے آثار ملتے ہیں۔ حافظ سیوطی (۹۱۱ھ)، شیخ علی المتقی (۹۷۵ھ) شیخ عبدالوہاب المتقی، شیخ محمد طاہر پٹنوی صاحب مجمع البحار اور حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد المجدد السرہندی (۱۰۳۴ھ) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۹۵ھ)، فاخر الہ آبادی (۱۱۶۴ھ)، حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ) شاہ عبدالعزیز (۱۲۳۹ھ) شاہ اسماعیل (۱۲۴۶ھ) شہید رحمۃ اللہ علیہم ماحول کی وجہ سے حنفیت کی طرف معمولی رجحان کے باوجود

ان میں سے کوئی بھی تقلید اور جمود کا داعی نہیں بلکہ ہندوستان اور پاکستان میں تقلید و جمود کے خلاف جو جذبہ اس وقت کارفرما ہے۔ اس کے موسس و بانی درحقیقت یہی مقدس حضرات ہیں رحمۃ اللہ علیہم۔ ان تمام اعلام کے ارشادات کے تذکرہ سے مضمون اور بھی واضح ہوگا۔ ان بزرگوں کے کارنامے اور علمی نوشتے اہل علم کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ، الانصاف، عقد الجید، الخیر الکثیر، تفہیمات اول و ثانی، المقالۃ الوضیہ اور الانتباہ وغیرہ میں اس موضوع پر اتنا لکھا ہے کہ اس سے زیادہ لکھنا مشکل ہے ۔ حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۴ج ۱ عز بن عبد السلام سے نقل فرمایا :-

ومن العجب العجیب ان الفقھاء المقلدین یقف احدھم علی ضعف ماخذ امامہ بحیث لا یجد لضعفہ مدفعا وھو مع ذالک یقلدہ فیہ ویترک من شھد الکتاب والسنۃ والاقیسۃ الصحیحۃ لمذھبھم جمودا علی تقلید امامہ بل یحیل لدفع ظاھر الکتاب والسنۃ ویتاولھا بالتاویلات البعیدۃ الباطلۃ نضالا عن مقلدہ وقال لم یزل الناس یسئلون من اتفق من العلماء من غیر تقیید لمذھب ولا انکار علی احد من السائلین الی ان ظھرت ھذہ المذاھب ومتعصبوھا من المقلدین۔ تعجب ہے کہ فقہاء مقلدین کو اپنے امام کے ماخذ کا ضعف بھی معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی مدافعت بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود اس کی تقلید کرتا ہے۔ اور ظاہر کتاب و سنت اور قیاس صحیح کو ترک کر دیتا ہے۔ اور کتاب و سنت کو ٹالنے کے لیے بہانے بناتا ہے کہ اپنے امام کو بچا سکے۔ لوگ ہمیشہ حسب اتفاق علماء سے دریافت کرتے رہے یہاں تک کہ مروجہ مذاہب اور متعصب لوگ پیدا ہو گئے جو امام کو پیغمبر کی طرح سمجھتے ہیں۔ اھ

ایک اور مقام پر فرمایا۔ یہ لوگ دوسرے مسلک کے مفتی سے فتویٰ پوچھنا جائز نہیں سمجھتے اور نہ ہی اقتدار کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ صحابہ، تابعین اور قرون اولیٰ کے اجماع کے خلاف ہے ص۱۲۴ج ا حجۃ اللہ۔

حجۃ اللہ ص ۱۲۲ ج ا میں فرمایا :

وکان صاحب الحدیث ایضا قد ینسب الی ھذہ المذاھب لکثرۃ موافقتہ لہ کالنسائی و البیھقی ینسبان الی الشافعی اھ طبقات کی کتابوں میں یعنی بعض اہل حدیث علماء کو مروجہ مذاہب کی

طرف نسبت کرایا جاتا ہے اس لیے کہ اس کی تحقیق ان سے موافق ہو جاتی ہے جیسے نسائی اور بیہقی، لوگ انہیں شافعی کہتے ہیں حالانکہ وہ اہل حدیث ہیں۔ اھ

شاہ صاحب نے تفہیمات میں فرمایا۔ فقہ حنفی و شافعی کو ملا کر کتاب و سنت پر عرض کرنا چاہیے۔ جو موافق ہو اس پر عمل کیا جائے۔ ورنہ مختلف فیہ مسائل کو روایات کے طور پر قبول کر لیا جائے۔ شاہ صاحب عملی فروع میں بھی عموماً شوافع کی طرف جھکتے ہیں۔ آمین بالجہر، رفع الیدین، زیارت قبور، قرأت فاتحہ وغیرہ میں شافع مذہب کو راجح سمجھتے ہیں۔ خیر کثیر میں تو امام شافعیؒ کی عجیب انداز سے تعریف فرمائی ہے۔

اما المتعمقون فی الرای فلیسوا من اھل السنۃ فی شیٔ وا ماھذہ المذاھب الاربعۃ فاقربھا الی السنۃ مذھب الشافعی المنقح والمصفی وکان نظرہ تصل الی حقیقۃ العلل والاسباب۔ اھ خیر کثیر ص ۱۲۴) رائے اور قیاس میں غالی قسم کے لوگ یہ قطعاً اہل سنت نہیں ہیں۔ اور مذاہب اربعہ سے امام شافعی کا مسلک سنت سے زیادہ قریب ہے۔ ان کی نظر اسباب و علل پر زیادہ گہری ہے۔ اھ

تفہیمات ج ۲ ص ۴۰ پہلے عقائد کا ذکر فرمایا اور تاکید فرمائی ہے: تاویل سے بچ کر مسلک سلف کا اتباع کیا جائے فروع کے متعلق فرمایا۔

و در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و در تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن و آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائ بدبریش خاوند دادن امت وا ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست و سخن متقشفۂ فقہاء کہ تقلید عالمے را دست آویزہ ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند شنیدن و بدیشاں التفات نہ کردن و قربت خدا جستن بدوری ایناں اھ

” فروع میں فقہاء محدثین کی پیروی کرنا، فقہی جزئیات کو کتاب و سنت پر پیش کرنا، موافق کو قبول کرنا، مخالف پھینک دینا، امت کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اجتہادیات کو کتاب و سنت پر پیش کریں اور خشک فقیہ جن کے لیے تقلید سے بڑی کوئی دستاویز نہیں۔ کتاب و سنت کے تتبع کو ترک کیا ہوا ہے ان سے دوری میں خدا کی رضامندی ہے۔“ اھ

جامد تقلید کے متعلق شاہ صاحب کے جذبات قابل ملاحظہ ہیں :۔

وترى العامة سيما اليوم فى كل قطر يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين يرون خروج الانسان من مذهب من قلده ولو فى مسئلة كالخروج من الملة كانه نبى بعث اليه و افترضت طاعة عليه وكان اوائل الامة قبل المأة الرابعة غير متقيدين بمذهب واحد (ص۱۵۱ ج ۱) ہر علاقہ کے عوام مروجہ مذاہب سے ایک کی تقلید کرتے ہیں۔ اسے ترک کرنا ارتداد کے برابر سمجھتے ہیں گویا امام ان کا نبی ہے اس کی اطاعت ان پر فرض ہے چوتھی صدی سے پہلے یہ کیفیت نہ تھی۔ اھ

آج احباب دیوبند غور فرمائیں آپ جس انداز سے تقلید کی دعوت دیتے ہیں ترک تقلید کی مخالفت کرنے میں یہ وہی انداز تو نہیں جس کی شاہ صاحب نے شکایت فرمائی ہے۔

اسی طرح ص۲۱۵ ج ۱ میں ایسے محققین کا ذکر فرمایا ہے جو تقلید نہیں کرتے تھے جیسے ابن عربی، ابو محمد جوینی۔ تفہیمات ص۲۰۷ ج ۲ ص۲۱۵ ج ۱ میں فرمایا۔

ان امنتم بنبيكم فاتبعوه خالف مذهبا او وافقه۔ اھ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے تو ان کی اطاعت کرو مذہب کے خلاف ہو یا موافق۔

تفہیمات اس قسم کی دعوت سے بھرپور ہے :

تفقہ اور ظاہریت

شاہ صاحب کے نزدیک حق تفقہ اور ظاہریت کے بین بین ہے تفہیمات ص۲۰۹ ج ۱

ومنهم اني اقول لهولاء المسلمين بالفقهاء الجامدين على التقليد يبلغهم الحديث من احاديث النبى صلى الله عليه وسلم باسناد صحيح وقد ذهب اليه جمع عظيم من الفقهاء المتقدمين ولا يمنعهم الا التقليد لمن لم يذهب اليه ولهولاء الظاهرية المنكرين للفقهاء الذين هم طراز حملة العلم وايمة اهل الدين انهم جميعا على سفاهة وسخافة والى ضلالة وان الحق امر بين بين۔ اھ میں ان برائے نام فقہاء سے کہنا چاہتا ہوں جو تقلید جامد کی وجہ سے جن کو صحیح حدیث پہنچتی ہے اور وہ فقہاء کا معمول بھی ہے لیکن وہ اپنے علماء کی تقلید کے سبب اسے

نہیں مانتے اور یہ ظاہری حضرات جو فقہ کے انکار اور فقہاء اور ائمہ دین پر یقین نہیں رکھتے ۔ یہ سب بیوقوف اور غلط کار ہیں اور حق ان کے بین بین ہے۔

مسلک اہل حدیث بالکل یہی ہے۔ پھر صفحہ ۲۱۱ ج ۱ پر فرمایا:

واشهد لله بالله انه كفر بالله ان يعتقد فى رجل من الامة ممن يخطى ويصيب ان الله كتب على اتباعه حتما وان الواجب على هو الذى يوجبه هذا الرجل على ولكن الشريعة الحقة قد ثبت قبل هذا الرجل بزمان قد دعاها العلماء ولوا هاالرواة وحكم بها الفقهاء وانما اتفق الناس على تقليد العلماء على معنى انهم رواة الشريعة عن النبى صلى الله عليه وسلم وانهم علموا مالم نعلم وانهم اشتغلوا ما يعلم ومالم نشتغل ولذالك قلد مما العلماء فلو ان حديثا صح وشهد بصحة المحدثون وعمل به طوايف فظهر فيه الامر ثم لم يعمل به هولان متبوعه لم يقل به فهذا هو الضلال البعيد. اھ میں اللہ کے لیے اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں ایک ایسے آدمی کے متعلق جس سے خطا اور ثواب سرزد ہو سکتے ہیں یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی اطاعت فرض ہے جس چیز کو یہ واجب کہے وہ واجب ہے حالانکہ شریعت اس شخص سے پہلے موجود ہے۔ علماء نے اسے حفظ اور روایت کیا۔ فقہاء نے اس کے مطابق فیصلے کیے۔ تقلید کا مفہوم تو صرف اس قدر ہے کہ علماء شریعت کے راوی ہیں، وہ جانتے ہیں۔ عوام نہیں جانتے۔ علماء نے اسے اپنا مشغلہ قرار دیا کہ عوام ایسا نہیں کر سکتے۔ اس لیے علماء کی تقلید کی گئی۔ اب اگر ایک حدیث کی صحت ثابت ہو علماء نے اس پر عمل بھی کیا ہو اور بات واضح ہو جائے پھر اس پر عمل نہ کیا جائے کہ فلاں امام نے اس پر عمل نہیں کیا یہ سب سے بڑی گمراہی ہے اھ۔

ایک مقام پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرے دل میں ملاء اعلیٰ کی طرف سے ڈالا گیا ہے کہ حنفی اور شافعی امت مرحوم میں دو نوں مشہور مذہب ہیں۔ اور اکثر لوگ انہیں دونوں مذہب کے تبع ہیں اکثر فقہاء، محدثین، مفسرین، اور متکلم صوفی شافعی تھے اور عام بادشاہ اور یونان کے لوگ حنفی تھے۔ اور ملاء اعلیٰ کا منشاء یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب قرار دیا جائے اور احادیث پر پیش کیا جائے جو موافق

ہو اسے رکھ لیا جائے جس سے اصل نہ ملے اسے دو قول یا دو روایت قرار دے دیا جائے (ص۲۱۲ ج ۱)

شاہ صاحب کے ان ارشادات کا آج دیوبند کی دعوت جمود میں کیا ربط ہے۔ اس پر اربابِ فکر کو غور کرنا چاہیئے۔ مسلک اہل حدیث کا اجمالاً یہی تقاضہ ہے کہ جمود کو قطعاً جگہ نہ دی جائے اور نصوص پر نظر رکھی جائے۔ اسی دعوت کا ایک اور مقام پر اس طرح اعادہ فرماتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حکم صرف اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا۔ بہت لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچ جاتی ہے لیکن وہ کہتا ہے میں فلاں مذہب پر عمل کروں گا حدیث پر عمل نہیں کروں گا۔ پھر یہ خیال کرتا ہے کہ حدیث صرف ایک ماہرین ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ایسے نے ایسی حدیث پر عمل کسی وجہ سے ہی ترک کیا ہوگا منسوخ ہو یا مرجوح۔ یقیناً جان لو یہ قطعاً دین نہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے تو آپ کی اطاعت کرو کسی مذہب کے مطابق ہو یا مخالف۔ اللہ کی رضا اسی میں ہے کہ اللہ کی کتاب اور سنت پر عمل کیا جائے۔ اگر آسانی سے سمجھ میں آجائے تو بہتر ورنہ پہلے علماء کی رائے سے جو کتاب وسنت کے قریب ہو اس پر عمل کرو۔ اھ

یعنی بلا تعیین ان کے افکار کی اطاعت کی جائے (تفہیمات ص۲۱۵ ج ۱)

الفاظ کی بحث بے سود ہے۔ حقائق کی وضاحت کے بعد ظاہر ہے کہ مسلک اہل حدیث نے ہندوستان کے مذہبی جمود کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جس قدر شاہ صاحب نے فرمایا اس کا نام تقلید رکھیے یا ترکِ تقلید، حنفی کہیئے یا اہل حدیث۔ اس میں وہ جمود بہرحال نہیں جس کی دعوت آج کل بریلی اور دیوبند سے دی جا رہی ہے۔ مروجہ تقلید کے خلاف اہل حدیث نے اب تک جو کچھ کہا شاہ صاحب کے ارشادات میں وہ پورا مواد موجود ہے۔ اس کے خلاف اکابر دیوبند یا علماء بریلی نے جو فرمایا شاہ صاحب کے ارشادات کی روح اس کے خلاف ہے۔ شاہ صاحب سے عقیدت کے ساتھ جمود اور تقلید کی دعوت بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ عرصہ ہوا بعض بزرگانِ دیوبند نے انکشاف فرمایا کہ حضرت مولانا شہید کا ابتداء میں رجحان ترک تقلید کی طرف تھا۔ لیکن حضرت سید احمد صاحب کی تفہیم کے بعد یہ رجحان ختم ہو گیا اور رفع الیدین وغیرہ مسنون اعمال پر شاہ صاحب نے عمل

ترک کر دیا۔ میرے خیال میں حضرت شہید پر یہ محض بدگمانی ہے جس کے لیے ثبوت ملنا مشکل ہے۔

○

شاہ شہید کی مشہور تصانیف سے "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح" یہ مرحوم کی نامکمل اور آخری کتاب ہے جس میں مرحوم تجہیز و تکفین وغیرہ کے متعلقہ رسوم کے متعلق لکھنا چاہتے تھے بدعت کے متعلق لکھا تھا کہ شہادت کا حادثہ پیش آ گیا۔ کتاب مطبع اشرفیہ دہلی میں مع ترجمہ چھپی ہے۔ شاہ شہید کا ارشاد قابل غور ہے۔ ایضاح صفحہ ۸۸

بخلاف قسم ثانی کہ ہر کسی را تحقیق احکام قیاسیہ و اشغال صوفیہ و قوانین عربیہ ضرور نیست و ارادہ تقلید شخصے معین از مجتہدین و مشائخ و ارکان دین نہ بلکہ ہمیں قدر کافی است کہ وقتے کہ حاجتے پیش از کسے از ایشاں استفسار کردہ شود نہ آنکہ ارادہ و تقلید اہم مثل ایمان بالانبیاء از ارکان دین شمردہ شود و لقب حنفی و قادری بمشابہ لقب مسلمان و سنی اظہار کردہ شود الخ

ہر آدمی کے لیے قیاسی احکام، صوفیوں کے مشاغل اور عربی قواعد کا جاننا ضروری نہیں۔ ایسے اجتہاد اور مشائخ سے معین آدمی کی تقلید بھی ضروری نہیں صرف اس قدر کافی ہے کہ ضرورت کے وقت علماء اور صوفیاء میں کسی سے دریافت کر لیا جائے۔ تقلید کو انبیاء پر ایمان کی طرح نہ سمجھ لیا جائے حنفی قادری کا مسلمان سنی کی طرح واجب نہ تصور کیا جائے۔ اھ

صفحہ ۹۰ میں فرمایا:-

"عنوان و شعار خود محمدیہ خالصہ و نسبت قدیم باید داشت نہ تمذہب بمذہب خاص و انسلاک در طریقہ مخصوصہ"۔ اپنا عنوان نشان خالص محمدی رکھنا چاہیئے کسی خاص مذہب اور طریقہ میں منسلک نہیں ہونا چاہیئے۔

شاہ صاحب نہ تو فروع فقہیہ میں کسی خاص امام یا کسی فرقہ کا تعین پسند فرماتے ہیں نہ تصوف کے متعارف سلاسل میں کسی خاص سلسلہ سے انسلاک ان کی نظر میں مناسب۔ محمدیت خالصہ اول

کے پیش نظر یا بالکل شاہ ولی اللہ صاحب کی دعوت ہے جسے ان کے ابناء' احفاد نے رواج دیا بلکہ اپنی زندگیاں اس کے لیے وقف فرمائیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ، ان کے تلامذہ اور ان کا خاندان ان الفاظ سے بالارادہ کروہ فقہی جمود اور تصوف میں جمود کو توڑنا چاہتے تھے۔ اور وہ اس مہم کو کسی تنفر کے بغیر ذہنوں میں نقش کرنا چاہتے تھے۔ ۱۲۴۶ھ جبکہ بالاکوٹ میں ان کی شہادت کا دل فگار واقعہ پیش آیا ترک تقلید بالقصد سے وابستگی میں تصادم نہیں۔ موحدین کے اس شک میں اختلاف خیال تو ہوگا مگر اسے کبھی ابھرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ سانحہ شہادت کے چند ماہ بعد جماعت مجاہدین کے پورے نظم کی ذمہ داری صادق پوری حضرات نے اپنے سر پر لے لی۔ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی وغیرہم نے جہاد اور تبلیغ کے دونوں نظام بڑی کامیابی سے چلائے۔ یہ حضرات شاہ شہیدؒ سے زیادہ متاثر تھے۔ اس لیے یہ اتباع سنت کے ساتھ تقلید اور جمود کی حوصلہ افزائی نہیں ہونے دیتے تھے اس لیے ۱۲۴۶ھ کا تقلید پسند طبقہ پچھلی صفوں میں چلا گیا۔ یہ حضرات فقہیات پر تنقید فرماتے لیکن فقہاء پر تنقید نہ کرتے۔ ائمہ اربعہ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کے اجتہادات کے لیے صحیح محل تلاش فرماتے تھے لیکن حنفی نقطہ نظر سے نہیں گھبراتے تھے مگر تقلید اور جمود کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ سید شہیدؒ کے بعد مولانا ولایت علی ۱۲۶۹ھ میں جماعت کے امیر قرار پائے۔ ان کی کتاب عمل بالحدیث اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ مولانا نے فرمایا۔

"باید دانست کہ انسان اگر عامی باشد و بسبب مشاغل دیگر از نوشت و خواند و در افکار بر دریافت از علماء نماید بجائے آن مناسب این است کہ از علمائے محدثین دیندار کہ در دیانت و خوف خدا دانست قرآن و حدیث مشہور شدہ باشند سوال نمائند بایں طور کہ مارا درین مسئلہ طور محمدی تعلیم نمایند و اگر مرد طالب علم است و شوق تعلیم در دل دارد مناسب این است۔ اول قرآن و حدیث بخواند بعد از ان بکتب دیگر نظر ہمت گمارد تا آئینہ دار ظاہر شود کہ رائے کدام بزرگوار در کدام جا صواب یافتہ و کجا روئے خطا دیدہ پس ہر مسئلہ کہ مصرح بقرآن و حدیث یا بد در آں تقلید ہیچ مجتہد نہ کنند کہ در مصرحات اجتہاد را دخلے نیست صد ۱۶"

اگر عامی آدمی شغل کی وجہ سے علم نہ حاصل کر سکے تو اسے علماء اہل حدیث کی طرف جن کے علم و دیانت کی شہرت ہو رجوع کرے کہ مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف راہنمائی کی جائے۔ اگر آدمی علم کا شوقین ہو تو اسے سب سے پہلے قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ظواہر نصوص میں کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں اور یہ بالکل وہی انداز ہے جس کا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ رح شاہ عبدالعزیز رح ان کے رفقاء اور تلامذہ کرتے رہے۔ اس نے تیرھویں صدی ہجری میں سکھوں اور انگریزوں کے اتحاد اور کم فہم علمائے ہند کی مخالفت کی وجہ سے سیاسی اسباب و دواعی کے ماتحت تحریک جہاد اور ہندوستان کی آزادی کے لیے ابتدائی کوشش کی صورت اختیار کی۔ شاہ عبدالعزیز رح کی نگرانی میں سید احمد کی قیادت اور شاہ اسمٰعیل شہید رح مولانا عبدالحی بڈھانوی وغیرہ کی رہنمائی میں جہاد کا پروگرام بنانا پڑا۔ کلکتہ کے اطراف میں انگریزوں اور پنجاب میں سکھوں کے اثر کی وجہ سے ان لوگوں نے اپنی حریت پسند مساعی کے لیے صوبہ سرحد کا انتخاب کیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہاں کی مسلمان اکثریت ان کے ساتھ پورا تعاون کرے گی۔

تحریک حریت کے مقاصد

ان کے سامنے اس وقت دو مقصد تھے پورے ہندوستان کی انگریزوں اور سکھوں سے آزادی اور اس ملک میں ایک ایسی حکومت کی تاسیس جس کی بنیاد قرآن اور سنت پر ہو۔ اس ضمن میں وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مغل دربار کی لاعلمی کی وجہ سے جو بدعات اور مشرکانہ رسوم اور تشیع کے مہلک اثرات جو اس ملک کی گھریلو زندگی کا جزو بن چکے ہیں انہیں زائل کیا جائے اور سلفی انداز کی سادہ حکومت اس ملک میں قائم کی جائے۔ اس کے لیے ان کے سامنے دو پروگرام تھے وعظ و تبلیغ، درس و تدریس اور نشر و اشاعت کے ذریعے کتاب و سنت کی اشاعت اور جہاد کے ذریعے انگریزوں اور سکھوں کے ظلم سے نجات۔ جہاد کی تحریک زیر زمین چلتی رہی۔ اس کا خاتمہ قریباً ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے بعد ہوا جبکہ پاکستان کے نام سے ایک اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ اس کی تفصیل ایک مستقل موضوع ہے جو مستقل وقت اور فرصت کا محتاج ہے۔ تبلیغ وعظ کی نشر و اشاعت کیلیے

نواب صدیق حسن خاں اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی کی مساعی اپنے وقت میں غیر مترقبہ نعمت تھیں۔ اس ضمن میں بھوپال۔ بنارس۔ کلکتہ۔ دہلی۔ لاہور۔ پشاور۔ راولپنڈی وغیرہ شہروں سے بے شمار لٹریچر شائع ہوا۔ حدیث۔ شروح حدیث و تراجم حدیث کے انبار لگا دیئے گئے۔ فقہ الحدیث کے ذخائر سے اہل علم کی الماریاں بھرپور ہوگئیں۔ ان تمام مساعی میں شاہ ولی اللہ اور ان کے حکیمانہ تجدیدی کارنامے جلوہ افروز تھے۔ اس وقت کسی تنفر کے بغیر جمود کو توڑنے اور علم و تحقیق کے چراغ روشن کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ حضرت شیخ الکل و شیخ الاسلام مولانا سید نذیر حسین صاحب اور ان کے تلامذہ کی قریباً یہی حکیمانہ روش رہی کہ کسی ہنگامہ آرائی کے بغیر حق کی آواز کو دلوں میں جگہ دلائی جائے۔

یمن کی راہ

تقلید و جمود کے خلاف ایک آواز یمن سے بھی آئی۔ امام شوکانی کے تلامذہ اور ان کی تصانیف میں جمود کے خلاف لہجہ کسی قدر تیز اور جارحانہ تھا۔ مولانا ولایت علی بھی شوکانی کے شاگرد تھے لیکن ان پر ولی اللہی انداز غالب تھا۔ اس کے ساتھ جمود پسند علماء کی جارحیت نے تحریک میں شدت پیدا کر دی۔ جارحانہ رسائل کا باہم تبادلہ ہوا۔ دروس، مواعظ، مدارس، مجالس میں چند سال خاصی گرمی آگئی انگریزی عدالت تک مقدمات پہنچے۔

شاہ صاحب تقلید جمود کی مخالفت کے باوجود حنفی شافعی قسم کے القاب سے پرہیز نہیں کرتے، بلکہ اسے بسا اوقات پسند کرتے ہیں۔ شاہ صاحب اور ان کے اتباع ایک حد تک حنفی شافعی کہلانا کچھ عیب نہیں سمجھتے بشرطیکہ تقلید اور جمود کے زیر اثر کتاب و سنت اور فقہ الحدیث کو نظر انداز نہ کیا جائے شاہ صاحب کی اسی واضح حکیمانہ دعوت کے بعد آج کے حضرات دہلی اور دیوبند کے لیے دو ہی راہیں ہو سکتی ہیں یا جمود کو رخصت کریں اور تقلید کی طرف دعوت سے کلیتہً پرہیز کریں یا پھر شاہ صاحب سے عقیدت کو ختم کریں۔ ان دونوں چیزوں کا معاً چلنا "منکر مے بودن و ہمرنگ مستاں زیستن" کے مترادف ہوگا شاہ صاحب کی مصلحت آمیز حقیقت سے کوئی غلط فہمی نہیں رہنی چاہیئے۔

❁

للہ الحمد

نصف صدی کے بعد شیخ الکل حضرت مولانا ناشر الوحیین سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بلند پایہ علمی و تحقیقی عمل بالحدیث کے موضوع پر کتاب

معیار الحق

چھپ گئی ہے جس کی تعریف امام الہند مولانا **ابوالکلام** آزاد نے ان الفاظ میں کی ہے
"میں نے معیار الحق دیکھی۔ اس کی سنجیدہ اور وزنی بحث کا مجھ پر بہت اثر پڑا"

جس کا پیش لفظ

حضرت الامیر مرکزیہ فاضل جلیل عالم نبیل حضرت مولانا **محمد اسماعیل** صاحب سلفی شیخ الحدیث گوجرانوالہ نے لکھا ہے جس میں صاحب کتاب اور کتاب کا بہترین تعارف ہے۔ آخر کتاب میں مصنف علیہ الرحمۃ کے حالات زندگی درج ہیں۔ کتابت طباعت عمدہ سرورق دیدہ زیب مجلد قیمت صرف دس روپے۔

ناشر

مکتبہ نذیریہ چیچہ وطنی

ملنے کا پتہ

مولانا محمد حنیف یزدانی قصوری خطیب اہل حدیث

چیچہ وطنی ضلع ساہیوال